اردو ترجمہ کتاب

الوسیلہ

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

اعداد و تقدیم

احسان الٰہی ظہیر

ادارة ترجمان السنة

شیش محل روڈ ــــ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

اردو ترجمہ کتاب

الوسیلہ

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

اعداد و تقدیم

احسان الٰہی ظہیر

ادارۃ ترجمان السنۃ شیش محل روڈ لاہور

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۴

تاریخ اشاعت . . . . جنوری ۱۹۸۴

قیمت مجلّد . . . . = ۲۱ روپے

طبع فی
جاوید ریاض پرنٹرز
لاهور، پاکستان

ناشر

ادارۂ ترجمان السنّۃ
شیش محل روڈ، لاهور

فہرست مضامین!

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

گے تو اس پر نہ چلیں گے۔ اگر گمراہی کی راہ دیکھ پاویں گے تو اس کو اپنی راہ بنا لیں گے کیونکہ وہ ہمارے حکموں سے انکاری اور بے پرواہ ہوں گے۔

(الاعراف : ۱۴۶)

پس جس میں غیّ و ضلالت دونوں بدخصلتیں جمع ہو گئیں وہ یہود و نصاریٰ دونوں کے مشابہ ہو گیا ہے۔ رب العزت سے التجا ہے کہ ہمیں اور ہمارے سب بھائیوں کو انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلائے ! (آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مقدّمہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان نادر روزگار شخصیتوں میں سے ایک ہیں جو روز روز دنیا میں نہیں آتیں اور جن کی روشنی اور تابانی ایک عالم کو منور کر جاتی ہے۔

آپ شام کے ایک مشہور علمی خاندان میں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام احمد رکھا، بعد میں ان کا لقب تقی الدین اور کنیت ابو العباس رکھی گئی۔ آپ پانچ سال تک اسی بستی حران میں مقیم رہے جس میں آپ کی ولادت ہوئی تھی اور چھ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ دمشق آگئے اور یہاں "دار الحدیث السکریہ" اور "مدرسہ الجیے عمق" میں علم حاصل کرتے رہے۔

آپ کی زیرکی اور ذہانت کا عالم یہ تھا کہ جب بھی کسی عبارت یا کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لیتے تو اسے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور وہ ہمیشہ کے لیے آپ کے ذہن میں مرتسم ہو جاتی۔

حافظ ابن عبد الہادیؒ نے اپنے تذکرہ العقود الدریتہ میں ایک روایت بیان کی ہے کہ:

"ایک مرتبہ دمشق میں حلب کے ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے تو

انہوں نے شہر کے ایک نوخیز لڑکے احمد بن تیمیہؒ کے سرعتِ حفظ کا شہرہ سنا، چنانچہ ایک دن وہ آپ کے مدرسے کی راہ میں کھڑے ہو گئے اور جب چھوٹے سے ابن تیمیہؒ ادھر سے گزرنے لگے تو انہوں نے ابن تیمیہؒ کو روک لیا اور ان سے تختی پر تیرہ حدیثیں لکھوائیں جب ابن تیمیہؒ لکھ چکے تو انہوں نے ان حدیثوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ مستقبل کے امام الانام اور شیخ الاسلام نے تختی پر ایک نظر ڈالی اور اسے اس عالم کو تھماتے ہوئے کہا کہ:

"اس کے لیے تختی دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، میں ان احادیث کو زبانی ہی سنا دیتا ہوں"

وہ شیخ اس پر بڑے متعجب ہوئے اور دوبارہ چند حدیثیں لکھوائیں۔ نوعمر ابن تیمیہؒ نے دوبارہ اسی طرح صرف ایک نظر ڈالنے کے بعد احادیثِ مکتوبہ کو زبانی سنا دیا۔ اس شیخِ حلب نے فرطِ تعجب سے بے ساختہ کہا کہ:

"اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا کہ میں نے اس بلا کا حافظہ کہیں نہیں دیکھا۔"

امام ابن تیمیہؒ ابھی سترہ برس کے نہیں ہوئے تھے کہ ان کے جلیل القدر استاذ قاضی شرف الدین المقدسیؒ نے انہیں مسندِ افتاء کو زینت بخشنے کی اجازت مرحمت فرما دی، اور بائیس برس کی عمر میں حکومت نے انہیں دمشق کے عظیم ترین مدرسہ "دار الحدیث السکریۃ" میں شیخ الحدیث کے منصبِ بلند پہ فائز کر دیا جس پر اپنی وفات تک ان کے والد شیخ عبدالحلیم براجمانؒ رہ چکے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے جب اس مدرسہ میں پہلا درس دیا تو اس میں آپ کے علم و فضل کی شہرت کی بنا پر قاضی القضاۃ شیخ بہاؤ الدین یوسف الشافعیؒ اور شیخ الاسلام تاج الدین الفزاریؒ اور شیخ زین الدین ابوحفص عمر المکیؒ اور شیخ زین الدین ابوالبرکات بن المنجیؒ ایسے نامور علما و قضاۃ موجود تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس درس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کے متعلق اس قدر نکات بیان کیے کہ تمام سامعین حیران رہ گئے اور شیخ الاسلام تاج الدین الفزاریؒ نے تو خود اپنے ہاتھ سے اس تقریر کو قلمبند کر کے مدرسہ کے کتب خانے میں محفوظ کر دیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی اس سے استفادہ کرتی رہیں۔

دارالحدیث میں تدریس کے دوران ان کا انداز یہ ہوتا تھا کہ کسی بھی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے پہلے قرآن حکیم سے دلائل پیش کرتے پھر حدیثِ نبویؐ سے اور اس کے بعد اقوال فقہاءؒ اور آراء صحابہؓ و تابعینؒ کو پیش کرتے اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے اقوال کو پیش کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ کسی ایک کی رائے سے تقلیدؒ کی بجائے حق کی حمایت و تائید کریں۔ چاہے وہ کسی جانب سے بھی ہو۔ تحریر و تقریر اور خطبات و فتاوی میں بھی آپ کی روش یہی تھی۔

۲ر محرم الحرام ۶۸۳ھ میں آپ دارالحدیث میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۰ر صفر المظفر ۶۸۳ھ میں آپ نے جامع دمشق میں ہر جمعہ کو تفسیرِ قرآن کا درس دینا شروع کیا۔ اس کی اس قدر شہرت ہوئی کہ دور دراز سے لوگ آپ کا درس سننے کے لیے آتے، یہاں تک کہ ابنِ کثیرؒ کے الفاظ میں:

کان یجتمع عندہ الخلق الکثیر والجم الغفیر ....
وصارت بذکرہ الرکبان فی سائر الاقالیم والبلدان[1]

کہ خلق کثیر اور جم غفیر کا اجتماع ہوتا اور تمام علاقوں اور شہروں میں ان کے نام کی شہرت ہوگئی۔

۲۹ برس کی عمر میں آپ کو منصب قضا پیش کیا گیا لیکن آپ نے صرف اس لیے اسے ٹھکرا دیا کہ آپ حکومت کی منشا پر صرف متاخرین اشاعرہ کے مسلک کی پابندی کے لیے تیار نہ تھے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۳

بلکہ ان کے برعکس عقائد میں محدثین کے مذہب کے پیرو اور پابند تھے۔ اسی بنا پر وہ جامع دمشق درسِ تفسیر کے دوران کئی دفعہ اپنی مخالفت مول لے چکے اور اپنے خلاف مظاہرے دیکھ چکے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ صرف بزم ہی کے نہیں بلکہ رزم کے انسان بھی تھے۔ چنانچہ تاتاریوں نے جب دمشق پر اور شام پر یلغار کی تو امام نہ صرف پچھلی صفوں میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے اور ان کی راہ میں قربانی دینے پر انگیخت کرتے بلکہ اگلی صفوں میں کھڑے ہو کر پروانہ وار تیروں اور تلواروں کے وار اپنے سینے پر بھی روکتے یہاں تک کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

"شام و مصر کے مسلمانوں کو تاتاریوں کے مقابلہ میں صف کرنے میں بہت بڑا ہاتھ امام ابن تیمیہؒ کا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے یا ان کی ایمان بھری تقریریں اور تحریریں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ نہ کرتیں تو کوئی بھی تاتاریوں کی راہ میں مزاحم ہونے پر تیار نہ ہوتا اور پھر جب مسلمان تاتاریوں کے مقابلہ پر پوری طرح کمر بستہ ہو گئے تو امام ابنِ تیمیہؒ گھر جاکر نہیں بیٹھ گئے بلکہ عام سپاہیوں کے دوش بدوش دادِ شجاعت دیتے رہے یہاں تک معرکۂ "شقحب" میں جب زور کا رن پڑا تب امام ابنِ تیمیہؒ نے امراءِ لشکر میں سے ایک سے کہا:

"مجھے وہاں لے چلو جہاں موت اپنے پر پھیلائے کھڑی ہو"

امیر عساکر نے آپ کے اصرار پر آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں پر چہار طرف سے تاتاریوں کے تیر برس رہے تھے۔ امام نے وہاں پہنچ کر اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیئے اور دیر تک آسمان کی طرف نگاہیں بلند کیے دعا مانگتے رہے پھر میان سے تلوار نکالی اور عقاب کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس دلیری، بہادری اور جانبازی سے لڑے کہ بڑے بڑے جوانمردوں اور آبائی سپہ گروں نے بے ساختہ آپ کی تعریف و توصیف کی اور آپ کی شجاعت کو خراجِ تحسین پیش کیا اسی معرکہ

میں تاتاریوں کو وہ شکست نصیب ہوئی کہ اس کے بعد پھر کبھی انہیں شام پر حملہ کی جرأت نہ ہو سکی۔"

تاتاریوں کی جنگ سے فراغت کے بعد امام ابن تیمیہؒ سابق کی طرح ہمہ تن دین کی خدمت میں مشغول ہو گئے اور ان بدعات و رسوم کے خلاف قلمی اور لسانی جہاد کا آغاز کیا جو اس وقت تک مسلمانوں میں رواج پا چکی اور دین کا ایک حصہ بن چکی تھیں۔

ساتویں صدی ہجری اس لحاظ سے منفرد خصوصیت کی حامل ہے کہ اس میں جس قدر بدعات کو فروغ حاصل ہوا کسی اور زمانے میں نہیں ہوا باوجودیکہ علماء مجتہدین اس زمانے میں بڑی کثرت سے موجود تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ پورے زور و شور سے جاری تھا، ان مشرکانہ رسوم اور بدعات کی طرف کسی نے توجہ نہ دی تاآنکہ امام ابن تیمیہؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خلاف بھرپور جدوجہد اور جہاد کا آغاز کیا رجب اور شعبان کی بدعتوں پر آپ نے تفصیلی کتابیں لکھیں اور بے شمار مناظرے کیے۔ صلوٰۃ الرغائب، صلوٰۃ الالفیہ، حولے شہری اور اسی طرح کی خود ساختہ نمازوں کا خاتمہ کیا وہ تھان توڑے جن کو مسلمانوں نے خوش عقیدگی کی بنا پر عبادت گاہوں کا درجہ دے دیا تھا۔ گدڑی پوش فقیروں کی اصلاح کی جو بھنگ و افیون کے نشہ میں سرمست، شریعت کی تمام حدوں کو توڑ بیٹھے اور لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز و محور بن چکے تھے، ولایت اور شعبدہ بازی کے درمیان فرق کیا اور لوگوں کو ان میں امتیاز کرنے کا طریقہ سکھا دیا۔ لوگوں کو جاہل واعظوں، ان پڑھ مولویوں اور خود ساختہ پیروں اور مشائخ کے چکر سے نکالا اور اقاویل رجال سے ہٹ کر کتاب و سنت کی پیروی کا درس دیا اور تقلید جامد کے ان بند صنوں کو توڑا جو برسہا برس سے مسلمانوں نے اپنے گلے کے طوق بنا رکھے تھے اس سلسلہ میں آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی دفعہ پابند سلاسل ہونے بلکہ زندگی کے آخری لمحات تک اس دعوت حق کے دینے سے گریز نہ کیا جس کی ابتداء پہلے روز کی تھی تاآنکہ اسی قید و بند کی صعوبتوں میں آپ نے آخر ذوالقعدہ ۷۲۸ھ میں اس

دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ بقا کا رُخ کیا

امام ابن تیمیہؒ حق گوئی و بے باکی کے ممتاز ترین وصف سے پوری طرح متصف تھے۔ صاحب دور کا منہ تکتے ہیں کہ:۔

"قطلوبک منصوری ملک شام کا ایک ترکی رئیس تھا۔ حکومت میں بھی اس کو بڑا رسوخ حاصل تھا۔ تاجروں سے چیزیں خریدتا تھا اور ان کی قیمت فوراً ادا نہیں کرتا تھا۔ پیسہ وصول کرنے کے لیے تاجروں کو بار بار اس کے گھر کا چکر لگانا پڑتا تھا اور کبھی کسی سے ناراض ہوا تو اس کو درّے بھی لگوا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک تاجر کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ اس کو کئی مرتبہ گھمانے پھرانے کے باوجود روپیہ نہیں دیا۔ اس نے امام موصوفؒ سے واقعہ بیان کیا۔ وہ اس کو لے کر سیدھے قطلوبک کے پاس گئے۔ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ تاجر کی دادرسی کے لیے آئے ہیں۔ ملاقات ہوتے ہی طنز کے طور پر کہا جب تم کسی امیر کو کسی فقیر کے دروازے پر دیکھو تو سمجھو کہ امیر اور فقیر دونوں اچھے ہیں، اور جب تم کسی فقیر کو کسی امیر کے دروازے پر دیکھو تو سمجھو فقیر اور امیر دونوں بڑے ہیں۔ امام موصوف نے فوراً ہی جواب دیا۔ فرعون تجھ سے برا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے اچھے تھے اس کے باوجود حضرت موسےٰؑ ہر روز فرعون کی ڈیوڑھی پر جاتے تھے اور اس کو ایمان کی دعوت دیتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فرعون نے حضرت موسےٰؑ کے دروازے پر گیا ہو۔ میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ اس تاجر کا حق ادا کر دو۔ — امام ابن تیمیہؒ کا برمحل جواب سن کر قطلوبک شرمندہ ہو گیا کوئی جواب نہیں بن پڑا اور بعد ازیں فوراً ہی تاجر کا روپیہ ادا کر دیا۔"

امام موصوف بڑے سے بڑے شخص کے سامنے بھی اس زور اور قوت کے ساتھ گفتگو کرتے تھے کہ مخاطب ان سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اسی حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے ان کو

مختلف مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے علماء مصلحت کا خیال کر کے بعض وقت چپ ہو جاتے تھے مگر امام موصوف کسی کی پرواہ کیے بغیر مسئلہ کی حقیقت کو پیش کر دیتے تھے۔ امامؒ ——— جب اسکندریہ سے رہا ہو کر آئے اور سلطان ناصر اور اس کے وزیر نے اہل کتاب سے ایک بھاری رقم لے کر ان کے ساتھ رعایت کرنا چاہی اور سلطان نے علماء سے فتویٰ پوچھا تو اس کے تیور دیکھ کر علماء خاموش ہو گئے مگر امام موصوفؒ نے اس پہلی ہی مجلس میں سلطان کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور اس کا ہرگز کوئی خیال نہیں کیا کہ اس کی مہربانی سے قید سے رہا ہو کر آئے ہیں۔ اسی طرح جود وسخا میں بھی آپ بے نظیر تھے۔

امام موصوف کوئی مالدار آدمی نہیں تھے۔ انہیں دارالحدیث السکریہ اور دارالحدیث الحنبلیہ میں پڑھانے کی معمولی تنخواہ ملتی تھی۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ان کا کھانا پینا زیادہ تر ان کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ ابن تیمیہؒ کے ہاں تھا اور جب مصر میں تھے تو وہ اپنے چچازاد بھائی کے گھر رہا کرتے تھے تاہم وہ اپنی استطاعت کے مطابق ہر ایک کی امداد و اعانت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ درہم و دینار اور کپڑا جو کچھ بھی ان کے پاس موجود ہوتا وہ حاجت مندوں کو دے دیتے تھے جب کبھی کسی کے پاس سے تحفے تحائف آتے تھے تو اس میں سب کو شریک کر لیا کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین احمد بن فضل اللہ العمریؒ کہتے ہیں کہ:۔

"ہر سال عطیوں کی صورت میں بہت سے دینار اور درہم ان کے پاس آتے تھے جن کو وہ غریبوں کے درمیان تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اپنے نفس کے لیے اس میں سے کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا کرتے تھے"

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے سلام کیا۔ صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ اس کو عمامہ کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنا عمامہ نکالا اور اس کا آدھا حصہ چاک کر کے اس کے حوالے کر دیا۔

ایک دن ایک راہ چلتے آدمی نے ان کو دعا دی اور آپ نے اپنے لباس کا ایک حصہ اس کے حوالے کر دیا اور کہا جاؤ اس کو اپنے کام میں لے آؤ۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک کتاب مانگی۔ امام ابن تیمیہؒ نے کہا :

"تمہارے سامنے ساری کتابیں رکھی ہوئی ہیں، جو چاہو پسند کر کے اٹھالو"

اس نے اپنے لیے وہی قرآن مجید پسند کیا جس کو آپ نے کئی درہم دے کر خریدا تھا جب وہ لے کر چلا گیا تو آپ کے ساتھیوں نے ملامت کی۔ انہوں نے کہا :

"کیا میرے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ مانگے اور میں اس کو نہ دوں۔ اس سے اس کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو جائے گا"

پھر کہا کہ :

"اگر کسی سے علم مانگا جائے تو اس کے دینے سے کسی کو انکار نہیں کرنا چاہیے" [۱]

کتاب الوسیلہ امام ابن تیمیہؒ کی ان معرکہ آرا تصنیفات میں سے ایک ہے جن میں امامؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ بدعات اور عوام میں مروجہ افکار و نظریات کی تردید و ابطال کیا ہے۔ "مسئلہ وسیلہ" ان مسائل میں سے ہے جن پر اہل بدعت بہت زیادہ زور دیتے ہیں امام علیہ الرحمۃ نے کتاب و سنت کی روشنی میں بڑے دل نشین اور مؤثر انداز میں اس کی نقاب کی اور حق کی راہ دکھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

احسان الٰہی ظہیر

---

[۱] مجمع الدرر ۱۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللہ شھیدا

تمام ستائش اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اس سے مدد مانگتے ہیں، اور اس سے معافی کے خواستگار ہیں۔ اور اپنے نفوس کی شرارتوں اور اپنی برائیوں سے اللہ ہی کے ساتھ پناہ پکڑتے ہیں، جسے اللہ ہدایت عطا کردے اسے کوئی بھٹکا نہیں سکتا، اور جسے وہ بھٹکا دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ تعالے نے ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے۔

قیامت کے قریب بشیر ونذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا، جن کے ذریعہ گمراہی کی جگہ ہدایت قائم کی اندھے پن کو دور کیا، کجی کو استقامت ورشد سے بدل دیا، اندھی آنکھیں بینا کیں، بہرے کان شنوا کیے، بند دل کھول دیئے۔ پھر خود رسول کریمؐ نے پیغام الٰہی ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا، امانت پوری پوری ادا کردی، امت کو نصیحت کی، اللہ کی راہ میں پوری جانفشانی سے جہاد کیا، اور زندگی کے آخری لمحات تک اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہے۔ حق وباطل میں تفریق کی، ہدایت وضلالت میں تمیز کی، راستی وناراستی کو جدا جدا کر دیا، جنتیوں اور دوزخیوں کے راستے الگ کیے، اللہ کے دوستوں اور دشمنوں میں شناخت پیدا کردی۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کہا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام بتایا ہے، اور دین وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے قائم کر دیا ہے۔ خدا نے آپ کو ثقلین یعنی جن وانس دونوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے، اس لیے سب پر فرض ہے کہ آپ پر، آپ کی شریعت پر ایمان لائیں اور ظاہر وباطن میں آپ کی اتباع کریں۔ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اطاعت،

یہی اولیاء اللہ کا راستہ ہے اور یہی وہ "وسیلہ" ہے، جسے تلاش کرنے کا حکم خدا نے اپنے بندوں کو اس آیت میں دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" (۶ : ۱۰)	مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف قرب تلاش کرو۔

(المائدہ: ایت ۳۵)

وسیلہ کی حقیقت

پس وسیلہ صرف اسی خوش نصیب کے لیے ہے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا، آپ کی اتباع کرتا اور اس ایمان واتباع کو اللہ تعالےٰ کے ہاں نجات کا "وسیلہ" بناتا ہے۔

اور اسی ایمان واطاعت کے ذریعہ وسیلہ تلاش کرنا ہر شخص پر ہر حال میں، ظاہر میں یا باطن میں، فرض ہے، اس کی فرضیت جیسی رسول اللہ صلعم کی حیات میں تھی ویسی ہی آپ کی وفات کے بعد اب بھی ہے۔ قیام حجت کے بعد مخلوق میں کوئی بھی اس سے مستثنٰی نہیں خواہ وہ کیسے ہی حالات میں ہو اور کتنے ہی عذر رکھتا ہو، اس کے سوا اللہ کے ہاں عزت پانے، اس کی رحمت حاصل کرنے، اور اس کے عذاب سے بچنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوقات کے شافع اور صاحب مقام محمود ہیں......

......کہ جس پر تمام اوّلین وآخرین رشک کریں گے، آپ تمام شفعاء سے بلند مرتبہ اور خدا کے حضور میں سب سے زیادہ وجاہت والے ہیں۔ موسےؑ کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

وَكَانَ عِنْدَ اللهِ وَجِيهًا	اور وہ خدا کے نزدیک عزت والا تھا۔

(الاحزاب: ایت ۶۹)

اور مسیح کے بارے میں فرمایا۔

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ	دنیا اور آخرت میں بڑی عزت والا۔

(ال عمران: ایت ۴۵)

شفاعت کا مستحق کون ہے؟

مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اعزاز ملا ہے انبیاء ومرسلینؑ میں سے کسی کو بھی نہیں ملا۔

لیکن آپ کی شفاعت سے صرف وہی لوگ پائیں گے جن کے حق میں آپ شفاعت و دعا

فرمائیں گے، پس میں تو یہ سعادت میسر آجائے گی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ودعا کو خدا تک اسی طرح وسیلہ بنائے گا جس طرح آپ کے اصحابؓ آپ کی دعا وشفاعت کو وسیلہ ٹھہرایا کرتے تھے۔ اور جس طرح قیامت کے روز لوگ آپ کی دعا وشفاعت کو وسیلہ بنائیں گے۔

صحابہ یہ لفظ "توسل" کو اسی معنی میں استعمال کرتے تھے۔ پھر آپ کی دعا وشفاعت کا وسیلہ صرف مومنین کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ کفار ومنافقین کے لیے شفاعت نہیں اسی لیے آپ کو اپنے چچا، باپ اور دوسرے کفار نیز منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع کر دیا گیا، اللہ تعالےٰ نے آپ سے یوں خطاب فرمایا۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔	اے نبی ان کے حق میں برابر ہے کہ تو بخشش مانگے یا نہ مانگے خدا ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

(المنافقون: آیت ۶)

لیکن جس طرح تمام مومن ایمان میں برابر درجہ نہیں رکھتے اسی طرح تمام کفار کا درجہ بھی مساوی نہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ۔	مہینوں کا ہیر پھیر کر دینا کفر میں ترقی ہے۔

(التوبہ: آیت ۳۷)

ابوطالب کے لیے شفاعت

پس جس کا کفر آپ کی امداد واعانت کی وجہ سے ہلکا ہو گیا اس کے لیے شفاعت ضرور مفید ہے مگر صرف تخفیف عذاب میں نہ کلیتہً معافی میں، جیسا کہ صحیح مسلم میں عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی "یارسول اللہ کیا ابوطالب کو آپ کی شفاعت کچھ فائدہ پہنچائے گی وہ تو آپ کی حمایت اور آپ سے محبت کرتا تھا؟ فرمایا

نَعَمْ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔	ہاں وہ تھوڑی تھوڑی آگ میں ہوگا اور اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے آخری درجہ میں ہوتا۔

دوسری روایت یوں ہے کہ ابوطالب آپ کی حمایت کرتا، مدد کرتا اور آپ کے لیے لڑتا تھا، کیا اس سے اسے کچھ فائدہ پہنچا؟ فرمایا

نَعَمْ وَجَدْتُهُ فِي غَمَرَاتٍ مِنْ نَارٍ	ہاں میں نے انہیں دوزخ کی گہرائیوں میں پایا

فَاَخْرَجْتُهٗ اِلٰی ضَحْضَاحٍ | وہاں سے نکال کر تھوڑی تھوڑی آگ میں کر دیا۔

نیز مسلم میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

لَعَلَّهٗ تَنْفَعُهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُجْعَلُ فِیْ ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ یَبْلُغُ کَعْبَیْهِ یَغْلِیْ مِنْهُ دِمَاغُهٗ۔ | شاید قیامت کے دن اسے میری شفاعت نفع دے اور اسے تھوڑی تھوڑی آگ میں کر دیا جائے جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے اس سے اس کا دماغ کھولے گا۔

اور فرمایا۔

اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَیْنِ مِنْ نَارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ | اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو گا، وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہو گا جن سے اس کا دماغ کھولنے لگے گا۔

اسی طرح آپ کی دعا بھی ایسے کفار کے حق میں مفید ہے مثلاً یہ دعا کہ دنیا میں ان پر عذاب جلد نہ اتارا جائے جیسا کہ آپ نے ایک نبیؑ کے متعلق فرمایا کہ اس کی قوم نے اسے مارا مگر اس نے یہی کہا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ | اے اللہ میری قوم کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں سمجھتے۔

روایت ہے کہ خود آپ نے بھی دعا کی تھی۔

اِغْفِرْ لَهُمْ وَلَا تُعَجِّلْ عَلَیْهِمُ الْعَذَابَ فِی الدُّنْیَا[1] | انہیں معاف کر اور دنیا میں ان پر عذاب میں جلدی نہ کر۔

کافروں کے بارے دعا

اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ | اگر اللہ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے پکڑتا تو دنیا پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن ایک

---

[1] بخاری وغیرہ میں ہے کہ نبی صلعم نے یہ دعا جنگ احد میں کی تھی جب مشرکوں نے آپ کو زخمی کر دیا تھا آپ کے دانت توڑ دیے تھے۔ حاشیہ

يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى۔ | وقت مقرر تک ان کو مہلت دیتا ہے۔

(النحل: ایت ۶۱)

نیز بعض کفار کی ہدایت و روزی کے لیے بھی آپ کی دعا مقبول ہو سکتی ہے جیسا کہ ابوہریرہ کی ماں کے لیے دعا کی اور وہ ایمان لے آئیں، اور جیسا کہ قبیلۂ دوس کے لیے دعا کی کہ۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّ ائْتِ بِهِمْ | اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ بعض مشرکین نے قحط سالی کی شکایت کی اور بارش کے لیے عرض کی تو آپ نے دعا فرمائی اور خوب بارش ہوئی۔

شفاعت اور ایمان

تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جناب نبی اکرم علیہ التحیۃ والسلام کا رتبہ خدا کی بارگاہ میں سب سے بلند ہے، کسی مخلوق کا مقام آپ کے مقام سے اونچا نہیں اور نہ کسی کی شفاعت آپ کی شفاعت سے بڑھ کر ہے۔ لیکن انبیاء کی دعاء و شفاعت، ان پر ایمان و اطاعت کی ہم مرتبہ نہیں کیونکہ ایمان و اطاعت سے آخرت کی سعادت اور عذاب سے مطلقاً نجات مل جاتی ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا، اطاعت کرتا اور اسی حال میں مرتا ہے وہ یقیناً جنتی ہے اور جو کوئی رسولؐ کے لائے ہوئے دین سے انکار کرتا ہے وہ یقینی طور پر جہنمی ہے۔

شفاعت کے مستفید ہونے کی شرط

لیکن شفاعت و دعا کا معاملہ اس سے کچھ مختلف ہے، اس سے فایدہ اٹھانا چند شرطوں پر مبنی ہے اور راہ میں کئی متعدد رکاوٹیں بھی موجود ہیں۔ کفار کی نجات کے لیے شفاعت و دعا محض بے فایدہ ہے اگرچہ شفیع کتنے ہی بڑے درجہ کا کیوں نہ ہو۔ محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور پھر ابراہیم خلیلؑ سے بڑھ کر کون شفیع ہو سکتا ہے، مگر ان کی شفاعت و دعا کا کیا نتیجہ نکلا؟ ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے باپ کے حق میں دعا کی تھی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ | اے رب! قیامت کے دن میری، میرے والدین کی اور مومنین کی مغفرت کر۔

(ابراہیم: ایت ۴۱)

پھر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جد امجد (ابراہیمؑ) کی اتباع میں اپنے چچا ابوطالب

کی بخشش کے لیے دعا کرنا چاہی، نیز بعض مسلمانوں نے بھی اپنے کافر اقرباء کے لیے یہی ارادہ کیا، مگر خدا تعالےٰ نے منع فرمادیا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔

نبی اور مومنوں کی شان سے بعید ہے کہ شرک کرنے والوں کے حق میں بخشش مانگیں گو وہ قریبی ہوں جب کہ ان کو معلوم ہو چکے کہ وہ جہنمی ہیں۔

(التوبہ: آیت ۱۱۳)

پھر ابراہیمؑ کی دعا میں ان کا عذر بیان فرمایا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔

اور ابراہیم کی دعا باپ کے لیے وعدہ کی وجہ سے تھی جو اس سے کر چکا تھا۔ پھر جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گیا۔ ابراہیم بڑا ہی نرم دل اور بردبار تھا۔

(التوبہ: آیت ۱۱۴)

حضرت ابراہیم و آزر کا واقعہ

صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَلْقٰى اِبْرَاهِيْمُ اَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلٰى وَجْهِهٖ قَتَرَةٌ وَّغَبَرَةٌ فَيَقُوْلُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِيْ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَبُوْهُ فَالْيَوْمَ لَا اَعْصِيْكَ، فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ يَا رَبِّ اَنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ

حضرت ابراہیمؑ قیامت کے دن اپنے باپ "آزر" سے اس حال میں ملیں گے کہ اس کا چہرہ سیاہ اور خاک آلودہ ہوگا۔ ابراہیم اس سے کہیں گے کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو، باپ جواب دے گا اچھا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کرتا۔ ابراہیم خدا سے عرض کریں گے اے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے قیامت کے روز ذلیل نہیں کرے گا، اس رسوائی سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہو

لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ وَاَيُّ خِزْيٍ اَخْزٰى مِنْ اَبِي الْاَبْعَدِ؟ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ "ثُمَّ يُقَالُ اُنْظُرْ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَاِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُوْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ

سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ فرمائیں گے میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر کہا جائے گا اپنے پیروں کے نیچے دیکھ، وہ دیکھیں گے کہ ایک لت پت بھیڑیا ہے، چنانچہ اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، پس ابراہیم علیہ السلام بلوجود اپنے اس بلند مرتبہ کے اپنے باپ کو کچھ نفع نہ پہنچا سکے کیونکہ وہ شرک کی حالت میں مرا تھا۔

قرآن شریف میں ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ، رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ"۔

ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی زندگی میں تمہارے لیے نیک مثال موجود ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور خدا کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سب سے علیحدہ ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک اللہ اکیلے معبود پر ایمان نہ لاؤ سوا ابراہیم کا اپنے باپ کو یہ کہنا کہ میں تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں تیرے لیے خود کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہم جھکے ہیں اور تیری ہی طرف ہمارا رجوع ہے۔

(الممتحنہ: ۴)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے اتباع کی ہدایت کی ہے مگر ان کے اس دعا کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے استغفار کے لیے کیا تھا کیونکہ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ | اللہ شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

کفار کی بخشش کے لیے دعا ناجائز ہے

یہی ماجرا سید الشفاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہوا۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَاْذَنْ لِیْ وَاسْتَاْذَنْتُہٗ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَھَا فَاَذِنَ | میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دے دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلعم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے، خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا پھر فرمایا

اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَاْذَنْ لِیْ وَاسْتَاْذَنْتُہٗ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَھَا فَاَذِنَ لِیْ فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ۔ | میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو نہ دی، قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دے دی، پس قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ موت یاد دلاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا "فی النار" (دوزخ میں) وہ کبیدہ خاطر ہو کر جانے لگا تو اسے بلا کر فرمایا۔

اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّارِ۔ | میرا باپ بھی اور تیرا باپ بھی دونوں جہنم میں ہیں۔

نیز صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ جب آیت۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ | اور اپنے قریبی کنبہ والوں کو سمجھایا کر۔

نازل ہوئی تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو جمع کیا اور ہر خاص و عام کو فرمایا۔

بدوں ایمان و اعمال صالحہ

یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّۃَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا | اے بنی کعب بن لوئی! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ! اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ

اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا فَاطِمَةُ! اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَاِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنی عبد شمس اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ! اے بنی عبدمناف! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اے بنی عبدالمطلب اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے فاطمہ رض! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا، کیونکہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فَاِنِّیْ لَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا، یَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَآ اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! لَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا، یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِیْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتِ لَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

اے قریش! اپنے کو خدا سے (خود) خرید لو کیونکہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ مگر خدا کے ہاں میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔

(الشعراء: ایت ۲۱۴)

حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ جب آیت ”وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ“ نازل ہوئی تو نبی صلعم اٹھے اور فرمایا۔

یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، یَا صَفِیَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا سَلُوْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتُمْ۔

اے فاطمہ رض محمد کی بیٹی! اے صفیہ عبدالمطلب کی بیٹی! اے اولاد عبدالمطلب! میں خدا کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگو۔

حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ السلام ہمارے درمیان خطبہ

دیتے کھڑے ہوئے مالِ غنیمت کی چوری کا ذکر کیا اور اس کے معاملہ کو بہت اہمیت دے کر فرمایا۔

لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ! لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ۔

تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بلبلاتا ہوا اونٹ ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچا لیجئے اور میں جواب دوں کہ تیرے لیے میں کچھ نہیں کر سکتا میں پہلے ہی بتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ہنہناتا ہوا گھوڑا ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ! بچا لیجئے اور میں جواب دوں کہ تیرے لیے میں کچھ نہیں کر سکتا، میں پہلے ہی بتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری ہو اور مجھ سے کہے اے اللہ کے رسول! بچا لیجئے اور میں جواب دوں کہ تیرے لیے میں کچھ نہیں کر سکتا، میں پہلے ہی بتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر لہراتے ہوئے کپڑے ہوں اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچا لیجئے اور میں جواب دوں کہ تیرے لیے میں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونا چاندی لدا ہوا ہو اور مجھ سے کہے اے رسول خدا مجھ کو

میرا بیٹے اور میں جواب دوں کہ تیرے لیے میں کچھ نہیں کر سکتا، میں پہنچا چکا۔

یعنی نبی علیہ السلام نے لا اغنی لک من اللہ شیئا ٹھیک اسی طرح فرمایا جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا۔

لاستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شیء۔ | میں تیرے لیے بخشش مانگوں گا ویسے خود کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

(الممتحنہ : ۴)

منکرین شفاعت کے دلائل کا جائزہ

رہی آپ کی شفاعت اور دعا تو اسے تمام مسلمان باتفاق مانتے ہیں

مخفی نہ رہے کہ اس پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قیامت کے روز آپ کی شفاعت مومنوں کے لیے ثواب کی زیادتی اور درجات کی بلندی کا سبب ہوگی۔ کہا جاتا ہے بعض اہل بدعت اس کے منکر ہیں۔ اسی طرح اپنی امت کے گنہگاروں کے لیے بھی آپ کی شفاعت پر تمام صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ اور تمام علمائے اسلام متفق ہیں، اختلاف صرف بدعتی فرقوں خوارج، معتزلہ اور زیدیہ کی طرف سے ہے جو اس کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں جو شخص جہنم میں داخل ہو گیا پھر اسے نہ شفاعت نہ کوئی اور چیز باہر نکال سکتی ہے کیونکہ ایک ہی شخص میں ثواب و عذاب مجتمع نہیں ہو سکتے، جو جنت میں گیا، دوزخ میں نہیں جا سکتا اور جو دوزخ میں گیا کبھی جنت میں نہیں آسکتا۔ لیکن صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ اربعہ اور تمام ائمہ اسلام کی رائے اس کے برعکس ہے، وہ وہی کہتے ہیں جو صحیح و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جب تک چاہے گا عذاب دے گا پھر بعض کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور بعض کو دوسروں کی شفاعت سے اور بعض کو بغیر شفاعت دوزخ سے نکالے گا۔

منکرین شفاعت مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل۔ | اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی نفس کسی کے کچھ بھی کام نہ آسکے گا، اور اس کی سفارش بھی قبول نہ ہوگی اور اس

عوض بھی نہ لیا جاوے گا۔

(البقرہ : ۴۸)

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ۔

اور نہ اس سے بدلہ لیا جاوے گا اور نہ تو اس کسی کی سفارش ہی کام دے گی۔

(البقرہ : ۱۲۳)

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ۔

پہلے اس سے کہ وہ دن آپہنچے کہ جس میں نہ تجارت ہو اور نہ دوستی اور نہ سفارش۔

(البقرہ : ۲۵۴)

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔

اس روز ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جو ان کی تکلیف کو ہٹوا دے۔

(المؤمن : ۱۸)

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ۔

پس کسی سفارشی کی سفارش بھی ان کو مفید نہ ہوگی۔

(۲۹ : ۱۶)

اہل سنت اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شاید اس سے دو چیزیں مراد ہیں۔

اول۔ یہ کہ شفاعت مشرکین کے لیے مفید نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ؟ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ، وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ، حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ۔

تم دوزخ میں کس وجہ سے داخل ہوئے وہ کہیں گے ہم نماز ادا نہ کرتے تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہ کھلاتے تھے اور کاموں میں لگے رہتے تھے۔ اور یوم الجزا کا انکار کرتے رہے یہاں تک کہ ہمیں اس کا یقین ہو گیا۔ پس کسی سفارشی کی سفارش بھی ان کو مفید نہ ہوگی۔

(المدثر: ۴۲ تا ۴۸)

پس ان کے حق میں شفاعت اس لیے نفع بخش نہیں کہ وہ کافر ہیں۔

دوم۔ اس سے اُس شفاعت کا انکار مقصود ہے جسے مشرک، اہل کتاب اور بدعتی مسلمان مانتے ہیں کہ خدا کے ہاں مخلوق کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے کی جرأت کرے جس طرح لوگ آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کرتے اور کسی احتیاج یا خوف یا لالچ کی وجہ سے قبول کر لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مشرکوں کا یہی حال تھا کہ خدا کو چھوڑ کر فرشتوں، نبیوں اور صالحین کو سفارشی سمجھتے ان کی تصویریں اور بت بنا کر ان سے شفاعت کی درخواستیں کرتے اور کہتے یہ خدا کے مقرب بندے ہیں، ہم ان سے دعا کرتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ خوش ہو کر خدا کے ہاں ہماری سفارش کریں اور ہمارا وسیلہ بنیں۔ جس طرح بادشاہوں سے ان کے مقربوں اور درباریوں کے ذریعہ سفارش کرائی جاتی ہے کیونکہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ محبوب ہوتے ہیں اور بغیر اجازت بھی سفارش کر دیتے ہیں، جسے بادشاہ بسا اوقات کسی امید یا خوف کی وجہ سے لوٹا دکرنا منظور کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایسی شفاعت کی تردید کر دی ہے۔

بجز امر الٰہی شفاعت نہیں ہوگی

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ	کون ہے جو بلا اجازت اس کے پاس سفارش کرے۔

(البقرہ: ۲۵۵)

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰى۔	اور آسمانوں میں کئی فرشتے ہیں ان کی سفارش بھی کسی کام نہیں آتی لیکن اللہ کے اجازت دینے اور پسند کرنے کے بعد۔

(والنجم: ۲۶)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ، لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ، یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا	اور کہتے ہیں رحمان نے اولاد بنائی ہے۔ وہ پاک ہے۔ بلکہ یہ تو اس کے معزز بندے ہیں اس کے سامنے بات بھی نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے فرمودہ پر عمل کرتے ہیں۔ وہ ان سے پہلے اور پچھلے واقعات بھی جانتا ہے اور وہ

يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ۔

سفارش بھی نہیں کرتے مگر جس کے حق میں خدا پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے کانپتے ہیں۔

(الانبیاء: ۲۶ تا ۲۸)

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ

کہہ دو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا کچھ سمجھے ہوا ان کو ذرا پکارو وہ نہ تو آسمانوں میں ذرہ جتنا اختیار رکھتے ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان دونوں میں کسی قسم کا ساجھا ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔ اللہ کے پاس ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ مگر اسی کو جس کے لیے وہ اجازت بخشے۔

(سبا: ۲۲ تا ۲۳)

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع دیں اور نہ نقصان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں تو کہہ کیا تم اللہ کو ان باتوں کی خبر بتلاتے ہو جن کو وہ آسمانوں اور زمینوں میں نہیں جانتا وہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بلند ہے۔

(یونس: ۱۸)

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔

اور جنہیں خدا کے پاس ایسے حال میں جمع ہونے کا خوف دامن گیر ہے جس میں نہ تو کوئی ان کا دوست اور متولی امور ہوگا، اور نہ کوئی سفارشی، اس کے ذریعہ تو ان کو ڈرا تاکہ وہ متقی بن جائیں۔

(الانعام: ۵۱)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے آسمانوں

بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ

زمینوں اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پھر تخت نشین ہوا اس کے سوا کوئی تمہارا ولی ہے نہ کوئی سفارشی کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

(سجدہ : ۴)

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۔

اور جن لوگوں سے یہ لوگ دعائیں مانگتے ہیں وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے علم سے حق بات کی شہادت دی ہو گی۔

(زخرف : ۸۶)

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۔

جیسا ہم نے تمہیں پہلے پہل اکیلا پیدا کیا تھا ویسے ہی تم ہمارے پاس آگئے ہو اور جو ہم نے تم کو دنیا کی نعمتیں عطا کی تھیں پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو اور نہ ہی تمہارے سفارشی نظر آتے ہیں جن کو تم اپنے حق میں ہمارا شریک سمجھتے تھے تمہارے تعلقات سب ٹوٹ گئے اور جو تم گمان کیا کرتے تھے تم کو سب بھول گئے۔

(الانعام : ۹۴)

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۔ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۔ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو شفیع سمجھ رکھا ہے؟ تو پوچھ کیا تم ان کو شفیع سمجھتے رہو گے چاہے ان کو کچھ بھی اختیار نہ ہو اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں تو کہہ کر سفارش تو ساری اللہ کے قبضے میں ہے آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اسی کو حاصل ہے پھر اسی کی طرف تم واپس کیے جاؤ گے، جس وقت اللہ اکیلے کا ذکر ہوتا ہے تو

إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ.

ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بھچتے ہیں، اور جب اللہ کے سوا اور لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔

(الزمر: ۴۳ تا ۴۵)

وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا.

اور تمام بول خدائے رحمان کے خوف سے دب گئے ہوں گے پس تو بغیر آہٹ پاؤں کے کوئی آواز نہ سنے گا۔ اس روز کسی کی سفارش نفع نہ دے گی۔ ہاں جس کے حق میں خدائے رحمان اجازت دے گا۔ اور اس کی بات اسے پسند بھی ہوئی ہو گی۔

(طٰہٰ: ۱۰۸، ۱۰۹)

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ أَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ ۝ إِنِّي إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ.

میرا کیا عذر کہ میں اس خدا کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم بھی رجوع ہو گے کیا میں اس کے سوا اوروں کو بھی معبود بناؤں حالانکہ خدائے رحمان اگر مجھ کو کسی قسم کا ضرر پہنچانا چاہے تو ان کی تو سفارش بھی میرے کسی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ میں فوراً ہی صریح گراہی میں جا پڑوں گا۔ یقیناً میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں پس تم میری سنو۔

(یٰس: ۲۲ تا ۲۵)

کون سی شفاعت مردود ہے

پس اس قسم کی شفاعت جس کے مشرکین قائل تھے اور فرشتوں وانبیاءؑ وصالحین کو اس کا اہل جانتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے ان کے بت گھڑ لیے اور کہا ان کے بتوں سے سفارش کی درخواست خود انہیں سے التجا نہیں ہے، نیز ان کی قبروں پر گئے اور کہا ہم ان سے مرنے کے بعد

بھی طلب شفاعت کرتے ہیں تاکہ خدا سے ہماری سفارش کریں، نیز ان کی تصویریں بنا کر پوجا کرنے لگے۔ لیکن خدا اور اس کے رسولؐ نے ایسی شفاعت کی تردید کر دی ہے اور اس کے اعتقاد پر مشرکین کی مذمت و تکفیر کی ہے، چنانچہ قوم نوحؑ کی یہ حالت بیان کی ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوا كَثِيرًا

اور ان بڑے لوگوں نے کہا اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور کہا ہے کہ نہ وَدّ کو چھوڑنا نہ سواع کو نہ یغوث کو نہ یعوق کو اور نہ نسر کو انہوں نے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا ہے۔

(نوح ۲۳)

تعظیم مقابر بت پرستی کی جڑ

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ قوم نوحؑ کے نیک لوگ تھے، جب مرے تو قوم ان کی قبروں پر جھک پڑی اور ان کے بت بنا کر پرستش شروع کر دی۔ یہ تفسیر کتب حدیث (بخاری وغیرہ) و تفسیر میں مشہور ہے۔ ایسی شفاعت کی آنحضرتؐ نے تردید کر دی ہے حتیٰ کہ ان لوگوں پر لعنت کی ہے جنہوں نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ اور وہاں نماز پڑھنی شروع کر دی، اگرچہ نماز پڑھنے والا ان سے شفاعت نہ بھی چاہتا ہو، قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور حضرت علیؓ کو اس مہم پر روانہ کیا کہ جو قبر بھی اونچی مل جائے اسے زمین کے برابر کر دیں اور جو بت بھی ملے اسے توڑ دیں۔ نیز مصوروں پر بھی لعنت کی ہے۔ ابو الہیاج اسدیؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا۔

اِنِّي لَا بَعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم اَلَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ (وفی لفظ) وَلَا صُوْرَةً اِلَّا طَمَسْتَهَا ۔ (مسلم)

میں تجھے اس کام پر بھیجتا ہوں جس پر رسول اللہ نے مجھے بھیجا تھا کہ کوئی بت بغیر مٹائے نہ چھوڑیو اور نہ کوئی اونچی قبر بغیر برابر کیے (اور ایک روایت میں ہے) نہ کوئی تصویر بغیر مٹائے چھوڑیو۔

باب ۱

توسل کے معنی، ایمان و دعا

لفظ "توسل" کبھی تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جن میں سے دو پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ پہلا تو ایمان و اسلام کی بنیاد ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ پکڑنا ہے۔ دوسرا معنی آپ کی دعا و شفاعت ہے اور یہ بھی مفید ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں حضور نے دعا و شفاعت کی وہ بالاتفاق اس سے وسیلہ حاصل کریں گے۔ توسل کی ان دونوں قسموں کا جو انکار کرے وہ کافر و مرتد ہے۔ اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ ایمان و اطاعت کے ذریعہ توسل دین کی بنیاد ہے اور یہ بات کسی مسلمان سے بھی خواہ عالم ہو یا جاہل پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص اس سے انکار کرے وہ صریح طور پر کافر ہے۔ رہی آپ کی دعا و شفاعت اور اس کا مسلمانوں کے لیے مفید و نافع ہونا تو اس کا بھی انکار کفر ہے لیکن یہ بات پہلی بات سے زیادہ باریک ہے، اس لیے اس کے منکر کو اگر نافہمی کا شکار ہے سمجھانا چاہیئے اگر پھر اصرار کرتا رہے تو اسے مرتد سمجھنا چاہیئے۔

عقیدہ توحید نجات کے لیے شرط ہے

اس دنیا میں آنحضور کی دعا و شفاعت کے نافع ہونے کا اہل قبلہ میں سے کوئی بھی منکر نہیں۔ البتہ قیامت کے روز شفاعت تو اہل سنت و جماعت یعنی صحابہؓ و تابعینؒ، ائمہ اربعہ اور تمام علمائے اسلام کا یہی مسلک ہے کہ قیامت کے دن آپ کی متعدد شفاعتیں ہوں گی جن میں بعض عام ہوں گی اور بعض خاص، نیز آپ اپنی امت کے ان اہل کبائر کے لیے بھی سفارش کریں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت عنایت کرے گا، اور یہ کہ آپ کی شفاعت سے صرف اہل توحید ہی نفع پائیں گے، مشرکین کو کوئی فایدہ نہیں پہنچے گا، اگر چہ وہ آپ سے کتنی ہی الفت رکھتے ہوں اور آپ کا کتنا احترام کرتے ہوں، آپ کی شفاعت انہیں ہرگز جہنم سے نہیں بچا سکے گی۔ البتہ جو چیز انہیں دوزخ سے بچا سکتی ہے وہ توحید باری تعالیٰ اور آپ پر ایمان ہے۔ یہی بنا پر ابوطالب اور دیگر آپ سے محبت رکھنے والے مشرکین آپ کی شفاعت یا کسی اور ذریعہ سے نجات نہیں پا سکیں گے کیونکہ آپ کے لائے ہوئے عقیدۂ توحید کے منکر تھے۔ بخاری شریف میں حضرت

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول۔

أَيُّ النَّاسِ أَسْعَدُ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۵

روز قیامت میں آپ کی سفارش سے سب سے زیادہ خوش نصیب کون شخص ہوگا۔

فرمایا۔

أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ ۵

قیامت کے روز میری شفاعت سے سب سے زیادہ خوش نصیب وہ شخص ہوگا جس نے خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔

نیز صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے ہی مروی ہے کہ۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ۵

ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے ہر نبی نے اپنی وہ دعا جلدی کر لی، لیکن میں نے اپنی دعا کو مخفی رکھا ہے کہ قیامت میں شفاعت ہو، اور وہ انشاء اللہ ہر اس شخص کو حاصل ہو کر رہے گی جو میری امت میں سے اس حال میں فوت ہوا کہ خدا کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا۔

حضرت عوف بن مالک سے سنن میں مروی ہے کہ۔

أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ۵

میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے اس بات کا اختیار دیا کہ یا اپنی نصف امت کا جنت میں داخل ہونا قبول کر لوں، اور یا شفاعت کا حق لے لوں، میں نے شفاعت کو اختیار کیا جو ہر اس شخص کو پہنچے گی جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

یہ ہے بنیاد اس دین کی جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، اسی کی دعوت و نفاذ کے لیے اس نے انبیاء کو بھیجا اور اسی کے دوام و استحکام کے لیے کتب آسمانی نازل کیں۔

وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور تو ان رسولوں سے پوچھ جن کو ہم نے تجھ سے

مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُونَ ۝

پہلے بھیجا تھا۔ ہم نے (اپنی ذات) رحمان کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کی بھی اجازت دی تھی؟۔

(سورۃ الزخرف : ۴۵)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝

اور جتنے رسول ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں ان سب کی طرف یہی پیغام ہم بھیجا کرتے تھے کہ بس میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

(الانبیاء : ۲۵)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۝

ہم نے ہر ایک امت میں رسول بھیجے تھے۔ کہ اللہ کی عبادت کرو اور ماسوا اللہ کی عبادت سے بچو پھر ان میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدایت کی اور بعض کو گمراہی چمٹ گئی۔

(النحل : ۳۶)

ہر رسول کی دعوت کا آغاز اس سے ہوتا تھا۔

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۝

اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

(سورۃ اعراف : ۶۵)

مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذُّلُّ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۝

میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ سب اللہ وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کریں میری روزی میرے نیزہ کے زیر سایہ رکھی گئی ہے اور میرے مخالف کے لیے ذلت و رسوائی کردی گئی، جو کوئی کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ اسی میں سے ہے۔

مشرکین مکہ کا شرک

قریش وغیرہ مشرکین جن کے شرک کی گواہی قرآن نے دی اور جن کے مال ومتاع، خون اور اولاد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کیا اور جن پر جہنمی ہونے کا حکم لگایا، سب کے سب اس بات کے قائل تھے کہ آسمان وزمین کی تخلیق میں خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اگر تو ان سے پوچھے کہ کون اوپر کی طرف سے پانی اتار کر زمین کو خشک ہونے کے بعد تروتازہ کر دیتا ہے تو کہیں گے اللہ ہی مدد کرتا ہے تو کہو الحمد للہ لیکن ان میں کے بہت سے نہیں سمجھتے۔

(العنکبوت، ۶۳)

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝

اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کیے ہیں کس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو کہیں گے خدا نے پھر کدھر کو بہکائے جاتے ہیں۔

(العنکبوت، ۶۱)

قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ۝ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ

تو کہہ بتلاؤ زمین اور زمین کے لوگ کس کی ملک ہیں اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ یہ لوگ کہہ دیں گے کہ اللہ ہی کی ہے تو کہو کیا تم نصیحت نہیں پاتے تو کہیو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے یہ کہدیں گے کہ اللہ ہی کی یہ شان ہے تم کہو کیا تم ڈرتے نہیں۔ کہہ تمام چیزوں کی حکومت کس کے قبضے میں ہے اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس سے بھاگے کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی اگر جانتے ہو تو بتلاؤ یہ کہدیں گے کہ اللہ ہی کی یہ شان ہے تو کہہ پھر

مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ

تم کہاں کو بہکائے جاتے ہو اور سچی بات ہم ان کے پاس لائے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ خدا نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ہوتا تو ہر ایک معبود اپنی اپنی مخلوق کو الگ الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا۔ اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں پاک ہے۔

(المومنون : ۹۱)

غیر اللہ کو شفیع بنایا

اور جن مشرکین نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسرے معبود بنا رکھے تھے وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ان کے یہ معبود مخلوق ہیں، ان کی عبادت سے مقصود صرف اللہ کا قرب اور اس کی جناب میں ان کی شفاعت سے بہرہ مند ہونا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۙ

اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع دیں اور نہ نقصان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں تو کہہ کیا تم اللہ کو ان باتوں کی خبر بتلاتے ہو جن کو وہ آسمانوں اور زمینوں میں نہیں جانتا۔ وہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بلند ہے۔

(یونس : ۱۸)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ

یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل ہے بے شک ہم نے اس کتاب کو سچی تعلیم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ پس تو اللہ ہی کی خالص عبادت کیا کر۔ سنو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے ہے اور جو لوگ اس کے سوا اوروں

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۥ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

کو حاجت روا بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہم کو درجے میں اللہ کے قریب کر دیں جن جن امور میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ خدا ہی ان میں صحیح فیصلہ کرے گا۔ بیشک اللہ تعالےٰ جھوٹے ناشکرے کو سمجھ نہیں دیا کرتا۔

(الزمر : ۱)

ان مشرکین کی تلبیہ کے الفاظ یوں تھے۔

لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ ۝

میں تیری جناب میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے یک شریک کے جو تیرا اپنا ہے تو اس کا اور اس کی ملکیت کا مالک ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۥ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ؕ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ

اس نے تمہارے سمجھانے کو تمہارے ہی میں سے ایک مثال تم کو بتلائی ہے کیا تمہارے مملوک غلاموں میں کوئی ہے کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں وہ تمہارے ایسے شریک ہوں کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں۔ ان سے تم ایسا خوف کرو جیسے اپنے بھائیوں سے تم ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم عقلمند لوگوں کے لیے دلایل بیان کرتے ہیں لیکن جو لوگ ظالم ہیں وہ محض جہالت سے اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں پھر جس شخص کو خدا ہی گمراہ کرے اس کو کون راہ دکھا سکتا ہے اور کوئی ان کا مددگار نہ ہو گا۔ پس تو ایک طرفہ ہو کر اپنے آپ کو خالص دین کی طرف لگائے رکھ اللہ کی بنائی ہوئی سرشت جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا اختیار کر اللہ کی

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

بناوٹ میں تبدیلی مناسب نہیں، یہی مضبوط طریق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے تم اسی کی طرف رجوع ہو کر اس تعلیم کے پابند رہنا اور اس سے ڈرتے رہنا اور نماز قائم رکھنا اور ان مشرکوں سے کبھی نہ بننا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے ہر ایک فریق کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔

(الروم : ۲۷)

اس مثال میں اللہ تعالےٰ نے سمجھایا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے اختیارات اور تملیکات میں شریک بنانا پسند نہیں کرتے تو خدا کے غلاموں اور بندوں کو اس کی خدائی میں کیوں شریک بناتے ہو اور کس بناء پر اسے پسند کرتے ہو؟

مشرکین کی اقسام

جن لوگوں کو خدا اور اس کے رسولؐ نے مشرک کہا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ قوم نوحؑ اور قوم ابراہیمؑ۔

قوم نوحؑ میں شرک کی ابتدا صالحین کی قبروں کی پرستش سے ہوئی، پھر انہوں نے ان کی تصویریں اور مجسمے بنائے، اور ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو گئے،

قوم ابراہیمؑ میں شرک کا آغاز سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش سے ہوا۔ دونوں فریق جنات کی عبادت کرتے ہیں، شیاطین ان سے کبھی گفتگو کرتے اور بعض کاموں میں ان کی امداد و معاونت بھی کرتے ہیں۔ وہ کبھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم فرشتوں کی عبادت کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہی ہے وہ جنوں کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ جن ہی ان کی مدد کرتے اور ان کے شرک کو بنظرِ تحسین دیکھتے ہیں۔

ملائکہ اور جنات کی پرستش

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝

اور جس روز خدا ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے

قَالُوْا سُبْحَانَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝

تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمارا تو والی ہے ان سے ہمارا تعلق نہیں بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے اکثر ان میں کے انہیں کو مانتے تھے۔

(سبا: ۴۰)

فرشتے شرک میں کسی کی امداد نہیں کرتے نہ حیات میں نہ موت میں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں البتہ شیاطین کبھی کبھی ان کی مدد کرتے اور انسانی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہوتے ہیں چنانچہ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر کبھی کوئی شیطان ان سے کہتا ہے میں ابراہیمؑ ہوں مسیحؑ ہوں، محمدؐ ہوں، خضر ہوں، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ یا فلاں شیخ طریقت ہوں، اور کبھی ایک دوسرے کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ فلاں نبی، فلاں شیخ یا خضر ہے، حالانکہ وہ سب کے سب جن ہی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق شہادت دیتے ہیں۔ جنات بھی انسانوں کے مانند ہیں۔ ان میں بعض کافر، فاسق، مجرم، باغی اور جاہل ہیں جب کہ دوسرے مسلمان۔ صالح، عبادت گذار اور مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی شیخ سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور جنگلوں میں دکھائی دیتے ہیں، راہ گیروں کو کھانے پینے کی چیزیں دیتے، راستہ بتاتے اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات بتاتے ہیں۔ دیکھنے والا دھوکہ میں آجاتا ہے اور یقین کرلیتا ہے کہ اس نے فلاں مردہ یا زندہ شیخ کو دیکھا ہے حالانکہ اس نے حرف ایک۔ جن اور شیطان کو دیکھا ہوتا ہے کیونکہ ملائکہ شرک، بہتان اور طغیان ظلم میں کسی کی امداد نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۚ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو پکارو پھر وہ تم سے تکلیف نہ دور کرسکیں گے اور نہ پھیر سکیں گے جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے تھے۔ کہ کون زیادہ مقرب ہے۔ اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے تیرے پروردگار کا عذاب واقعی ڈرنے

كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ | کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل: ۵۶)

آیت محولا بالا کی تفسیر میں سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ بعض اقوام فرشتوں اور نبیوں مثلاً عزیر و عیسٰے کو پکارتی تھیں، لہٰذا اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ ملائکہ وانبیاء بھی ویسے ہی خدا کے بندے ہیں جیسے کہ تم خود ہو اور وہ بھی اس کی رحمت کے طالب اور اس کے عذاب سے اسی طرح لرزاں و ترساں ہیں جس طرح تم خود ہو، پھر خدا کو چھوڑ کر کیوں ان کی پرستش کرتے ہو؟

قبروں، بتوں اور تصویروں کو پکارنا

یہ مشرک کبھی یوں کہتے ہیں ہم ملائکہ وانبیاء کی عبادت تو نہیں کرتے بلکہ تعریف و تمجید کے ذریعہ سے محض ان کی شفاعت چاہتے ہیں اور اسی نیت سے ان کے مزاروں پر حاضری دیتے ہیں، یہی تصویریں اور بت تو ان سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ ان عظیم شخصیتوں اور ان کے کارناموں کی یاد زندہ رہے، ہم تصاویر اور اصنام سے خطاب نہیں کرتے بلکہ ان بزرگوں سے خطاب کرتے ہیں جن کے یہ بت اور تصویریں ہیں۔ چنانچہ یہ مشرک لوگ ان کی جناب میں سر نیاز جھکا کر درخواستیں گذارتے ہیں اور التجائیں کرتے ہیں کہ "یا شیخ، یا پیر، اے بطرس حواری، اے نیک مریم، یا ابراہیم خلیل اللہ، یا موسیٰ کلیم اللہ وغیرہ وغیرہ اپنے خدا سے میری سفارش کیجیے، میری بخشش کی دعا فرمایئے،" کبھی قبروں پر جا کر اسی طرح کی درخواستیں گذارتے ہیں یا زندہ کو ان کی غیر حاضری میں اس طرح مخاطب کر کے پکاریں کرنے لگ جاتے گویا وہ موجود ہیں اور ان کی دعائیں، منا جاتیں سن رہے ہیں۔ پھر ان کی مدح میں قصیدے پڑھتے ہیں جن میں ہوتا ہے "اے میرے آقا! میں تیرے زیر سایہ ہوں، میں تیری پناہ میں ہوں .... اللہ سے میرے لیے شفاعت کیجیے، دعا کیجیے کہ ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل ہو، مصیبت دور ہو، تجھی سے میرا سوال ہے، تجھی سے میری فریاد ہے اپنے بندے کو محروم نہ لوٹا...." ان مشرکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن سے اپنے شرک پر دلیل لاتے ہیں کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝	اور جب انہوں نے اپنا برا کیا تھا تیرے پاس اگر خدا سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش مانگتا تو اللہ کو معافی دینے والا مہربان پاتے۔

(النساء: ۶۴)

اس آیت کے مطابق ہم رسول اللہ سے بخشش کی دعا کرتے تھے اور اس طرح صحابہ کرام کا عقیدہ بیان ہو جاتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی دعائے مغفرت حضور کی زندگی میں تھی اور ہم آپ کی وفات کے بعد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور صحابہ و تابعین و جملہ علمائے اسلام کے اجماع کے بالکل برعکس ہے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی حضور علیہ السلام کے وصال سے بعد نہ تو دعا نہیں کی نہ شفاعت کی نہ کسی اور چیز کی۔ اور نہ ائمہ اسلام میں سے کسی نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ بعض متاخرین فقہاء نے امام مالکؒ سے ایک جھوٹی روایت نقل کی ہے جس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

پس ملائکہ، انبیاء، اور صلحاء سے ان کی وفات کے بعد اس طرح کا خطاب خواہ ان کے مقابر کے ذریعہ سے ہو یا ان کی عدم موجودگی میں ہو یا ان کے مجسموں اور تصویروں کے ذریعہ ہو، مشرکین، اہل کتاب اور اہل اسلام کے بدعتیوں کا ایک شرک عظیم ہے کہ جنہوں نے خدا کے بغیر آپ سے آپ قسم قسم کے شرک اور طرح طرح کی عبادتیں ایجاد کر لیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ	کیا ان لوگوں کے شریک ہیں جنہوں نے ان کے دین میں ایسے کاموں کی اجازت دے رکھی ہے جن کی بابت خدا نے حکم نہیں بھیجا

(الشوریٰ : ۲۱)

لہٰذا ثابت ہوا کہ ملائکہ و انبیاء سے ان کی موت کے بعد یا ان کی غیوبیت میں دعا کرنا، التجا کرنا استغفار، شفاعت طلب کرنا، دین کا وہ حصہ ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔ نہ کوئی نبی اس کی تعلیم کے لیے مبعوث کیا۔ نہ کوئی کتاب نازل نہ وہ کسی مسلمان کے نزدیک بھی واجب ہے نہ مستحب۔ نہ کسی صحابی نے اس پر عمل کیا نہ تابعی نے نہ کسی امام نے اسے جائز بتایا۔ اور اگر کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو زہد و ریا کا لبادہ پہن کر اسے جائز کہتے، اس پر عمل کرتے، اس کی تائید میں قصے، کہانیاں اور خوابیں سناتے ہیں۔ تو اس سے وہ جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو کچھ اس کی تائید میں بیان کیا جاتا ہے شیطان کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس کی ممانعت کی ہے۔

انہیں مشرکین میں بعض ایسے بھی ہیں جو مُردوں کی شان میں مدحیہ قصائد لکھ کر ان سے دعائیں

کرتے، مرادیں مانگتے، نذریں مانتے اور استمداد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب باتفاق جملہ ائمہ اسلام نہ مشروع ہے نہ واجب اور نہ مستحب ہے اور یہ ایک متفقہ امر ہے کہ جو شخص ایسی عبادت اختیار کرتا ہے جو نہ واجب ہے نہ مستحب تو وہ گمراہ ہے، بدعت سیئہ کا بانی ہے کیونکہ اللہ تعالے کی عبادت صرف واجب یا مستحب عبادتوں ہی سے ہونا چاہیئے، کسی کو حق نہیں کہ از خود عبادات اختراع کیا کرے۔

اس قسم کے شرک میں بہت سے لوگ طرح طرح کے فائدے اور مصلحتیں بیان کرتے اور اس کی تصدیق میں زید، عمرو، بکر کے آراء و نظریات، تقلید و خواب وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے لیے دو جواب ہیں "پہلا جواب جو اصل ہے، نص و اجماع کا جواب ہے اور دوسرا قیاس و ذوق اور ان مباحثوں کے بیان میں ہے جو اس شرک سے پیدا ہوتی ہیں اور جو برائے نام نافع و مصالح سے بدرجہا زیادہ ہیں۔

مردہ اور غیر موجود سے دعا کی حرمت پر اجماع

پہلے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن و سنت کے تواتر اور سلف صالحین و ائمہ اسلام کے اجماع سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز بھی نہ واجب ہے نہ مستحب، حضور اکرم علیہ السلام نے نہ آپ سے پہلے کسی اور نبی نے کبھی ایسا کہا کہ فرشتوں، نبیوں اور صالحین سے دعائیں مانگو، شفاعت طلب کرو، ان کے مقابر سے یا ان کی غیر حاضری میں۔ کبھی کسی نبی نے یہ کہنے کا اذن نہیں دیا کہ "اے فرشتو! خدا سے ہماری شفاعت کیجئے۔ دعا کیجئے کہ ہم فتحیاب ہوں، خوش حال ہوں، ہدایت یاب ہوں" یا کسی مردہ نبی یا بزرگ کو مخاطب کر کے کہا جائے کہ "یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، خدا سے ہمارے لیے دعا کیجئے، مغفرت طلب کیجئے، ہمارے لیے فتح، رزق، ہدایت اور صحت کی درخواست کیجئے" یا یہ کہ "میں تم سے اپنی سیہ کاری کا، افلاس کا، بیچارگی کا شکوہ کرتا ہوں" یا یہ کہ "میں تمہارے دروازے پر حاضر ہوں، میں تمہارا مہمان ہوں، تمہاری حمایت میں ہوں" یا یہ کہ "جو تم سے پناہ مانگتا ہے اسے پناہ دیتے ہو، تم بے سہاروں کا آسرا ہو، بے آشناؤں کا سہارا ہو،" نیز کسی کے لیے درست نہیں کہ کاغذ کے پرزے پر اپنی درخواست لکھ کر قبر پر لٹکائے یا دستاویز میں لکھے کہ "میں فلاں ولی کی پناہ میں ہوں" ایسے اقوال و اعمال جو اہل کتاب اور اہل اسلام کے مبتدعین کا شیوہ ہیں، اہل کتاب اپنے گرجوں اور معبدوں میں اور نام کے مسلمان انبیاء و صالحین کے

مزاروں پر یا ان کی عدم موجودگی میں کرتے ہیں۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی نبی کی شریعت میں بھی یہ چیز موجود نہیں اور نہ مذہب اسلام میں اس کا کوئی ثبوت ہے، نہ حضورؐ نے اپنی امت کو اس کا حکم دیا، نہ حضورؐ کے اصحابؓ نے کبھی ایسا کیا، نہ تابعینؒ نے اس طرف رخ کیا، نہ ائمہ اربعہؒ وغیرہ نے اسے مستحب ہونے کا فتوےٰ دیا بلکہ کسی امام نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا کہ حج یا کسی اور موقع پر کسی مسلمان کے لیے مستحب ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے سامنے جاکر شفاعت کی درخواست کرے، یا امت کے دینی یا دنیاوی مصائب پیش کر کے دعا کی التجا کرے۔ خود صحابہؓ کرام پر آپ کے وصال کے بعد طرح طرح کی آفتیں آئیں، قحط پڑا، تنگدستی نے ستایا، خطرات درپیش ہوئے، دشمن کا غلبہ ہوا، گناہوں نے گھیرا مگر اس بات کا کہیں ثبوت نہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی رسولؐ اللہ، یا ابراہیمؑ خلیل اللہ یا کسی اور نبی کی قبر پر جاکر کہا ہو " ہم آپ سے قحط کا شکوہ کرتے ہیں، دشمن کی طاقت وغلبہ کی فریاد کرتے ہیں، گناہوں کا رونا روتے ہیں " یا یہ کہ " خدا سے ہمارے لیے یا اپنی امت کے لیے رزق فتح اور بخشش کی دعا کیجئے "

بدعت

یہ سب مابعد کی ایجاد کردہ بدعات ہیں ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں پسند نہیں کیا، کسی امام کے نزدیک بھی یہ نہ واجب ہیں نہ مستحب بلکہ سراسر بدعت ہیں، حسنہ اور بدعت سیئہ کیونکہ دین میں ہر وہ چیز جو واجب یا مستحب نہیں بدعت سیئہ ہے اور بالاتفاق جملہ مسلمین کے نزدیک ضلالت ہے۔ بعض لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں۔ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ، مگر انہوں نے بھی حسنہ اسی بدعت کو کہا ہے جس کا استحباب کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ اور جو یہ بھی نہیں اسے کسی مسلمان نے بھی قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں سمجھا پس جو کوئی ایسی اشیاء سے توسل کرتا ہے جو حسنات نہیں، اور نہ ہی ان کے وجود یا استحسان پر کوئی دلیل شرعی قائم ہے تو وہ گمراہ ہے شیطان کا پیروکار ہے۔ شیطان کے راستہ پر کاربند ہے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور اس خط کے دائیں بائیں چند اور لکیریں کھینچیں پھر فرمایا " یہ درمیانی خط خدا کا راستہ ہے اور اس کے علاوہ دیگر خطوط ایسے راستے ہیں کہ ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو اپنی طرف دعوت

۔۔۔ رہا ہے" بعد ازاں یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اور جانو کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی کی تابعداری کرو اور دیگر راستوں کی تابعداری نہ کرو ورنہ تم کو خدا کی راہ سے تتر بتر کردیں گے۔

(الانعام : ۱۵۳)

مومنین اوّلین کی اتباع

یہ ایک جامع اصل ہے جو خدا اور نبیؐ پر ایمان رکھنے والوں کے لیے واجب العمل ہے۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ سنتِ ماثورہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی راہ چھوڑ کر اپنی الگ راہ نکالے۔ پھر کسی کے لیے جائز نہیں کہ ایسے شخص کی پیروی کرے جو سنت و اجماعِ قدیم کے مخالف ہو، خصوصاً اس صورت میں جب کہ .... کوئی امام، کوئی مجتہد یا کوئی قابلِ اعتماد عالم اس کی بدعت کا ہم خیال نہیں۔ اور یہ کہنا کہ جب مخالف موجود ہے تو اجماع کہاں رہا؟ بے معنی بات ہے، کیونکہ اجماع نہ ہر کس و ناکس کی موافقت پر موقوف ہے اور نہ کسی کے اختلاف سے کالعدم ہوسکتا ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں بعد کے کسی مجتہد کا اختلاف بھی اسے کمزور نہیں کرسکتا، کیونکہ سنتِ متواترہ اور سلفِ امت کا اجماع موجود ہے۔ جب مجتہد کا یہ حال ہے تو پھر زید، عمرو، بکر کس گنتی میں ہیں؟ ان کی مخالفت و موافقت چہ معنے دارد؟ خصوصاً جب کہ ان کے پاس کوئی دلیلِ شرعی بھی نہیں بلکہ وہ ایسے لوگوں کے پیرو ہیں جو اللہ کے دین میں بغیر کسی علم، ہدایت اور بصیرت کے گفتگو کرتے ہیں۔

قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت

رسولِ خدا صلعم نے صرف یہی نہیں کیا کہ ایسے شرکیہ افعال کی اجازت نہیں دی، بلکہ انہیں حرام قرار دیا ہے، (مزید برآں) ان تمام باتوں کو بھی جو اس کا ذریعہ و سبب بن سکتی تھیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے مقبروں کو مسجد بنانا حرام ٹھہرایا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جندبؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے وفات سے پانچ روز پیشتر فرمایا تھا۔

اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ، اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ ؕ

تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجدیں بناتے تھے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں۔

بخاری و مسلم میں عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے وفات سے پہلے ارشاد فرمایا۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسَاجِدَ ۔	اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر لعنت کی کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسی خیال سے آپ کی قبر کو اونچا نہیں کیا گیا کہ کہیں لوگ اسے مسجد نہ بنالیں۔

کسی جگہ کو مسجد بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پنجگانہ اور دیگر عبادات کے لیے اسے خاص کرلیا جائے جیسے کہ مساجد کو صرف اللہ واحد کی عبادت اور اسی سے دعا کے لیے خاص کیا جاتا ہے! لیکن نبی علیہ السلام نے سر سے سے قبروں کو مسجد قرار دینا یعنی وہاں نماز پڑھنے کے لیے اس طرح جانا جس طرح مسجدوں میں جاتے ہیں، قطعاً حرام کردیا ہے اگرچہ جانے والے کی نیت صرف ایک اللہ کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ اس لیے کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ایسی مساجد یعنی قبروں میں محض صاحب قبر کی عقیدت، اس سے دعا مانگنے، منگوانے یا قبر کو متبرک سمجھ کر اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کو افضل جان کر آمدورفت شروع کردیں۔ اسی بنا پر حضورؐ نے ایسے مقامات کو رب واحد کی عبادت کے لیے کام میں لانے ہی سے منع کردیا تاکہ کہیں شرک کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ اور شریعت کا عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی فعل موجب فساد و باعث مضرت ہو اور اس میں کوئی بڑی مصلحت بھی نہ ہو تو اس سے منع کردیا جاتا ہے۔ جیسا کہ تین وقتوں میں نماز کی ادائیگی سے منع کردیا گیا ہے۔ کیوں ان اوقات میں وہ بڑے فتنہ کا موجب بن سکتی تھی۔ اس میں مشرکین کے ساتھ تشبہ پایا جاتا تھا۔ جو شرک کی طرف لے جاسکتا تھا، اور کوئی خاص مصلحت نہ تھی جس کی رعایت کی جاتی کیونکہ دوسرے اوقات میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ پس اگر ان اوقات میں نماز کی ممانعت شرک کی راہ مسدود کرنے کے لیے تھی کہ کہیں سورج کی پرستش کا ذریعہ نہ بن جائے تو خود آفتاب پرستی کا کیا حکم ہوگا؟ ظاہر ہے وہ ان اوقات میں نماز سے بھی زیادہ حرام ہوگی۔ اسی طرح جب انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجد قرار دینے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ مردوں کی دعا و عبادت کا سبب نہ بن جائے، تو خود یہ دعا و عبادت قبر کے مسجد قرار دینے سے بھی زیادہ حرام ہوگئی۔

زیارتِ قبور کی اقسام

بنابریں مسلمان قبروں کی زیارت کی دو قسمیں ہوگئیں: شرعی زیارت، بدعتی زیارت۔ شرعی زیارت یہ ہے کہ مردہ کے لیے دعا کی نیت سے جایا جائے جس طرح نمازِ جنازہ میں شرکت دعا کی غرض سے ہوتی ہے۔ قبر پر جانا اور نماز جنازہ پڑھنا دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ	اور ان میں سے کوئی مرے تو اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھ اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑا ہو۔

(التوبہ ، ۸۴)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر قیام کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ انہوں نے خدا اور رسولؐ سے کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ یہیں سے یہ حکم بھی نکلا کہ جن لوگوں میں یہ علت (کفر) نہ ہو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے اور ان کی قبروں پر جانا بھی درست ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات سب کے حق میں ناجائز ہوتی تو منافقین کا خصوصیت سے ذکر نہ کیا جاتا اور نہ اس کی علت کفر قرار دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ مومنین کے جنازوں پر نماز پڑھنا اور ان کی قبروں پر جانا سنت متواترہ سے ہوگیا۔ چنانچہ نبی صلعم نے مسلمان جنازوں کی خود نماز پڑھی اور امت کو اس کا حکم دیا نیز جب کوئی مسلمان دفن کیا جاتا تو حضورؐ قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے۔

سَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ ۝	اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہے۔

نیز آپ بقیع کے قبرستان اور جنگ اُحد کے شہیدوں کی قبروں کی زیارت کو جاتے اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے کہ جب قبروں پر جاؤ تو یہ دعا پڑھو۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ ۝	ان گھروں میں بسنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو، ہم انشاء اللہ تم سے ملیں گے، خدا ہمارے اور تمہارے آگے جانے والوں، اور پیچھے جانے والوں پر رحم فرمائے، ہم اپنے اور تمہارے لیے خدا سے عافیت مانگتے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ان کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور فرمایا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ، اِنَّا	مومنوں کے گھر و تم پر سلامتی ہو ہم انشاء اللہ تم سے

شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ۝ | ملنے والے ہیں۔

اس باب میں کثرت سے صحیح حدیثیں موجود ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔

قبورِ کفار کی زیارت

مقابر کی یہ شرعی زیارت ہے جس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ مدفون کی بخشش اور بلندئی درجات کے لیے دعا کی جائے۔ اسی ضمن میں وہ زیارت بھی ہے جسے زیارت مشترکہ کہتے ہیں۔ وہ جو کفار کی قبروں کے لیے بھی جائز ہے۔ اس سے مقصود محض عبرت اور ذکرِ موت ہوتا ہے جیسا کہ مسلم، ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث میں ابوہریرہ رضؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا اور فرمایا۔

اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَھَا فَلَمْ یَاْذَنْ لِیْ فَاسْتَاْذَنْتُہٗ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَھَا فَاَذِنَ لِیْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُکُمُ الْاٰخِرَۃَ ۝

میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو نہ دی۔ پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دے دی، تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائیں گی۔

پس ایسی زیارت جو موت کی یاد تازہ کرے جائز ہے، اگرچہ قبر کسی کافر ہی کی کیوں نہ ہو۔ بخلاف اس زیارت کے جس سے مقصود مدفون کے لیے دعا ہوتی ہے تو وہ صرف مومنین کی قبروں ہی کے لیے درست ہے۔

زیارت کی دوسری قسم بدعی زیارت ہے اور اس سے مقصود ایسی زیارت ہے جس میں مردہ سے منت ماننا، دعا چاہنا، شفاعت طلب کرنا، یا براہِ راست خدا سے یہ سمجھ کر دعا کرنا ہوتا ہے کہ اس قبر کی بزرگی کی وجہ سے دعا مقبول ہوگی۔ اس قسم کی تمام زیارتیں بدعت ہیں جن کا نہ رسول خدا نے حکم دیا نہ صحابہ کرام رضؓ نے ایسا کیا نہ رسول اللہ کی قبر کے ساتھ نہ کسی اور کی قبر کے ساتھ، بلکہ یہ از قسم شرک ہے اور اس کے ذریعہ شرک کے مزید دروازے کھلنے کا خطرہ ہے۔

اور جب انبیاء و صالحین کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا بغیر ان سے دعا کرنے یا ان کے پاس دعا کو بہتر جاننے کے بھی حرام اور خدا کے غضب و لعنت کا سبب ہے جیسا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسَاجِدَ ۝

اللہ کا شدید ترین غضب اس قوم پر نازل ہوا جس نے انبیاء کی قبروں کو ساجد ٹھہرالیا۔

تو اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو مردوں سے دعا کرتا، اور ان کے مزاروں کے پاس دعا کو بہتر سمجھتا، سے دعا کی قبولیت اور آرزوؤں کے بار آور ہونے کا ذریعہ خیال کرتا ہے؟"

یہی وہ چیز تھی جس سے سب سے پہلے قوم نوحؑ میں پھر دیگر اقوام میں بت پرستی کا آغاز ہوا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں ایسی گذریں جن میں لوگ اسلام پر قائم تھے، پھر صلحاء کی قبروں کی عزت و تکریم کی بناء پر شرک کا دور دورہ ہوگیا۔ ابن عباس رضہ وغیرہ کا یہ قول صحیح بخاری، کتب تفسیر اور قصص الانبیاء میں مشہور ہے کہ آیت:۔ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ ......

(نوح: ۲۳) میں جو نام مذکور ہیں، یہ قوم نوحؑ کے نیک لوگوں کے نام تھے، جب وہ فوت ہوگئے تو لوگوں نے ان کی تعظیم شروع کی، پھر ان کی تصاویر اور تماثیل وضع کیں اور ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس رضہ کا قول ہے کہ پھر یہ بت قبائل عرب میں منتقل ہو آئے۔

ابن سینا جیسے ملحد فلاسفہ نے زیارتِ قبور کے سلسلہ میں شرک کو ایک نیا جامہ پہنایا ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالے نے آسمان زمین چھ دن میں پیدا کئے اور یہ کہ وہ جزئیات کا علم رکھتا، اپنے بندوں کی صدائیں سنتا، دعائیں قبول کرتا ہے۔ وہ انبیاء و صالحین کی شفاعت کے وہ معنی نہیں لیتے جو مومنین سمجھتے ہیں کہ شفاعت صالح آدمی کی دعا ہے جسے اللہ تعالے شرف قبولیت عطا کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دعا بے اثر چیز ہے اور دنیا کے تمام حادثات و واقعات میں موثر حقیقی، قوائے نفس یا حرکات فلک یا طبعی اسباب ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ انسان جب کسی نیک میّت سے محبت کرتا ہے، خصوصاً جب اس کی قبر پر جاتا ہے تو اس کی روح سے ان عقل میں اتصال حاصل ہو جاتا ہے جو میت کے روح پر عقل فعّال کا فیضان کرتی ہیں، یا نفس فلکیہ زائر کی روح پر اپنا فیضان اس طرح شروع کر دیتا ہے کہ خدا کو ذرا بھی خبر نہیں ہوتی بلکہ کبھی خود زائر کی روح کو بھی احساس نہیں ہوتا۔ اس کی مثال وہ یہ ہے کہ سورج کے سامنے جب آئینہ آتا ہے۔ تو اس پر شعاعیں پڑتی ہیں اور اگر اس آئینہ کے سامنے کوئی اور آئینہ آجائے تو اس میں شعاعیں آجاتی ہیں اور اگر اس آئینہ کے سامنے کوئی دیوار یا پانی ہو تو اس پر بھی فیضان شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے خیال میں شفاعت و دعا کی بھی یہی کیفیت ہے اور اسی طریقہ سے زیارت کرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

مشرکین پر جنات و شیطانوں کا ظہور

اس رائے پر کفر و ضلالت کا جس قدر غبار ہے، کسی صاحب خرد سے پوشیدہ نہیں شبہ بتوں کے ذریعہ شیاطین کا جو کچھ تصرف ظاہر ہوتا ہے، انسانوں کی گمراہی کا ایک بڑا سبب ہے۔ قبر کو بت بنانا، شرک کی ابتداء ہے، اس لیے اس کے پاس بھی بعض لوگوں کو کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں، مورتیں دکھائی دیتی ہیں، کوئی عجیب و غریب تصرف نظر آتا ہے جسے وہ مردہ کی کرامت سمجھتے ہیں۔ مثلاً کبھی دکھائی دیتا ہے کہ قبر شق ہوگئی، مردہ باہر نکل آیا، باتیں کیں، معانقہ کیا۔ اس طرح کی چیزیں، نبیوں اور ان کے علاوہ دوسروں کی قبروں پر بھی پیش آسکتی ہیں، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب شیطان کی چالیں ہیں جو آدمی کے بھیس میں ظاہر ہو کر مکر و فریب کا کرشمہ دکھاتا ہوا کہتا ہے کہ میں فلاں نبی یا فلاں شیخ ہوں۔

اس بارے میں متعدد واقعات مشہور ہیں جن کی تفصیل کے لیے یہاں گنجائش نہیں۔ جاہل سمجھتا ہے کہ قبر سے نکل کر باتیں کیں، معانقہ کیا، بذات خود مردہ تھا، نبی یا ولی تھا، لیکن مومن کامل جانتا ہے کہ وہ شیطان تھا جو گمراہ کرنے کے لیے آیا تھا۔

جنات کو دور کرنے کا طریقہ

اس قسم کے واقعات کی اصلیت معلوم کرنے کی بہت تدابیر ہیں۔ مثلاً سچے دل سے آیت الکرسی کی تلاوت کرے، اگر شیطان ہے فوراً غائب ہو جائے گا یا زمین میں دھنس جائے گا، اور اگر صالح انسان یا فرشتہ یا مسلمان جن ہوگا تو اسے آیۃ الکرسی سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکے گا، کیونکہ اس سے صرف شیطان ہی کو نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ ان سے ایک جن نے کہا، "جب سونے لگو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تاکہ خدا محافظ رہے اور شیطان قریب نہ بھٹکے۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا تو کہنے لگے "جھوٹے نے سچی بات کہی" یا یہ کہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے۔ شیاطین نبیوں کو بھی دکھ دیتے اور ان کی عبادت میں خلل ڈالنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

نبی کریمؐ کا جنات سے مقابلہ

چنانچہ خود نبی کریمؐ پر ایک دفعہ جنات حملہ آور ہوئے تھے جیسا کہ ابو التیاح سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبد الرحمٰن بن حبش سے دریافت کیا کہ جب شیاطین نے شرارت کی تو نبی صلعم نے کیا کیا تھا؟ کہا پہاڑ کی گھاٹی میں سے شیاطین آپ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شیطان کے ہاتھ میں بھڑکتا ہوا شعلہ تھا اور آپ کو جلا ڈالنا چاہتا تھا، آپ خوف زدہ ہو گئے، مگر فوراً جبرئیلؑ آگئے اور کہنے

لگے اے محمدؐ! جو کچھ میں پڑھتا ہوں آپ بھی پڑھیئے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ مِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنَ الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ يَطْرُقُ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ ۝	اللہ کے ان کلمات تامات کے ساتھ جن سے نہ کوئی نیک تجاوز کر سکتا ہے نہ بد، میں پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے جسے خدا نے پیدا کیا اور بڑھایا اور اس کے شر سے جو آسمان سے اترتا اور جو اس کی طرف چڑھتا ہے اور اس کے شر سے جو زمین سے نکلتا ہے اور جو اس میں اترتا ہے اور رات اور دن کے فتنوں کے اور ہر اس رات کے آنے والے کے شر سے جو آئے بجز اس آنے والے کے جو اے رحمٰن! بھلائی لے کر آئے۔

چنانچہ شعلہ بجھ گیا اور شیطان بھاگ گئے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "ایک جن دیو رات کو میری نماز میں خلل ڈالنے کی نیت سے آیا، اللہ تعالےٰ نے مجھے اس پر قابو دیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم اسے دیکھو، مگر سلیمانؑ کی دعا۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ ۝	اے میرے پروردگار! میری خطا معاف فرما اور مجھ کو ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کو نہ ہو۔

(صٓ : ۳۵)

یاد آگئی، اللہ تعالےٰ نے اسے ذلیل و رسوا کر کے لوٹایا" حضرت عائشہ رضہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریمؐ نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان آگیا، آپ نے اسے زمین پر دے مارا اور گلا دبایا آپ فرماتے تھے کہ اس کی زبان کی سرد رطوبت میں نے اپنے ہاتھ پر محسوس کی، اگر سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح بندھا ہوا ملتا" (نسائی) حضرت ابوسعید خدری رضہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے اور میں پیچھے تھا کہ اچانک قراءت خلط ہو گئی، جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو فرمایا: کاش تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے، میں نے ہاتھ بڑھا کے اسے پکڑ لیا اور برابر گلا دبا تا رہا یہاں تک کہ اس کے لعاب کی ٹھنڈک اپنی ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور انگشتِ شہادت) میں محسوس کی، اگر میرے بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد کے ستون سے بندھا ہوا ملتا،

اور مدینہ کے لڑکے اس سے کھیل رہے ہوتے، جہاں تک ممکن ہو اپنے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہونے دو۔" (احمد و ابوداؤد)

صحیح مسلم میں حضرت ابوالدرداء رضہ سے مروی ہے کہ حضور صلعم کو نماز میں ہم نے یہ کہتے ہوئے سنا:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ۝	تجھ سے خدا کی پناہ۔

پھر تین مرتبہ فرمایا:-

اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ط	تجھ پر خدا کی لعنت۔

پھر ہاتھ بڑھایا گویا کوئی چیز پکڑ رہے ہیں، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول، آج ہم نے آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے سنا جو پہلے نہ سنی تھی نیز آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا "دشمنِ خدا ابلیس آگ کا شعلہ لے کر آیا کہ میرے منہ میں ڈال دے۔ اس پر میں نے تین مرتبہ کہا" اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ " پھر کہا۔ " اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ " اس پر وہ پیچھے ہٹ گیا، میں نے چاہا کہ پکڑ لوں، اللہ اگر بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو بندھا ہوا ملتا اور مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلنے میں مشغول ہوتے۔

جن و شیاطین سے مومنین کو نقصان نہیں پہنچتا

پس جب شیاطین انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کرتے، ستاتے اور عبادت میں خلل ڈالنا چاہتے تھے تو اور لوگ کس شمار میں ہیں؟ انبیاء اپنی دعا، ذکر، عبادت، عملی جہاد اور خداداد قوتوں سے ان کے مشن کو ناکام بنا دیا کرتے تھے، چنانچہ نبی کریمؐ نے خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے علوم، اعمال، صلوٰۃ اور جہاد کے ذریعہ شیاطین الانس والجن کا قلع قمع کر دیا تھا اور وہ آپ کو گزند نہ پہنچا سکتے تھے۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی خدا شیطان پر غلبہ عطا کرتا ہے جو انبیاء کے پیرو ہوتے ہیں۔ لیکن جو اپنے لیے ایسا دین وضع کرتے ہیں جس کا انبیاء نے حکم نہیں دیا، ان کی بتائی ہوئی عبادات سے پہلوتہی کرتے ہیں خدا واحد سے روگردانی کرتے ہیں، اس کے رسول مقبول صلعم کی اتباع سے اعراض کرتے ہیں، انبیاء و صالحین کے حق میں غلو و شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تو شیطان انہیں اپنا نشانہ بنا لیتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ	جو لوگ خدا پر کامل ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب ہی

اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر اس کا کسی طرح سے زور نہیں چل سکتا اس کا زور بس انہی لوگوں پر ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور جو اس کے سبب سے شرک کرتے ہیں۔

(النحل : ۹۹)

اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝

کہ میرے نیک بندوں پر تیرا زور اور قابو نہ ہوگا مگر انہیں پر ہوگا جو تیرے تابع ہوں گے۔

(بنی اسرائیل : ۶۵)

اسی طرح شیطان کے پرکھنے کی یہ صورت بھی ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کی اصلیت اشکارا کردینے کے لیے التجا کرے، یا خود دکھائی دینے والے سے دریافت کیا کرے تو واقعی فلاں شخص ہے؟ بڑی بڑی قسمیں دلائے، آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرے، وغیرہ طریقے کہ جن سے شیطان مرعوب ہوتے اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں کو کبھی دکھائی دیتا ہے کہ کعبہ ہے جس کے گرد طواف ہو رہے ہیں عظیم الشان عرش ہے جس پر ایک عظیم الشان پرجلال ہستی جلوہ فرما ہے۔ لاتعداد آدمی اوپر نیچے آجا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر سادہ لوح سمجھ لیتا ہے کہ یہ آدمی فرشتے ہیں اور وہ ہستی اللہ عزوجل ہے جو اپنے عرش عظیم پر مستوی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ سب شیطان کے شعبدے ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کا واقعہ

اس طرح کے واقعات متعدد لوگوں کو پیش آچکے ہیں، بعض کی اللہ تعالیٰ نے دستگیری کی اور ان پر واضح کردیا کہ یہ سب شیطان کی فریب سازی ہے جیسا کہ شیخ عبدالقادر رحمہ جیلانیؒ کے مشہور قصہ میں ہے کہ انہوں نے کہا :"

ایک دن میں عبادت کر رہا تھا، یکایک ایک بہت بڑا تخت نظر آیا جس پر نور ہی نور تھا، اس میں سے یوں آواز آئی "اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور تیرے لیے وہ تمام چیزیں حلال کیے دیتا ہوں جو دوسروں کے لیے حرام ہیں!" میں نے جواب دیا "کیا تو ہی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟ دور ہو اے دشمن خدا!" اس پر نور غائب ہوا، تاریکی نے ڈیرا جمایا اور آواز آئی:

عبدالقادر! تو اپنے فقاہت، علم اور احوال میں پختگی کی بدولت میرے مکر سے بچ گیا ورنہ میں اس کرشمہ سے ستر شیوخ گمراہ کر چکا ہوں!" شیخ سے پوچھا گیا۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ شیطان ہے؟ جواب دیا اس کی اس بات سے کہ "تیرے لیے وہ سب چیزیں حلال کیے دیتا ہوں جو دوسروں کے لیے حرام ہیں"، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ شریعت محمدی حتمی اور قطعی ہے بدلنے والی نہیں، دوسری بات یہ تھی کہ اس نے کہا "میں تیرا رب ہوں" اور یہ نہ کہہ سکا کہ "میں ہی وہ اللہ ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

دنیا میں دیدارِ الٰہی

لیکن کچھ ایسے نادان بھی ہوتے ہیں جو اس طرح کے افراد شعبدے دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ ہم نے حالتِ بیداری میں اللہ کو دیکھا ہے۔ اور دلیل میں اپنا مشاہدہ پیش کرتے ہیں، ہم انہیں کاذب نہیں کہتے، ان کا مشاہدہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر ان کی حقیقی غلطی یہ ہوتی ہے کہ شیطان کو خدا سمجھ لیتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات سے بہت سے بے علم، عابدوں کو بھی سابقہ پڑا اور وہ سمجھنے لگے کہ ہم اس دنیا ہی میں اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں یا یہ کہ نبی اکرمؐ یا حضرت خضر یا کسی اور برگزیدہ ہستی کو دیکھا ہے، حالانکہ وہ شیطان ہی ہوتا ہے جو مختلف شکلوں میں آکر فریب دیتا ہے۔

رسول اللہؐ کو حالتِ بیداری میں دیکھنا

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي حَقًّا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي ۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں اپنا سکتا۔

مگر یہ خواب کے بارے میں ہے کیونکہ اگرچہ کبھی خواب بھی شیطانی ہوتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ نبی علیہ السلام کے روپ میں خواب میں دکھائی دے۔ . . . . البتہ بیداری کی حالت میں تو آپ کو وصال کے بعد دنیا میں کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا اور جو یہ خیال کرے کہ جسے اس نے دیکھا ہے حضورؐ ہی تھے، تو وہ بے علم ہے اور از راہِ جہالت شیطان کے جال میں پھنسا ہے، اسی لیے کسی صحابیؓ یا تابعیؒ نے روایت نہیں کی کہ انہوں نے حضورؐ کو وصال کے بعد بھی بیداری میں دیکھا ہو۔

جس کسی نے اس طرح کی کوئی بات دیکھی یا دیکھنے والے کی تصدیق کی تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ شخص واحد بیک وقت ایک ہی کیفیت میں مختلف مقامات پر موجود ہو سکتا ہے، جو صراحتہً عقل کے خلاف ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والی شکل میت کی روحانی یا معنوی ہیئت ہے جس نے مادی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ سب کمزور تاویلیں ہیں اور حقیقت یہی ہوتی ہے کہ جن مردہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایسی اشیاء دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے کسی فرشتے کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ فرشتہ نہیں ہوتا کیونکہ ملائکہ اور جنات میں بہت فرق ہے۔ جنات میں کافر، فاسق، عالم و جاہل، متبع محمد ﷺ اور شیطان کے پیروکار سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کبھار دکھائی بھی دیتے ہیں اور نادان لوگ انہیں فرشتہ سمجھ لیتے ہیں۔

شیاطین فساق کے معاون ہوتے ہیں

اسی طرح کواکب اور بتوں کے پوجنے والوں پر بھی روحیں اترتی ہیں۔ جنہیں وہ کواکب کی روحانیت یا فرشتوں کا نزول سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ جن و شیاطین ہی ہوتے ہیں۔ جو مشرکین کو اور زیادہ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

جو لوگ شرک، فسق، عصیان وغیرہ شیطانی افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، شیطان ان کی معاونت کرنے لگتے ہیں، چنانچہ کبھی غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں تاکہ یہ دوسروں کو گمراہ کریں۔ کبھی اپنے بدکردار پیروؤں کے دشمنوں کو قتل کرتے یا تنگ کرتے ہیں، کبھی آدمیوں کو ان کے سامنے اٹھا لاتے ہیں، ان کے لیے چوری کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ بدکاریاں جنہیں دیکھ کر جاہل حیران ہوتے اور ان شیطانوں کے پجاریوں میں اولیاء اللہ کی کرامات سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام شعبدے شیطان ان کے لیے انجام دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو شیاطین ہوا میں دور دراز ملکوں تک اڑا لے جاتے ہیں، چنانچہ کبھی یوم عرفہ میں مکہ پہنچا دیتے اور اسی دن لوٹا لاتے ہیں، جسے کرامت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ کرامت نہیں، شیطانی فعل ہے۔ کیونکہ اگر وہ ولی ہوتے تو مکہ پہنچ کر حج کرتے۔ مگر انہوں نے نہ حج کیا، نہ احرام باندھا، نہ طواف کیا، نہ اور مناسک ادا کیے۔ صرف گئے اور لوٹ آئے۔ پھر ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بغیر عمرہ کے طوافِ کعبہ کے لیے مکہ میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ شریعت نے لازمی قرار دیا ہے کہ میقات پر پہنچ کے احرام باندھ لیا جائے، حتیٰ کہ اگر عبادت مقصود نہ ہو اور کسی دنیاوی

کام کے لیے جاتا ہو جب بھی احرام باندھنا ضروری ٹھہرایا ہے۔ اور بغیر احرام کے ممنوع ہے۔

غرض کہ بت پرستوں، ان کے ہم مشرب عیسائیوں اور اس امت کے بدعتی فرقوں میں ایسی حکایات کے بہت سے قصے مشہور ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ہر وہ شخص جو مُردوں سے دعا مانگتا ہے خواہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء، اس کی گمراہی کی بنیاد میں اسی قسم کا کوئی قصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو نیک لوگوں سے ان کی غیر حاضری میں دعا اور فریاد کرتے ہیں اگر ان کا کوئی ہم صورت دیکھ لیتے ہیں جو ان سے باتیں کرتا اور ان کی بعض حاجات پوری کر دیتا ہے تو سمجھ لیتے ہیں۔ کہ مردہ یا غیر موجود ولی نے خطاب کیا اور حاجت پوری کی ہے حالانکہ وہ جن و شیاطین ہوتے ہیں۔ جو بھیس بدل کر آتے ہیں، انہیں فرشتہ خیال کرنا بڑی سخت غلط فہمی ہے کیونکہ ملائکہ مشرکین سے علاقہ نہیں رکھ سکتے، وہ صرف شیاطین ہی ہیں جو سیدھے راستے سے گمراہ کرنے کے لیے اس قسم کی چال بازیاں اور حیلہ سازیاں کیا کرتے ہیں۔

جنوں وغیرہ کے دکھائی دینے کے منکر

اس بارے میں اہل جاہلیت دو قسم کے ہیں۔

ایک وہ ہیں جو سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اسے اولیاء اللہ کی کرامات سمجھتے ہیں۔ تکذیب کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ دیکھنے والے کا وہم ہوتا ہے اور دراصل اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کا یہ خیال جب وہ مشرک دیکھتے یا سنتے ہیں جو ان باتوں کو خود دیکھ چکے تھے لوگوں سے سن چکے ہیں تو اپنے اعتقاد و یقین میں اور زیادہ پکے ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ بے علم تکذیب کرنے والے اگر اپنی آنکھ سے کبھی اس طرح کی کوئی بات دیکھ لیتے ہیں۔ انکساری کے ساتھ ایسے تصرفات دیکھنے والے کے سامنے ظاہر کر دیتے۔ اور اسے ولی اللہ مان لیتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات اس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں کہ وہ نہ فرائض سرانجام دیتا ہے حتیٰ کہ نماز تک نہیں پڑھتا اور نہ محرمات و فواحش و ظلم سے بچتا ہے بلکہ اس ایمان و تقویٰ کی حقیقت سے ناآشنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا وصف کہا ہے۔ جیسے فرمایا۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ | سنو! اللہ کے دوستوں پر نہ تو کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

اور نہ کسی طرح غمگین ہوں گے جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے اور پرہیز کرتے ہیں۔

(یونس : ۶۲)

اس طرح کے مشاہدات وتصرّفات دیکھ کر دل سمجھ لینے والے نادانوں کا حشر یہ ہوتا ہے کہ الٹے پاؤں اسلام سے نکل جاتے اور ایسے شخص کو جو بے نمازی، رسول کا منکر، بلکہ ان کا عیب چیں اور ان کے حق میں زبان درازی کرنے والا ہے۔ اکابر اولیاء اللہ میں سے یقین کرنے لگتے ہیں، یا یہ ہوتا ہے کہ شک و بے اطمینانی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ ایک پاؤں اگر اسلام کی طرف بڑھاتے ہیں۔ تو دوسرا کفر میں الجھا چلا جاتا ہے۔ اس گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ولایت کو ایسی اشیاء سے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کی علامات نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر اس طرح کے تصرّفات، ولایت کی علامت ہوتے تو کافر و مشرک، ساحر و کاہن بھی اپنے شیاطین کی مدد سے اسی قسم کے تصرّفات بلکہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر کرتے اور دکھاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ؕ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝

میں تمہیں بتلاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ہر ایک دروغ گو بدکردار پر اترا کرتے ہیں۔

(الشعراء : ۲۲۱)

اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان

ضروری ہے کہ ان میں جھوٹ اور شرع کی مخالفت موجود ہو، جس حد تک یہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے دور ہوں گے اسی حد تک ان میں گناہ اور خباثت کی زیادتی ہو گی۔ یہ شیطانی حالات و تصرّفات اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی ضلالت، شرک، بدعت، جہالت اور کفر کے عواقب بلکہ ان کی بدباطنی اور خبثِ نفس کی علامات ہیں۔ گمراہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کے ایمان وولایت کے نتائج ہیں اس کے تقدس و بلندی درجات کی نشانیاں ہیں، حالانکہ یہ یقین قطعاً جہالت پر مبنی ہے اس طرح کی غلط فہمی کا شکار وہی شخص ہو سکتا ہے جو اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان کے اوصاف سے ناآشنا ہے کہ جن کی تشریح ہم ایک مستقل رسالہ میں کر چکے ہیں، ورنہ معلوم ہوتا کہ یہ حالات و تصرّفات جنہیں اس نے لاعلمی کی بناء پر ولایت کی نشانی سمجھ لیا ہے، مسلمانوں سے کہیں زیادہ

نہ ہی دکھاوا۔ یہ سب چیزیں [illegible] سکتے ہیں۔ حالانکہ اگر ولایت کی دلیل ہوتے تو اس کے بغیر کسی طرح نہ پائے جاتے [illegible] کیونکہ خود دین [illegible] ہے جو مدلول کے بغیر پائی جائے وہ دلیل نہیں۔ [illegible] ہیں کہ یہ خوارق عادات مشرکین [illegible] میں بھی پائے جاتے ہیں [illegible] ولایت [illegible] ایمان کو بھی مستلزم نہیں اور اس لیے کسی صورت میں بھی ولایت کی دلیل نہیں بن سکتے۔

اولیاء کی کرامتیں

اولیاء اللہ معرفت و خوف خدا رکھنے والے مومن ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کی کرامات ان کے ایمان و زہد کے ثمرات ہوتی ہیں نہ کہ شرک، بدعت اور فسق کے ثمرہ۔ [illegible] اولیاء اپنی کرامات کا اظہار محض دین و امت کی بہتری کے لیے کرتے ہیں اور بعض مباحات میں بھی کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اپنی کرامت نافرمانی اور سرکشی کے کاموں میں ظاہر کرتا ہے وہ ظالم ہے، اپنے رب کا باغی ہے، اگرچہ اس کی کرامت کا ماخذ ایمان و تقویٰ ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ مگر جب فتح یاب ہوتا ہے۔ اور مال غنیمت حاصل کرتا ہے، تو شیطان کے دام میں پھنس کر اس حلال مال کو حرام کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا یہ مال اس کے لیے وبال جان ہوگا۔ حالانکہ اس نے اسے ایک نہایت حلال و مقدس راہ سے حاصل کیا تھا۔ جب یہ حکم ان کرامات کا ہے جن کی بنیاد ایمان و تقوے پر ہے اور استعمال ناجائز امور میں ہے تو ان تصرفات و خرق عادت کاموں کا کیا حکم ہوگا۔ جو کفر و فسق و عصیان کے گندے چشموں سے نکلتے اور ایسے ہی کفر و فسق و عصیان کے گندے چشموں میں بہہ کر جاتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس راہ کے اکثر راہرو جادۂ مستقیم سے ہٹ کر کفر و شرک کے تاریک غاروں میں گر جاتے ہیں۔ اور بے نصیبی و محرومی کی موت مر جاتے ہیں۔ اس بحث کے لیے یہاں مزید گنجائش نہیں۔

مشرکین کے خوارق

مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اہل شرک کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب وہ مشاہدات اور سنی سنائی باتیں ہیں جو انہیں بتوں کے پاس سے حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب کبھی دیکھتے ہیں کہ قبر شق ہوئی اور ایک بزرگ باہر آ [illegible] معانقہ کیا گفتگو کی تو سمجھ لیتے ہیں کہ خود صاحب قبر ہے جو اپنی کرامت سے اس طرح باہر آ گیا۔ حالانکہ نہ قبر شق ہوئی نہ صاحب قبر باہر آیا۔ بلکہ جو کچھ ہوا محض یہ تھا کہ شیطان آیا اور [illegible] فریب دکھا کے گمراہ کر گیا۔ اسی طرح کبھی دکھائی دیتا ہے کہ دیوار پھٹ گئی اور ایک آدمی نکل آیا یہ بھی شیطان کی شعبدہ بازی ہوتی ہے اور اس کی کچھ اصلیت نہیں ہوتی۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قبر سے نکلنے والا شخص دیکھنے والے سے کہتا ہے کہ ہم اپنی قبروں میں نہیں رہتے بلکہ دفن کئے جانے کے بعد ہی باہر نکل جاتے ہیں اور زندوں کے ساتھ رہنے سہنے لگتے ہیں۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مردہ خود اپنے جنازہ کے ساتھ چلتا اور کاندھا دیتا نظر آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ مشاہدات جو گمراہوں اور دوسرے لوگوں میں مشہور ہیں۔ سننے والے اس قسم کی باتوں کا یا قطعًا انکار کر دیتے ہیں۔ اور یا انہیں اولیاء اللہ کی کرامات خیال کر لیتے ہیں کہ دکھائی دینے والا شخص خود صاحب قبر، نبی یا ولی تھا۔ یا فرشتہ اس کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ یہ اس کی روح ہے یا ہمزاد ہے جو مجسّم ہو کر ظاہر ہوا ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص دو جگہ دکھائی دیتا ہے جس سے لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ ایک ہی جسم بیک وقت دو جگہ ہوتا ہے۔ حالانکہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ یہ شخص وہ مردہ نہیں ہے جس کی شکل میں دکھائی دے رہا ہے بلکہ شیطان ہے جو بھیس بدل کر گمراہ کرنے کے لیے آیا ہے۔

انبیاء و صالحین سے فریاد کرنے والے مشرک ہیں

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ انبیاء و صالحین کو ان کی قبروں پر یا ان کی عدم موجودگی میں پکارنے والے لوگ ان مشرکین کے گروہ میں داخل ہیں جو غیر اللہ سے رجوع کرتے ہیں، کواکب کو یا نبیوں اور فرشتوں کو ارباباً من دون اللہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران ۷۹)	کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اس کو کتاب اور علم اور نبوّت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا سے ورے مجھے ہی خدا سمجھو ہاں تم کتاب اللہ کو پڑھا کر اللہ لوگ بنو۔ اور یہ حکم بھی نہ کرے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو اپنا مالک بنا لو کیا مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر بتلائے گا؟

اور فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا	تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو پکارو پھر وہ تم سے تکلیف نہ

عَزِيْزًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۞

دور کر سکیں گے اور نہ پھیر سکیں گے۔ جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے تھے کہ کون زیادہ مقرب ہے۔ اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ تیرے پروردگار کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل: ۵۶)

اور فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۞ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ (سبا: ۲۲)

تو کہہ کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا کچھ سمجھے بیٹھے ہو ان کو ذرا پکارو وہ نہ تو آسمانوں میں ذرہ جتنا اختیار رکھتے ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان دونوں میں کسی قسم کا ساجھا ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔

انبیاء و صالحین سے ان کی حیات اور بعد موت دعا کرنے کا فرق

اس قسم کی آیات قرآن مجید میں کثرت سے پائی جاتی ہیں جن میں غیراللہ سے رجوع کرنے کی قطعی ممانعت کی ہے۔ خواہ وہ ملائکہ ہوں یا انبیاء ہوں یا کوئی دیگر۔ کیونکہ یہ بات تو شرک ہے یا شرک کا ذریعہ ہے۔ اس کے برعکس انبیاء و صالحین سے ان کی حیات میں دعا یا شفاعت کے لیے استدعا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ شرک کی طرف نہیں لے جاتا۔ کسی نبی یا ولی کی اس کی عین حیات میں عبادت نہیں کی گئی، اس لیے کہ انہوں نے اسے روا نہیں رکھا اور ہمیشہ اس کا قلع قمع کرتے رہے۔ اسی طرح ان کی عدم موجودگی میں انہیں پکارنا بھی شرک کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ واقع بھی ہو چکا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ مردہ یا غیر موجود کسی کو شرک سے روک نہیں کر سکتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے محبت بڑھتے بڑھتے شرک تک پہنچا دیتی ہے، اس سے دعائیں

ہونے لگتی ہیں، اس کی قبر یا بت یا تصویر، دعاؤں اور منتوں کے پورا ہونے کی جگہ سمجھ لی جاتی ہے اور لوگ اس کی زیارت کو حصول ثواب و برکت کا وسیلہ سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ مشرکین اور ان کے ہم خیال کفار اہل کتاب اور بدعتی مسلمانوں کا حال ہے۔

فرشتوں سے دعا کی درخواست کیسی ہے؟

پھر فرشتوں سے دعا کی درخواست کرنا تحصیل حاصل ہے کیونکہ وہ اس کے بغیر بھی اہل ایمان کے لیے دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہیں ان کے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ ہمارے مولا! سب چیزوں کو تو نے اپنی رحمت اور علم میں گھیر رکھا ہے پس جو لوگ تائب ہوئے اور تیری راہ پر چلے ہیں تو ان کو بخش دے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا۔ ہمارے مولا! ان کو ہمیشہ کی جنت میں داخل فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور جو ان کے باپ دادا، اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوں ان سب کو بھی بخشش دے بیشک تو بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔ اور ان کو بداعمالی کی سزا سے بچائیو۔ جس کو تو اس روز برے اعمال کی سزا سے بچا دے گا تو تو اس پر بڑا رحم فرمائے گا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

(المومن : ۷)

اور فرمایا:-

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

دور نہیں کہ اس کی ہیبت کے خوف سے سارے آسمان اوپر کی طرف پھٹ جاویں، اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے گیت گاتے ہیں اور جو لوگ زمین پر ہیں ان کے لیے بخشش مانگتے ہیں سنو! یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الشوریٰ : ۵)

اسی طرح روایت ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ اور دوسرے انبیاءؑ و صالحین بھی بغیر کسی کی التجا کے اپنی امت کے ان نیک انسانوں کے لیے دعا و سفارش کریں گے جن کے حق میں اللہ اجازت دے گا۔

انبیاء و اولیاء سے کیوں دعا نہ کرنا چاہیئے

اگر ملائکہ کا پکارنا جائز نہیں فوت شدہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا اور ان سے دعا و شفاعت کی التجا کرنا بھی درست نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ خدا کے ہاں دعا و شفاعت کریں گے۔ اور یہ اس لیے کہ

و۔ جس کے حق میں اللہ تعالےٰ نے انہیں دعا و سفارش کا اذن دے دیا ہے وہ یقیناً کریں گے خواہ درخواست کرے یا نہ کرے، اور جس کے حق میں اذن نہ ہو گا کتنی ہی تضرع کرے ہرگز زبان نہ کھولیں گے۔ اس لیے ان سے درخواست کرنا بے معنی ہے۔

ب۔ اور اس لیے کہ وصال کے بعد انہیں پکارنا اور التجا کرنا، شرک تک لے جاتا ہے لہٰذا اگر اس میں کوئی مصلحت یا فایدہ ہوتا بھی تو یہ شرک کا فساد ایسا موجود ہے کہ اس کی بنا پر ہر مصلحت چھوڑ دی جائے گی۔ لیکن یہاں تو سرے سے کوئی مصلحت موجود ہی نہیں کہ جس پر بحث کی جائے۔ لہٰذا ان سے درخواست کرنا جائز نہیں۔ ہاں البتہ ان کی زندگی اور موجودگی میں التجا کرنا تو درست ہے کیونکہ کسی فساد کا خطرہ نہیں بلکہ منفعت ہے، اور وہ یہ کہ خود انہیں اس دنیا میں لوگوں کی خدمت و فایدہ رسانی کا اجر ملے گا۔ اور آخرت میں ان کی سفارش ان کے لیے طرۂ امتیاز اور عزت و افتخار کا مظہر ہو گی۔

مخلوقات کے سامنے دستِ طلب بڑھانا اصل میں حرام، مجبوراً جائز، اور توکل کی راہ سے

اس کا چھوڑ دینا ہی افضل ہے۔

مخلوق سے سوال کی اقسام

قرآن میں ہے۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

پس جب تو بکلی فارغ ہو جائے تو زیادہ محنت کیجیو! اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کر"

(الم نشرح : ۷)

یعنی اللہ ہی کی طرف رجوع کر، کسی اور کی طرف توجہ نہ کر۔ اور فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝

اور اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیئے ہوئے پر راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے بہت جلد اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو دیں گے۔ بیشک ہم اللہ کی طرف ہی راغب ہیں۔

(التوبہ : ۵۹)

اس میں عطاء و بخشش کو خدا اور رسولؐ دونوں کی طرف نسبت کیا ہے، مگر کفایت کی نسبت صرف اپنے ہی لیے رکھی ہے اور حکم دیا ہے کہ کہیں۔

حَسْبُنَا اللَّهُ ۝

خدا ہمارے لیے کافی ہے۔

نہ یہ کہ۔

حَسْبُنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۝

خدا اور اس کا رسولؐ ہمارے لیے کافی ہیں۔

پس توجہ اور رجوع صرف اللہ ہی کی طرف ہونا چاہیئے۔ دوسری آیت میں ہے۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں گے اور خدا سے ڈرتے رہیں گے اور بچیں گے۔ پس وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(النور : ۵۲)

اس میں بھی اطاعت کو خدا اور رسولؐ دونوں میں عام رکھا ہے، مگر ڈر اور خوف کو بلا شرکتِ رسولؐ

صرف اللہ کے لیے خاص کیا ہے۔

ایک جامع حدیث

مشہور و معروف حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابن عباس رضؓ سے فرمایا۔

یَا غُلَامُ اِنِّیْ تُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَلَوْ جَهَدَتِ الْخَلِيْقَةُ عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ بِالرِّضَاءِ مَعَ الْيَقِيْنِ فَافْعَلْ فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَاِنَّ فِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔	اے لڑکے! میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، اللہ کو یاد رکھ اسے اپنے سامنے پائے گا، خوشحالی میں اپنے تئیں خدا کے سامنے پیش کر وہ سختی میں تجھے پہچانے گا، جب سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ سے طلب کر، جو کچھ تجھ پر بیتنے والی ہے اسے لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے، پس اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے نقصان پہنچائے تو نہیں پہنچا سکتی ماسوا اس کے جو اللہ نے تجھ پر لکھ دیا ہے پس اگر تجھ سے ہو سکے کہ یقین کے ساتھ خوشی خوشی خدا ہی کے لیے عمل کرے تو کر اور اگر نہ ہو سکے تو سختی میں ثابت قدم رہنے میں بہت فایدہ ہے۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ سے اگر چابک گر جاتا تو کسی سے نہ کہتے کہ اٹھا دو، اور فرماتے کہ میرے یار (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم) نے منع کر دیا ہے کہ لوگوں سے کچھ بھی سوال کروں" صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک جماعت سے بیعت لی اور ان کے کان میں کہا کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ حضرت عوفؓ کہتے ہیں ان میں سے بعض کو میں نے دیکھا کہ ہاتھ سے چابک گر جاتا مگر کسی سے نہ کہتے کہ ذرا اٹھا دیجئے۔

جھاڑ پھونک کی حرمت

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ وَقَالَ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں جائیں گے اور ایسے لوگ وہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، اپنے کو دغواتے نہیں، شگونِ بد کے قائل نہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو پھونک نہیں ڈلواتے۔ جھاڑ پھونک بھی دعا کی کسی سے درخواست نہیں کرتے۔ اس حدیث میں بعض راوی "یَسْتَرْقُوْنَ" کی جگہ یرقون " (پھونک ڈالتے ہیں) روایت کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دعا کرنا نیکی ہے۔ خود نبی صلعم اپنے اور دوسروں کے حق میں دعا کیا کرتے تھے مگر کسی اور سے دعا یا پھونک کی درخواست نہ کرتے تھے۔ صرف حضورؐ ہی کا نہیں بلکہ سب نبیوں کا یہی حال تھا کہ صرف ایک خدا سے ہی دعا و التجا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و ابراہیم و موسےٰ وغیرہم (علیہم السلام) کے واقعات میں بیان فرمایا ہے۔

دعائے خلیل اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالنے کے لیے منجنیق میں رکھے گئے تو جبرئیلؑ نے کہا "کوئی سوال کیجئے" اور انہوں نے جواب دیا۔

حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ ۝

مجھے سوال کی ضرورت نہیں وہ خود ہی میرا حال جانتا ہے۔

تو بالکل من گھڑت ہے بلکہ برعکس اس کے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے روایت کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہ ہی سب سے بہتر کارساز ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ اس وقت کہا جب آگ میں ڈالے گئے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہا جب لوگوں نے آپ کو ڈرایا کہ۔

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ۔

سب لوگ تمہارے مارنے کو جمع ہو رہے ہیں۔ ان سے ڈرو۔

(آلِ عمران، ۱۷۳)

البتہ امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ سے جبرئیلؑ نے کہا آپ کچھ چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا "تم سے نہیں" رہا اللہ سے ان کا درخواست کرنا

تو قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے جس کے بعد کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کہا ہو "حَسْبُهٗ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ"۔

اللہ سے سوال و دعا کی حکمت

سب کچھ جاننے کے باوصف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس سے دعا و التجا کریں، اسی پر توکل لیں، اسی کی عبادت کریں، کیونکہ اس نے ان چیزوں کو دعاؤں کی قبولیت، اور عبادت کی منظوری کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ علم الٰہی کا ازلی اور محیط ہونا، محتاجوں اور مجرموں کی حاجت سے اس کا پورے طور سے آگاہ ہونا اس کے منافی نہیں کہ وہ ذات برتر مجرموں کو توبہ و استغفار، محتاجوں کو دعا و طلب اور سب بندوں کو عبادت و انابت کا حکم دے تاکہ ان اسباب سے گناہ معاف ہو جائیں، مرادیں بر آئیں، درجات بلند ہو جائیں۔ لیکن کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بندہ کو اس بات کا حکم دیا جاتا ہے جو دعا سے بھی بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْأَلَتِیْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ۔	جسے میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے غافل کر دیا اُسے میں وہ بہتر سے بہتر دیتا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں۔

ترمذی شریف میں یوں ہے۔

مَنْ شَغَلَهٗ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ عَنْ ذِكْرِیْ وَمَسْأَلَتِیْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ۔	جسے قرآن کی تلاوت نے میرے ذکر و سوال سے مشغول کر دیا اسے وہ بہتر سے بہتر دیتا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں۔

بدنی عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے کیونکہ اس میں قرأۃ، ذکر، دعا سب کچھ موجود اور ہر ایک اپنے مقام پر ضروری ہے۔ چنانچہ قیام میں قرأۃ قرآن کا حکم ہے لیکن رکوع و سجود میں قرأت سے روکا گیا ہے۔ نماز میں دعا کا حکم ہے جیسا کہ خود نبی صلعم آخر میں دعا مانگتے اور اس کا حکم دیتے تھے۔ سجدہ میں بھی دعا مستحسن ہے بلکہ مامور ہے نیز قیام و رکوع میں بھی دعا جائز ہے، اگرچہ قیام میں قرأۃ و ذکر دعا کی نسبت افضل و اعلیٰ ہے۔ غرض بندہ کا اپنے رب سے طلب کرنا مستحسن و مشروع ہے۔ خود خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی سوال کیا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ط رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ، رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ، رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم ۳۸۰)

ہمارے مولا! میں نے اپنی اولاد کو تیرے بیت المحرم کے پاس بے سبزہ جنگل میں لا بسایا ہے۔ ہمارے مولا! غرض یہ ہے، کہ یہ نماز پڑھتے رہیں پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کیجیو اور پھلوں کی پیداوار سے ان کو روزی دیجیو کہ وہ شکر گزاری کریں۔ ہمارے مولا! جو ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں تو سب کو جانتا ہے اللہ سے کوئی بات نہ زمین اور آسمان میں پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ حمد و ثنا ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ عنایت کئے۔ بیشک میرا پروردگار دعا قبول کرتا ہے۔ میرے مولا! مجھے اور میری اولاد کو نماز پر قائم رکھیو۔ ہمارے مولا! میری دعا قبول فرمائیو۔ اے ہمارے مولا! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور تمام ایمانداروں کو حساب ہونے کے دن بخش دیجیو۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، رَبَّنَا وَابْعَثْ

اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کعبہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے کہتے تھے اے ہمارے مولا! تو ہم سے اس کو قبول کر تو ہی سنتا اور جانتا ہے اے مولا ہمارے ہم کو اپنے فرمانبردار بندے بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار بنائیو اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا۔ اور تو ہم پر رحم فرما۔ تو ہی بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے مولا! انہیں میں سے ایک

فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

رسول پیدا کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنا دے اور کتاب (آسمانی) اور نیک اخلاق ان کو سکھا دے اور ان کو پاک صاف کرے بیشک تو غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

(البقرہ: ۱۲۷)

ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لیے دعا

اسی طرح مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنا بھی مستحسن اور حکم شرعی کے عین مطابق ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوا لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا وَكَّلَ اللهُ بِهِ مَلَكًا كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِدَعْوَةٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلِهِ ط

جو آدمی بھی اپنے بھائی کے لیے اس کی غیرحاضری میں دعا کرتا ہے تو اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے، جب وہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے، فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی اسی جیسا کچھ ملے۔

کیسے سوالات درست ہیں؟

یہ تو خود خدا سے سوال و دعا کا معاملہ تھا، مخلوق سے سوال و دعا کرنا اس کے بالکل برعکس ہے جس کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی، البتہ علم کے لیے سوال و درخواست درست ہے بلکہ ضروری ہے چنانچہ فرمایا۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

پس اگر تم کو معلوم نہیں تو اہل کتاب والوں سے پوچھ لو۔

(الانبیاء: ۷)

فَإِنْ كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ ۝

(یونس: ۹۴)

اور اگر تجھے اس میں شبہ ہو جو ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے تو جو لوگ تجھ سے پہلی کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے بیشک خدا کی طرف سے تجھے حق بات پہنچی ہے پس تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝

اور تو ان رسولوں سے پوچھ جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا تھا۔ ہم نے (اپنی ذات) رحمٰن کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کی بھی اجازت دی تھی؟"

(الزخرف : ۴۵)

اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی نشر و اشاعت واجب ہے، اور جو کوئی سوال کئے جانے کے باوجود چھپائے، قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی دولت میں بخل سے کام لیتا ہے جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے۔ نیز حقوق کا طلب کرنا مال غنیمت وغیرہ مشترک اموال میں اپنا حصہ مانگنا، وقف، وراثت، وصیت میں اپنے حق کا سوال کرنا، جب نیت نیک ہو قرض کا مطالبہ کرنا ایسے سوال ہیں جو حلال ہیں۔ بعض سوال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی سائل کے لیے اجازت نہیں ہوتی لیکن مسئول کو ان کے پورا کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝

سائل کو نہ جھڑک۔

(الضحیٰ : ۱۰)

حدیث میں ہے کہ۔

اِنَّ اَحَدَكُمْ يَسْئَلُنِي الْمَسْأَلَةَ فَيَخْرُجُ بِهَا يَتَأَبَّطُهَا نَارًا ۝

تم میں سے کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے۔ پھر اسے لے کر آگ بغل میں دابے نکلتا ہے۔

بعض سوال مکروہ اور حرام ہوتے ہیں مگر مسئول کو ان کے پورا کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضور نبی کریمؐ اپنے کمالِ اخلاق کی وجہ سے کسی سائل کو بھی مایوس نہ لوٹاتے تھے اگرچہ خود سائل کے لیے سوال جائز بھی نہ ہوتا۔

اکابر صحابہ نبی کریم سے کچھ بھی سوال نہ کرتے تھے

یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر بڑے بڑے اصحاب رسول کبھی اپنے لیے آپ سے کوئی سوال حتی کہ دعا کی بھی درخواست نہ کرتے تھے۔ البتہ مسلمانوں کے حق میں دعا کی التجا کرتے تھے، جیسا کہ ایک جنگ کے موقع پر جب لوگوں نے سواریوں کو ذبح کرنے کی اجازت مانگی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ کل دشمن کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہوگا جب ہم بھوکے اور پاپیادہ ہوں گے؟ لیکن اگر آپ مناسب خیال

یں تو بقیہ رسد ذخیرہ کریں اللہ سے برکت کی دعا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا سے ہمیں برکت عنایت فرمائے گا"، البتہ عام مسلمان اپنے حق میں بھی دعا کی درخواست کرتے تھے جیسا کہ نابینا شخص نے بصارت کے لیے درخواست کی اور ام سلیم نے آپ کے خادم انس رض کے لیے دعا چاہی اور ابوہریرہ رض نے دعا کی درخواست کی کہ انہیں اور ان کی ماں کو خدا مومنین کی نظروں میں محبوب بنا دے۔

صدیق اکبرؓ کا استغناء و توکل

حضرت صدیق رض کے توکل و استغناء کا یہ عالم تھا کہ حق تعالیٰ نے ان کی اور ان جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝

"اور متقی جو اپنا مال پاک ہونے کی غرض سے دیتا ہے۔ اس سے بچایا جائے گا۔ اور کسی انسان کا خدا کے پاس کوئی نیک کام نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر جو کام اس نے پروردگار بلند شان کی رضا جوئی کے لیے کیا ہوگا۔ اور وہ راضی ہو جائے گا۔"

(الیل : ۱۷)

صحاح میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيْنَا فِي صُحْبَتِهِ وَذَاتِ يَدِهِ أَبُوبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا ۝

رفاقت اور مال کے لحاظ سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابوبکر رض ہے اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رض کو خلیل بناتا۔

پس حضرت ابوبکر صدیق رض سے بڑھ کر اپنے مال و جان سے احسان کرنے والا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں کوئی نہ تھا۔ حضرت صدیق رض یہ کسی دنیاوی مقصد یا کسی مخلوق سے معاوضہ پانے کی امید پر نہ کرتے تھے۔ بلکہ صرف اپنے مالکِ حقیقی کی رضا جوئی کے لیے کرتے تھے۔ خود حضرت ابوبکر رض کسی کے زیر احسان نہ تھے جس کا بدلہ اتارتے، وہ اپنے مال و تجارت کی وجہ سے سب سے مستغنی تھے صرف ایک رسولِ خدا کے منت کش تھے کہ ایمان و علم کی دولت انہیں کے ذریعہ سے پائی تھی، مگر یہ ایک ایسا احسان تھا جس کا معاوضہ کسی طرح بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ انبیاءؑ کے احسانات کا بدلہ اللہ پر ہے بندے نہ اسے ادا کر سکتے ہیں نہ ان سے اس کا مطالبہ ہی ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا۔

قُلْ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔

کہہ دے میں تم سے اس پر کوئی عوض نہیں چاہتا۔ میرا عوض تو خدا کے ذمے ہے۔

(الزمر : ۸۶)

حضرت ابوبکر کے برعکس زید و علی رض کا معاملہ ہے جن پر رسول اکرم ؐ کا ایسا احسان تھا جس کا دنیا میں معاوضہ ادا کیا جا سکتا ہے، زید غلام تھے، آپ نے آزاد کیا، علی رض کی پرورش و تربیت آپ کے گھر میں ہوئی، کیونکہ قحط پڑ گیا تھا اور ابو طالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے علی رض کو رسول اللہ نے اور جعفر کو حضرت عباس رض نے لے لیا تھا۔ غرض کہ حضرت ابوبکر صدیق رض اپنی دولت و صحبت میں سرور دو عالم کے ساتھ سب سے اچھا معاملہ کرنے والے تھے۔ اور اپنا مال اللہ کی راہ میں ہمیشہ پانی کی مانند بہایا کرتے تھے۔ خود رسول اللہ کو اپنی ذات خاص کے لیے کسی کی بھی ضرورت نہ تھی نہ ابوبکر رض کی نہ کسی اور کی، چنانچہ جب ہجرت کے موقعہ پر حضرت ابوبکر رض نے عرض کی کہ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں، ایک آپ لے لیجئے تو آپ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا "لوں گا لیکن قیمتاً" غرض حضرت ابوبکر رض صدیق سرور انبیاء کے خالص بہترین دوست تھے اور ایمان، استغناء اور توکل کے کمال کی بناء پر اپنے تمام کام خالص رضائے الٰہی کے لیے کرتے اور کسی مخلوق سے بھی نہ فرشتوں سے نہ نبیوں سے کسی معاوضہ کی خواہش نہ رکھتے تھے۔

دعا بھی معاوضہ کی ایک قسم ہے

دعا بھی معاوضہ کی ایک صورت ہے، حدیث میں ہے۔

مَنْ أَسْدَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ بِهِ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَعْلَمُوا أَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ ط

جو کوئی تمہارے ساتھ کچھ نیکی کرے تو اسے معاوضہ دو، اگر معاوضہ نہ رکھتے ہو تو اس کے لیے دعا کرو یہاں تک کہ تم محسوس کرنے لگو کہ تم نے پورا معاوضہ ادا کر دیا ہے۔

حضرت عائشہ رض کا طریقہ تھا کہ جب کسی کی طرف صدقہ بھیجتیں تو خادم سے کہہ دیتیں "سننا وہ ہمارے لیے کیا دعا کرتا ہے تاکہ ہم بھی اس کے لیے ویسی ہی دعا کر دیں اور صدقہ کا ثواب اللہ پر باقی رہے" اسی لیے بعض علماء سلف نے کہا ہے اگر سائل تم سے کہے "بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ" تو تم بھی اسے کہہ دو "وَفِيْكَ بَارَكَ اللّٰهُ" غرض کہ جو نیکی بھی کسی مخلوق سے کی جائے خواہ وہ مخلوق نبی ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا غنی، خالص اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیئے اور اس کا بدلہ کسی

مخلوق سے بھی نہ طلب کرنا چاہیئے اگرچہ وہ مخلوق نبی یا فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ اس لیے کہ اللہ نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اسی کی عبادت کریں اور عبادت کو اسی کے لیے بلا شرکت غیرے خالص رکھیں۔

عبادت میں خلوص یہی وہ دین "اسلام" ہے۔ جس کے ساتھ اللہ نے تمام نبیوں کو بھیجا اور جس کے علاوہ کوئی اور دین وہ کسی سے قبول نہیں کرے گا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ط (آل عمران : ۸۵)	جو کوئی سوائے اسلام کے اور دین تلاش کرے گا۔ ہرگز اس سے قبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ تمام انبیاء (علیہ السلام) اور ان کے سچے متبعین تمام کے تمام اسی دین پر تھے۔ نوحؑ نے اعلان کیا تھا۔

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۰ : ۷۲)	اور مجھے یہی حکم ہے کہ میں فرمانبرداروں سے ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کے بارے فرمایا۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيْمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ (البقرہ : ۱۳۰)	اور ابراہیم کی راہ سے سوائے احمقوں کے کون روگرداں ہوگا حالانکہ ہم نے اس کو دنیا میں پسند کیا ہے اور وہ آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں ہوگا جب خدا نے اسے کہا کہ میری تابعداری کیجیو وہ بولا اللہ رب العالمین کا تابعدار ہوں۔

پھر ابراہیمؑ و یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو اسی دین کی وصیت فرمائی۔

وَوَصّٰى بِهَا إِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ	اور ابراہیم اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے

یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

بیٹے یہی توحید کا دین پسند کیا ہے پس تم مرتے دم تک اسی پر رہیو۔"

(البقرہ : ۱۳۲)

حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے بھی قوم سے کہا تھا۔

یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ۝

اور موسیٰ نے کہا بھائیو! اگر اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔

(یونس : ۸۴)

موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے (ساحروں) نے ایمان لانے کے بعد دعا کی تھی۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ۝

اے ہمارے مولا! ہم کو صبر عنایت کیجئے اور ہم کو اپنی تابعداری میں ماریو۔

(الاعراف : ۱۲۶)

حضرت یوسفؑ کی مناجات یہ ہے۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

مجھے فرمانبرداری کی حالت میں ماریو۔ اور نیک بندوں سے ملایو۔

(یوسف : ۱۰۱)

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کے بارے میں فرمایا۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝

اور جب میں نے حواریوں کو القا کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ وہ بولے کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

(المائدہ : ۱۱۱)

اسلام دو بنیادوں پر ہے

دین فطرت اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ خدائے واحد کی بلا شرکت غیر بندگی کرنا اور ان طریقوں پر کرنا جو خود اس نے وضع کئے ہیں۔ یعنی جن طریقوں کو انبیاء علیہم السلام نے واجب یا مستحب ٹھہرایا ہے انہیں کے مطابق خدا کی عبادت کرنا چاہیئے۔ مختلف زمانوں میں مختلف نبی آئے اور عبادت کے مختلف طریقے لائے، جو سب اپنے اپنے وقتوں میں اسلام تھے، جب تورات قائم

تھی، شریعت نافذ تھی تو اس وقت ان کی پیروی کرنے والے مسلمان تھے۔ اسی طرح جب شروع اسلام میں نبی کریمؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہی اسلام تھا، پھر جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو یہ اسلام ٹھہرا اور اس کے بعد بیت المقدس کی طرف منہ کرنا اسلام سے خروج قرار پایا۔

پس نبی اکرمؐ کی بعثت کے بعد جو کوئی شریعت محمدیہ کے واجبات و مستحبات کے مطابق اللہ کی بندگی نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ پھر تمام واجبات و مستحبات میں یہ شرط ہے کہ وہ خاص اللہ ہی کے لیے ہوں، فرمایا۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ	اور ان کو یہی حکم کیا گیا ہے کہ یک رخ ہو کر اللہ ہی کی مخلصانہ عبادت کیا کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کیا۔ دین قیم یہی ہے۔

(البینۃ : ۵)

اور فرمایا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ؕ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ	بے شک ہم نے اس کتاب کو سچی تعلیم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ پس تو اللہ ہی کی خالص عبادت کیا کر۔ سنو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے ہے۔

(الزمر : ۲)

پس مسلمان جو بھی عبادات از قسم واجب یا مستحب بجا لاتا ہے مثلاً ایمان، بدنی و مالی عبادتیں، خدا اور رسول کی محبت، بندگانِ خدا سے نیک سلوک، تو ان سب میں اُسے یہی حکم ہے کہ صرف رضا الٰہی پیش نظر رکھے اور کسی مخلوق سے بھی کسی طرح کے معاوضہ کی خواہش نہ رکھے، خواہ وہ معاوضہ مادی نفع کی صورت میں ہو یا دعا وغیرہ ہو، یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

رہا مخلوق سے اس کے سوا سوال کرنا تو نہ واجب ہے نہ مستحب، بجز بعض موقعوں کے اور مستوں کو علم ہے کہ سوال سے پہلے ہی دیدے۔ اگر مومنین کو مخلوق سے سوال کرنے کا حکم نہیں تو رسول اللہ صلعم بدرجہ اولیٰ اس سے دور ہوں گے جو کہ خیر الخلائق اور غیر اللہ سے سب سے زیادہ بے نیاز ہیں، کیونکہ مخلوق سے سوال کرنے میں تین خرابیاں ہیں۔ غیر اللہ کی طرف

احتیاج جو شرک کی قسم سے ہے، مسئول کو تکلیف رسانی جو ظلم خلق کی قسم سے ہے، غیر اللہ کے سامنے عجز و انکساری اور یہ ظلم نفس کی قسم سے ہے۔ پس سوال میں تینوں قسم کے ظلم موجود ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول مقبول کو اس سے پاک رکھا ہے۔

امت کی آنحضرت کے لیے دعا

رہا امت کو خدا کا حکم کہ رسولؐ کے لیے دعا کریں تو یہ بھی منجملہ ان احکام کے ہے جن سے خود امت کو فایدہ پہنچتا ہے، مثلاً تمام واجبات و مستحباب واحکام کہ جو امت ہی کے نفع کے لیے ہیں، خدا کو ان سے کوئی فایدہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی دعا سے حضورؐ اللہ کو فایدہ پہنچتا ہے مگر یہ ویسا ہی فایدہ ہے جیسا آپ کی بتائی ہوئی دوسری عبادات و اعمال صالحہ پر مسلمانوں کے عمل سے آپ کو ہوتا ہے، کیونکہ سیدھا راستہ دکھانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس راہ پر چلنے والے کو۔ صحیح بخاری میں حضورؐ کی حدیث موجود ہے۔

مَنْ دَعَا اِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا

جس نے ہدایت کی طرف کسی کی راہنمائی کی تو اسے ان لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کچھ کمی کی جائے۔

محمد صلعم ہی نے امت اپنی کو صراطِ مستقیم دکھایا ہے اس لیے امت کے تمام نیک اعمال کا اجر آپ کو بھی ملتا ہے بدیں وجہ سلفِ صالحین اپنے اعمال کا ثواب حضورؐ کو ہدیہ نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بغیر ہدیہ کے بھی آپ کو انہیں کے برابر اجر مل جاتا ہے۔ لیکن والدین کا معاملہ ایسا نہیں، انہیں اپنی اولاد کے سب اعمال کا اجر نہیں ملتا بلکہ ان کی دعا وغیرہ سے نفع حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے۔

اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ وَعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ

جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے بجز تین باتوں کے۔ صدقہ جاریہ، علم نافع، نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔

پھر نبی اکرمؐ نے امت سے دعا کی جو خواہش کی ہے وہ امر و ترغیب ہے، سوال نہیں

ہے۔ چنانچہ ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر درود و سلام بھیجا کریں اور خود اللہ نے بھی ہمیں یہی حکم دیا ہے۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞ | اس پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

(الاحزاب : ۵۶)

اسی طرح آپ نے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے "وسیلہ" و "فضیلہ" و "مقام محمود" کی دعا کریں جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا ذٰلِكَ الْعَبْدُ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جب مؤذّن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، خدا اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے، پھر میرے لیے "وسیلہ" طلب کرو، اور وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا اس کے لیے قیامت کے روز میں شفاعت کروں گا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی۔

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ . . . . وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ

. . . . ۞ " تو وہ قیامت میں میری شفاعت کا مستحق ٹھہرا۔

اسی طرح کی حدیث بھی ہے جو احمد و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ رضؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے آپ صلعم سے عمرہ کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دی اور فرمایا۔

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ ۞ | اے برادر! اپنی دعاؤں سے ہمیں فراموش نہ کرنا۔

آنحضرتؐ کے لیے دعا کرنے سے خود امت کو فائدہ پہنچتا

اس میں رسول خدا نے حضرت عمر رضؓ

سے دعا کی اسی بار یہ خواہش ظاہر کی ہے۔ [illegible] جو باقی امت سے اپنے لیے صلوٰۃ و سلام اور وسیلہ و فضیلہ [illegible] تمام [illegible] کی خواہش کی ہے۔ جس سے مقصود خود دعا کرنے [illegible] اور [illegible] امت کو یہی تعلیم و حکم سے اور [illegible] عمل ہوتا ہے۔ اسی قسم سے ایک شخص کا آپ سے یہ سوال بھی ہے کہ میں آپ پر بہت زیادہ درود پڑھتا ہوں، بتلا دیجئے اس میں سے کس قدر آپ کو بخشا کروں؟ فرمایا "جتنا تم چاہو" عرض کیا چوتھائی؟ فرمایا "جتنا چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لیے اچھا ہے" عرض کیا تو پھر نصف؟ فرمایا "جتنا چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لیے بہتر ہے" عرض کیا اچھا دو تہائی؟ فرمایا "جتنا چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لیے بہتر ہے" اسی قبیل سے ایک شخص کا یہ سوال بھی ہے کہ میں آپ کے لیے بہت دعا کرتا ہوں بتلائیے کتنے درود پڑھا کروں؟ فرمایا "جتنے چاہو" کہا چوتھائی؟ فرمایا "جتنے چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے بہتر ہے" عرض کی تو نصف؟ فرمایا "جتنے چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے بہتر ہے" عرض کی اچھا دو ثلث؟ فرمایا "جتنے بھی چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے لیے بہتر ہے" کہا تو میں آپ کے لیے اپنی پوری دعا کیے دیتا ہوں۔ فرمایا "تو تیری پریشانی دور اور گناہ معاف ہوں گے" (احمد و ترمذی)

یہ شخص دعا کیا کرتا تھا، جب اس نے دعا کی جگہ درود کو دے دی تو اللہ نے اس کی دنیا و آخرت کی پریشانیاں دور کردیں۔ کیونکہ جو کوئی نبی ﷺ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے۔ خدا اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔ اگر کسی ایک مسلمان کے حق میں دعا کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ فرشتے کہنے لگتے ہیں۔

آمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلِهٖ | آمین! اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔

تو نبی اکرم کے حق میں دعا کا جو مرتبہ ہوگا۔ وہ ظاہر ہے کتنا بلند ہوگا۔

اگر کوئی کسی سے کہے میرے لیے دعا کرو، اور نیت یہ ہو کہ خود دعا کرنے والے کو اپنی دعا سے نفع و ثواب ہو، نیز قائل کو بھی اپنی اس نیک تعلیم کا ثواب ملے، تو ایسا شخص یقیناً حضور نبی اکرم کے نقش قدم پر چلنے والا ہے اور اس کے سوال پر کسی طرح کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر نیت یہ نہ ہو، خود دعا کرنے والے کے نفع کا خیال نہ ہو، محض اپنی غرض پیش نظر ہو تو ایسا شخص اس بارے میں نبی صلعم کا پیروکار نہیں اور اس کا یہ سوال مکروہ اور قابل اعتراض ہے۔ خدا اور

اس کے رسولؐ کی طرف رغبت، کی وجہ سے ترک سوال اس سے بہتر ہے کہ مخلوق کی طرف اتنا بہت درغبت، واحتیاج ہو۔ لیکن زندوں سے اس طرح کا سوال جائز ہے۔

سوال کیوں منع ہے؟

اس کے برعکس میت سے سوال نہ مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب بلکہ مباح بھی نہیں، اسی سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا نہ سلف صالحین میں سے کسی نے مستحب کہا ہے، کیونکہ اس میں مضرت زیادہ ہے اور کوئی بڑی مصلحت نہیں۔ شریعت کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ خالص یا راجح مصالح ہی کا حکم دیتی ہے، سوال میں کوئی بھی راجح مصلحت نہیں بلکہ وہ یا تو خالص مضرت ہے یا راجح مضرت، اور یہ دونوں غیر مشروع ہیں۔

زیارتِ قبور کی مصلحت

یہ واضح ہو گیا کہ حضورؐ کا دوسروں سے اپنے لیے دعا طلب کرنا ان پر احسان کے لیے تھا جو واجب ہے یا مستحب۔

اسی طرح جنازہ پر نماز اور اہل ایمان کی قبروں کی زیارت، ان پر سلام اور ان کے لیے دعا مردوں پر احسان کے لیے ہے جو واجب ہے یا مستحب۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو نماز و زکوٰۃ کا امر کیا ہے۔ نماز خدا کا حق ہے۔ اور زکوٰۃ مخلوق کا حق ہے۔ رسول اللہ نے لوگوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی بجاآوری کا حکم دیا ہے کہ اللہ ہی کی خالص عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کی عبادات میں ایک عبادت مخلوق پر احسان بھی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً نماز جنازہ اور قبروں کی زیارت۔ لیکن شیطان نے اپنے متبعین کو بہکا کر اور گمراہ کر کے اس نیکی کو خالق کے ساتھ شرک اور مخلوق کی ایذا رسانی سے بدل دیا ہے کیونکہ جب وہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ان سے سوال کریں یا ان کے پاس سوال کریں یا یہ کہ اس زیارت سے ان کا مقصود نماز جنازہ کی طرح مردہ پر سلام و دعا نہیں ہوتا تو ان کا یہ عمل شرک ہوتا ہے۔ جن سے سوال کرتے ہیں۔ انہیں ایذا پہنچاتے ہیں اور خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں۔ اس طرح ظلم کی تینوں قسمیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔

خدا اور اس کے رسولؐ نے جو کچھ مقرر کیا ہے وہ توحید ہے، عدل ہے، احسان ہے، اخلاص ہے، بندوں کے لیے دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی ہے۔ اور خدا اور اس کے رسولؐ نے خود ساختہ عبادتیں سے جو مقرر نہیں کیا اس میں شرک ہے، ظلم ہے، تکلیف ہے، بندوں

کے لیے دنیا و آخرت میں فساد و نقصان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے مومنین کو اپنی بندگی اور اپنی مخلوق سے احسان کا حکم دیا ہے۔ فرمایا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی ؕ	خدا کی پرستش کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ، والدین اور رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو۔

(النساء : ۳۶)

محاسنِ اخلاق

یہی محاسنِ اخلاق ہیں کیونکہ اللہ تعالٰے محاسنِ اخلاق پسند فرماتا ہے اور برے اخلاق ناپسند کرتا ہے۔ نبی صلعم نے ارشاد فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ؕ	میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔

بخاری شریف میں ہے۔

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی ؕ	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

نیز فرمایا۔

اَلْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُعْطِیَۃُ وَالْیَدُ السُّفْلٰی السَّائِلَۃُ ؕ	بلند ہاتھ، عطا کنندہ ہے اور نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔

کہاں یہ اسوۂ رسولؐ، لوگوں پر احسان، اور کہاں سوال کر کے مخلوقِ خدا کی ایذا رسانی اور گداگری؟ کہاں صرف ایک اکیلے خدا کی طرف رجوع، انابت امید، توکل کے وسیلہ سے توحیدِ خالص کا نمونہ بننا، اور کہاں مخلوق کی طرف رجوع، انابت، امید، بھروسہ، اور من دون اللہ سے اللہ جیسی محبت کر کے خالق کے ساتھ شرک کرنا؟ کہاں خدا کی بندگی، اسی کے سامنے زاری، اسی کی محتاجی، اور کہاں مخلوق کی غلامی، اس کے آگے تضرع، اس کی محتاجی؟ دونوں کیسے یکساں ہو سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلعم نے ان تینوں نیک و مستحسن چیزوں کا حکم دیا ہے جو دنیا و عقبےٰ میں انسان کی بھلائی اور فلاح کی ضامن ہیں اور ان تینوں ذلیل و ناسد چیزوں سے روکا ہے جو انسان کو پستی و ذلت کی طرف لے جاتی ہیں۔ لیکن شیطان، رسول کی راہ راست سے بہکانا اور کجروی کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا۔

اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ	کیا میں نے تم کو اطلاع نہ دی تھی کہ اے بنی آدم

تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۚ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝

شیطان کی اطاعت مت کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور میری اطاعت کرنا یہی سیدھی راہ ہے اور وہ تم میں سے بہتوں کو گمراہ بھی کر چکا تھا کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے تھے؟

(یٰسٓ : ٦٠)

اور فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝

کہ میرے نیک بندوں پر تیرا زور اور قابو نہیں چلے گا، مگر انہیں پر ہوگا جو تیرے تابع ہوں گے۔

(بنی اسرائیل : ٦٥)

اور فرمایا۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

پس تو جب قرآن پڑھنا چاہے تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ لیا کرو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر اس کا کسی طرح سے زور نہیں چل سکتا۔ اس کا زور تو بس انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور جو اس کے سبب سے شرک کرتے ہیں۔

(النحل : ٩٨)

اور فرمایا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

(الزخرف : ٣٦)

جو کوئی رحمان کے ذکر سے غافل ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی رہتا ہے۔ اور وہ ان کو سیدھے رستے سے روکتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھے رستے پر جا رہے ہیں۔

رحمٰن کا ذکر وہی ہے جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ (یعنی قرآن مجید جیسا فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(الحجر : ۹)

اور فرمایا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ۝

پھر اگر تم کو میری طرف سے ہدایت پہنچے، پس جو کوئی میری ہدایت کا پیرو ہو گا، وہ نہ گمراہ ہو گا نہ بدنصیب اور جو کوئی میری نصیحت سے منہ پھیرے گا پس اس کی تمام زندگی بدنصیبی کی ہو گی اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے کہے گا اے میرے پروردگار مجھے تو نے اندھا کر کے کیوں اٹھایا۔ حالانکہ میں سوانکھا تھا۔ خدا کہے گا اسی طرح تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر بھی تو ان کو بھول گیا۔ اسی طرح آج تیری بھی خبر نہ لی جاوے گی۔

(طٰہٰ : ۱۲۳)

نیز فرمایا۔

الٓمّٓصٓ ۝ كِتَابٌ أُنزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝

میں ہوں اللہ بڑا جاننے والا صادق القول۔ یہ کتاب اتاری گئی ہے کہ تو ڈرا دے اور ایمانداروں کے لیے نصیحت ہو۔ پس تو اس سے دل تنگ نہ ہو جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اترا ہے اس پر چلو اور اس کے سوا اور دوستوں کی چال نہ چلو۔ تم بہت ہی کم سوچتے ہو۔

(اعراف : ۱)

اور فرمایا۔

كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝

یہ ایک کتاب ہے۔ اس کتاب کو ہم نے اس لیے اتارا ہے کہ تو خدا کے حکم سے لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر لے چلے۔ اور غالب تعریف کے مستحق کے راہ کی طرف، جس کی حکومت آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں پر ہے۔ اور کافروں کے لیے سخت عذاب سے افسوس ہے۔

(ابراہیم : ۱،۲)

اور فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح بھیجی ہے تو نہ جانتا تھا۔ کتاب کیا ہوتی ہے نہ ایمان جانتا تھا۔ لیکن ہم نے اس کو نور بنایا۔ اس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں گے ہدایت کریں گے اس میں شک نہیں کہ تو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے یعنی اس اللہ کی راہ آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں جس کی ملک ہیں، سنو! تمام امور اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

(الشوریٰ ۵۲،۵۳)

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

صراطِ مستقیم وہی ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا۔ پس وہی کام کرنا چاہیئے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ جس سے اس نے روکا ہے، اس کے رسولؐ کی تمام باتوں میں تصدیق کی جائے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے یہی خوفِ خدا رکھنے والے اولیاء کا راستہ ہے یہی فوز و فلاح پانے والے اہل اللہ کا طریقہ ہے، یہی غلبہ پانے والے لشکریانِ خدا کا دستور العمل ہے جو اس کے خلاف ہے ضلالت ہے، کجی ہے، گمراہوں کا راستہ ہے، خاسروں کی راہ

ہے۔ جس سے اللہ نے اپنے رسول کو الگ رکھا ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۔

بڑے ستارے کی قسم ہے جب وہ جھکتا ہے تمہارا ہم نشین نہ گمراہ ہوا نہ بہکا ہے۔ اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ خدا کی طرف سے وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہیں۔

(النجم : ا تا ۴)

خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنی نمازوں میں کہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ۔

ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان کی راہ جن پر تو نے احسان کیا کہ نہ غضب کیا گیا ان پر اور نہ وہ گمراہ ہیں۔

(سورۂ فاتحہ)

یہود و نصاریٰ کی مشابہت

ترمذی وغیرہ نے حضرت عدی بن حاتم رضؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا یہودی مغضوب علیہم ہیں اور عیسائی ضالون ہیں۔ سفیان بن عیینہ رحؒ کا قول ہے کہ سلف کہتے تھے "ہمارے علماء میں سے جو بگڑ جائے اس میں یہودیوں کی خو بو ہے اور ہمارے عابدوں میں سے جو بہک جائے اس میں عیسائیوں کی خو بو ہے۔

عالم بے عمل اور عابد بے علم

علمائے سلف امت کو ڈرایا کرتے تھے کہ "عالم بے عمل اور عابد بے علم کے فتنہ سے بچو کیونکہ ان کا فتنہ ہر گروہ کے لیے محل خطر ہے"۔ جس نے حق کو پہچاننے کے بعد اس پر عمل نہ کیا وہ یہودوں کے مشابہ ہے جن کے حق میں اللہ تعالے نے فرمایا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۔

کیا لوگوں کو بھلی باتیں بتلاتے ہو اور اپنے آپ کو باوجود کتاب پڑھنے کے بھلا دیتے ہو؟

(البقرۃ : ۴۴)

اور جس نے بغیر علم، مگر غلو و شرک کی آمیزش عبادت کی وہ نصاریٰ کی مانند ہے جن کے

میں اللہ عزوجل نے فرمایا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

اے کتاب والو! دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور اپنے سے پہلے لوگوں کو جو خود بھی گمراہ ہوئے اور بہتوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کر گئے۔ ان کی خواہشوں پر نہ چلو۔

(المائدہ : ۷۷)

پہلے اصحاب غیّ ہیں اور دوسرے اصحاب ضلالت۔ غیّ، نفس کی پیروی ہے، اور ضلالت عدم ہدایت۔ جیسے کہ قرآن میں فرمایا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

اور ان کو اس کا قصہ سنا جس کو ہم نے اپنے احکام دیئے پھر وہ ان حکموں سے صاف ہی نکل گیا۔ پس شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا، پس وہ راہ بھولوں میں جا ملا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کے ساتھ اس کو بلند رتبہ کرتے لیکن اس نے خود ہی پستی میں گرنا چاہا۔ اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا۔ پس اس کی مثال کتے کی سی ہے جس پر تو بوجھ لادے تو ہانپتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو بھی ہانپتا ہے۔ یہ تمثیل اس قوم کی ہے، جو ہمارے حکموں سے منکر ہوں پس تو قصہ تبلایا کر تاکہ یہ غور کریں۔

(الاعراف : ۱۷۵-۱۷۶)

اور فرمایا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا

جو لوگ زمین میں ناحق بڑائی کرتے ہیں، ان کو اپنے حکموں سے پھیر دوں گا اگرچہ ہر قسم کے نشان اور معجزے بھی دیکھیں تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں

وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

گے تو اس پر نہ چلیں گے۔ اگر گمراہی کی راہ دیکھ پاویں گے تو اس کو اپنی راہ بنا لیں گے کیونکہ وہ ہمارے حکموں سے انکاری اور بے پرواہ ہوں گے۔

(الاعراف : ۱۴۶)

پس جس میں غیّ و ضلالت دونوں بد خصلتیں جمع ہو گئیں وہ یہود و نصاریٰ دونوں کے مشابہ ہو گیا ہے۔ رب العزت سے التجا ہے کہ ہمیں اور ہمارے سب بھائیوں کو انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلائے! (آمین)

باب ۲

لفظ "وسیلہ" کے مختلف استعمال

اس تفصیلِ مذکور سے ظاہر ہو گیا کہ لفظ "وسیلہ" میں اجمال واشتباہ پایا جاتا ہے۔ اس کے معانی کا سمجھنا اور ہر معنی کو اس کے صحیح مقام پر چسپاں کرنا ضروری ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کا استعمال ہوا ہے تو کن معانی میں ہوا ہے، صحابہ رضہ نے اس لفظ کا استعمال کن معنوں میں کیا ہے؟ اس سے کیا مراد لی ہے؟ ان سب کا فرق جاننا بہت ضروری ہے۔ اس بارے میں لوگوں کو زیادہ تر پریشانی حرف الفاظ کے اجمال واشتراک اور معانی کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے حقیقت کھو کر رہ گئی ہے۔

وسیلہ کا استعمال قرآن میں

قرآن میں لفظ "وسیلہ" دو آیتوں میں آتا ہے۔

(۱) "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ"

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف قرب تلاش کرو۔

(المائدہ: ۳۵)

(۲) "قُلِ ادْعُوا الَّذِینَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا یَمْلِکُونَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنکُمْ وَلَا تَحْوِیلًا ۝ أُولٰئِکَ الَّذِینَ یَدْعُونَ یَبْتَغُونَ إِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیلَةَ أَیُّهُمْ أَقْرَبُ وَیَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَیَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُورًا"

تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو پکارو پھر وہ تم سے تکلیف نہ دور کر سکیں گے اور نہ پھیر سکیں گے جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے تھے کہ کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ تیرے پروردگار کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

پس اللہ کی طرف جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے اور جس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ فرشتے وانبیا چاہتے ہیں، وہ انہی واجب و مستحب عبادات کے ذریعہ سے اس عظیم الشان ہستی سے تقرب ہے۔ پس یہ وسیلہ جس کی تلاش کا خدا نے مومنوں کو حکم دیا ہے تمام واجبات و مستحبات پر مشتمل ہے، اور جو کام واجب و مستحب نہیں وہ اس کی تعریف سے خارج ہے خواہ وہ حرام ہو یا مکروہ ہو یا مباح ہو، کیونکہ واجبات و مستحبات ہی وہ امور ہیں جن کا نبیؐ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ حکم دیا ہے اور ان سب کی بنیاد اس شریعت پر ایمان کو ٹھہرایا ہے جسے رسولؐ خدا لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا وسیلہ جس کی جستجو کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ پس یہی ہے کہ رسولؐ اللہ کی تابعداری کے ذریعہ سے قرب حاصل کیا جائے، بجز اس کے خدا تک کسی کے لیے کوئی اور وسیلہ نہیں۔

کلامِ نبویؐ میں لفظ وسیلہ

لفظ "وسیلہ" احادیث میں بھی آیا ہے جیسا حضورؐ نے فرمایا۔

"میرے لیے "وسیلہ" طلب کرو اور وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کے لائق ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لیے اللہ سے "وسیلہ" کا سوال کیا، اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت واجب ہو گی۔"

نیز آپ نے فرمایا جس نے اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ	اے خدا! اس دعوت تامہ و صلوٰۃ قائمہ کے رب! محمدؐ کو "وسیلہ" فضیلہ دے اور اس مقام محمود میں اسے اٹھا جس کا تو نے اس سے وعدہ کیا ہے۔

تو میں اس کے لیے سفارش کروں گا۔" یہ وسیلہ صرف حضورؐ کے لیے ہے اور آپ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم آپ کے لیے اس کی دعا کرتے رہیں۔ نیز آپ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وسیلہ اللہ کے بندوں میں صرف ایک ہی بندہ کے شایان شان ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ نیز خوشخبری دی ہے کہ جو کوئی آپ کے لیے یہ "وسیلہ" مانگے قیامت کے روز اس کے لیے آپ کی شفاعت ضرور ہو گی، کیونکہ ثواب عمل کی جنس سے ہوتا ہے، ہم رسولؐ خدا کے لیے

دعا کریں گے تو آپ بھی ہمارے لیے دعا کریں گے، شفاعت بھی دعا کی ایک قسم ہے، جیساکہ فرمایا جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا خدا اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا۔

"وسیلہ" کلام صحابہؓ میں اصحاب رسولؐ کے کلام میں جو لفظ "وسیلہ" آیا ہے، تو اس سے ان کی مراد حضورؐ کی دعا و شفاعت سے توسل کرنا ہے۔

"وسیلہ" بعد کے لوگوں کے کلام میں رہے بعد کے لوگ تو ان میں سے اکثر کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ کو اس کے رسولؐ کی قسم دلائیں یا آپ کی ذات سے توسل کریں، جیساکہ دوسرے انبیاءؑ و صالحین کے ساتھ کرتے ہیں۔

"وسیلہ" کے کون معنی درست ہیں اس بنا پر لفظ وسیلہ کے تین مفہوم ہو گئے جن میں سے دو بالاتفاق صحیح ہیں اور تیسرا سنت میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ پہلے دو صحیح معنی میں اول تو ایمان و اسلام کی بنیاد ہے، یعنی نبی اکرمؐ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ سے وسیلہ چاہنا۔ اور دوسرا معنی آپ کی دعا و شفاعت ہے جیساکہ بیان ہوا۔ وسیلہ کی یہ دونوں صورتیں بغیر اختلاف کے جائز ہیں، اور اسی قبیل سے حضرت عمرؓ کا استسقا کے موقعہ پر یہ قول ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا اَجْدَبْنَا تَوَسَّلْنَا اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا ۔	اے اللہ! جب ہم قحط سالی کے شکار ہوتے تو تیرے حضورؐ میں اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے، اب ہم تیرے پاس عمِ رسولؐ کا وسیلہ لاتے ہیں ہمیں پانی پلا۔ یعنی حضرت عباسؓ حضورؐ کے چچا کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتے ہیں۔

رہی آیت۔

فَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ۔ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرو، نیز اللہ کے رسولؐ کی پیروی و اتباع کو وسیلہ بناؤ کیونکہ رسولؐ کی اتباع خود اللہ کی اتباع ہے جیسے

ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ	جو شخص خدا کے رسولؐ کی تابعداری کرتا ہے وہ اللہ کی تابعداری کرتا ہے

(النساء : ۸۰)

پس وسیلہ کی پہلی صورت اصل دین ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی اس کا منکر نہیں۔ باقی آپؐ کی دعا و شفاعت کے ذریعہ سے وسیلہ، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہوا، تو وا ضح رہے کہ وہ آپ کی دعا سے وسیلہ ہے نہ کہ آپؐ کی ذات سے۔ اسی لیے حضورؐ کے وصال کے بعد آپ سے وسیلہ طلب کرنے کے بجائے آپ کے چچا حضرت عباسؓ کا وسیلہ چاہا گیا۔ ورنہ اگر آپ کی ذات سے وسیلہ جائز ہوتا تو ظاہر ہے آپ عباسؓ کے وسیلہ سے بدرجہا اولیٰ تھے۔ لیکن جب اصحابؓ رسولؐ آپ کی وفات کے بعد آپ کا نہیں بلکہ عباسؓ کا وسیلہ چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ چیز (دعا) جو آپ کی حیات میں ممکن تھی وصال کے بعد ناممکن ہو گئی، بخلاف اس وسیلہ کے جو آپ کے ایمان و اطاعت کے ذریعہ سے ہے تو وہ ہر وقت جائز و موجود و مطلوب ہے۔

"وسیلہ" کے کون معنی درست نہیں

پس "وسیلہ" سے تین معنی مراد لیے جاتے ہیں اوّل۔ یعنی آپ کی اطاعت سے وسیلہ، تو وہ فرض ہے اور اس کے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے۔

دوسرا "وسیلہ" آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ ہے جو آپ کی حیات میں تھا اور قیامت کے دن بھی ہوگا۔

اور تیسرا وسیلہ۔ خدا کو آپ کی قسم دلانا اور آپ کی ذات بیچ میں رکھ کر سوال کرنا ہے، تو ایسا اصحاب رسولؐ نے کبھی نہیں کیا، نہ استسقا میں نہ کسی اور موقعہ پر، نہ آپ کی حیات میں نہ وفات کے بعد، نہ آپ کی قبر پر نہ کسی اور کی قبر پر، اور ان کی مشہور ادعیہ میں یہ کہیں مستعمل ہے۔ البتہ ضعیف احادیث میں یا ایسے لوگوں سے یہ منقول ہے جو کسی طرح بھی حجت نہیں جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب

یہی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے مقلدین کا مسلک ہے کہ اس

طرح کا وسیلہ بنانا ناجائز ہے، بلکہ موصوفؒ اس سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی بھی مخلوق کی ذات کو بیچ میں ڈال کر سوال کرنا یا کہنا "خدایا! میں تیرے انبیاءؑ کے حق کا تجھے واسطہ دیتا ہوں ...." جائز نہیں جیسا کہ ابوالحسینؒ القدوری نے اپنی کتاب شرح الکرخی میں ذکر کیا ہے۔ بشر الولید نے امام ابویوسفؒ سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ہم سے کہا کرتے "کسی کے لیے اللہ سے بجز اس کی ذات کے حوالہ سے دعا درست نہیں، میں دعا میں "بِحَقِّ خَلْقِكَ" کہنا پسند نہیں کرتا" اور یہی قول ابویوسفؒ کا بھی ہے میں دعا میں "فلاں کے حق سے یا تیرے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے حق سے اور خانہ کعبہ اور مشعر الحرام کے حق سے۔ کہنا ناپسند کرتا ہوں" قدوری کا قول ہے۔ اللہ تعالے سے اس کی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں، کیونکہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں" ابوحنیفہؒ اور ان کے مقلدین کے اس قول (یعنی مخلوق کے ذریعہ دعا جائز نہیں) کے دو معنی ہیں جن میں سے ایک پر سب اماموں کا اتفاق ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ مخلوق کی قسم کھائے یا دلائے، پس اگر کسی مخلوق کے لیے یہ ٹھیک نہیں تو خالق کو مخلوق کی قسم دلانا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ لیکن خود خدا کا اپنی مخلوق کی قسم کھانا اس سے متغائر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالے نے رات، دن، سورج، ستاروں وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ کیونکہ اس سے مقصود ان نشانیوں پر دلالت ہے جو اس کی قدرت، حکمت اور وحدانیت کی تثبیت و مظہر ہے اس کے برعکس مخلوق کا مخلوق کی قسم کھانا خالق کے ساتھ شرک ہے جیسا کہ کتب سنن میں مروی ہے کہ فرمایا۔

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ [1]	جس نے غیر اللہ کا حلف اٹھایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔

ایک روایت میں "فَقَدْ أَشْرَكَ" کے بجائے "فَقَدْ كَفَرَ" ہے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے "جسے قسم کھانا ہے خدا کی قسم کھائے۔"

نیز فرمایا۔

لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ ۔	اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہ کھاؤ کیونکہ خدا تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے۔

اور فرمایا۔

مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى ،	جس نے لات و عزّیٰ (بت ہیں) کی قسم کھائی تو

[1] صححہ الترمذی وغیرہ ۱۲ منہ

02556

فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؎ | لا الٰہ الا اللہ کہنا چاہیے۔

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے محترم مخلوقات مثلاً عرش، کرسی، کعبہ، مسجد حرام، مسجد اقصٰی، مسجد نبوی، ملائکہ، نیک لوگوں، بادشاہوں، مجاہدین کی تلواروں، انبیاؑ و صالحین کی قبروں، کی قسم کھائی، نہ اس کی قسم واقع ہوئی نہ اس پر کوئی کفارہ ہے۔

مخلوق کی قسم مخلوقات کی قسم کھانا جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے، اور یہی شافعیؒ کا مسلک ہے اور احمدؒ کا ایک قول اسی کی تائید میں ہے، اور اسی پر صحابہؓ کا اجماع وارد ہے۔

ائمہؒ اربعہ کا مذہب بعضوں نے کہا ہے یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے۔

"خدا کی جھوٹی قسم کھانا میں اپنے لیے غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے بہتر سمجھتا ہوں۔"

اور یہ اس لیے کہ غیر اللہ کی قسم شرک جھوٹ سے کہیں بڑھ چڑھا جرم ہے۔ ہاں انبیاءؑ کی قسم کھانے میں اختلاف ضرور ہے، چنانچہ امام احمدؒ سے اس باب میں دو قول روایت کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ سرے سے قسم کا واقع ہی نہ ہوگی جیسا کہ جمہور علماء "مالکؒ و ابو حنیفہؒ و شافعیؒ" کا مسلک ہے۔ اور دوسرا یہ کہ قسم واقع ہو جائے گی، اصحاب احمدؒ میں سے ایک فریق مثل قاضی اور ان کے اتباع کا یہی مسلک ہے اور ابن المنذرؒ نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ پھر ان میں بھی زیادہ تر اختلاف خاص نبی صلعم کی قسم کے بارے میں ہے اور ابن عقیلؒ نے اسے تمام انبیاء میں عام کر دیا ہے۔ مخلوق کی قسم میں کفارہ واجب بتانا اگرچہ مخلوق نبی ہی کیوں نہ ہو ایک نہایت ہی ضعیف اور اصول و نصوص کے خلاف قول ہے۔ پس اللہ کو اس کے رسولؐ کی قسم دلانا اور قسم دلانے کے معنی میں آپ کے ذریعہ سے اس سے سوال کرنا اسی قسم سے ہے۔

لغوی بحث رہا مخلوق سے سوال تو دیکھنا چاہیئے جملہ میں (ب ؎) کس قسم کا ہے، سبب کی ہے یا قسم کی؟ اور دونوں میں فرق ہے، کیونکہ نبی صلعم نے قسم پوری

؎ عربی میں (ب) کئی معانی کے اظہار کے لیے آتی ہے۔ لفظ سوال کے ساتھ جب (ب) کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے بھی کئی معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً قسم اور سبب، قرینہ معنی کو متعین کرتا ہے (مترجم)

کرنے کا حکم دیا ہے، اور صحیحین میں آپ سے مروی ہے کہ فرمایا :"

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ "	خدا کے بعض ایسے بندے ہیں جو اگر اسے قسم دلائیں تو وہ اسے پوری کر دیتا ہے۔

یہ اس وقت فرمایا تھا جب انس رضؓ بن النضر کی ایک رشتہ دار عورت کا دانت توڑا جانے لگا، انس رضؓ نے کہا "کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا!" آپ نے جواب دیا "انس! کتاب اللہ تو قصاص کا حکم دیتی ہے" مگر اللہ تعالےٰ نے ایسا کیا کہ دانت توڑنے کی نوبت ہی نہ آئی اور مدعی نے صلح کر لی اس پر آپ نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ۝

خدا کو قسم دلانا

نیز فرمایا۔ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ "

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُّتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُّسْتَکْبِرٍ	کتنے ہی پریشان بالوں والے، غبار آلود، دربدر ٹھوکریں کھانے والے ایسے ہیں کہ اگر خدا کو قسم دلائیں تو خدا ان کی قسم پوری کر دے۔

علاوہ ازیں آپ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُّتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُّسْتَکْبِرٍ ۝	کیا تمہیں جنتیوں کی خبر دوں؟ ہر کمزور، ناتواں جو اگر خدا کو قسم دلائے تو .... خدا اس کی قسم پوری کر دے کیا تمہیں دوزخیوں کی خبر دوں؟ بدخو سرکش متکبر۔

حدیث "لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ" کے آخر میں اتنا اور روایت کیا جاتا ہے۔

وَمِنْھُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ ۝	ان میں سے براء بن مالک رضؓ ہے۔

براء رضؓ انس بن مالک رضؓ کے بھائی تھے، ان کی حالت یہ تھی کہ جب جنگ شدت اختیار کر جاتی تو مسلمان ان سے کہتے براء! اپنے رب کو قسم دلاؤ، چنانچہ وہ قسم دلاتے اور کفار کے پاؤں متزلزل ہو جاتے ہیں "سوس" میں یہی ہوا، گھمسان کی جنگ تھی، مسلمانوں نے قسم کی درخواست کی، انہوں نے اللہ کو پکارا۔

"اے اللہ! میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ ہمیں ان پر غلبہ دے دے اور مجھے پہلا شہید کر دے۔"

چنانچہ یہی ہوا دشمن کو شکست فاش ہوئی اور انہوں نے جام شہادت نوش کی! براء رضی اللہ عنہ، وہ مرد شجاع ہیں، جنہوں نے تن تنہا سو کافر قتل کئے تھے۔ جنگِ مسیلمہ میں انہیں ڈھال پر رکھ کر قلعہ میں پھینک دیا گیا تھا۔ اور انہوں نے بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ دروازے کھول دئے تھے!"

قسم کا کفارہ

کسی کو قسم دلانے کا مطلب یہ ہے کہ کہے تمہیں قسم ہے ایسا کرو، لیکن اگر وہ نہ کرے تو عام فقہاء کے نزدیک کفارہ قسم دلانے والے پر پڑتا ہے نہ جسے قسم دی گئی، بالکل اسی طرح جس طرح اپنے غلام یا لڑکے یا دوست کے بارے میں خود قسم کھا کے کہے کہ اسے یہ کرنا پڑے گا، اور وہ نہ کرے تو کفارہ خود اسی پر لازم آتا ہے۔ لیکن اس طرح کہنا کہ اللہ کے لیے ایسا کرو، تو یہ سوال ہے قسم نہیں۔ حدیث میں ہے۔

مَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوْهُ | جو خدا کا حوالہ دے کر تم سے مانگے اسے دیدے۔

اور اگر سوال پورا نہ کیا جائے تو کفارہ نہیں، کیونکہ تمام مخلوق مومن و کافر سبھی خدا سے سوال کرتے ہیں، جسے وہ کبھی منظور بھی کر لیتا ہے۔ کبھی کفار کا سوال پورا کر دیتا ہے اور مومن کا رد کر دیتا ہے، وہ رزق مانگتے ہیں تو دیتا ہے، بارش مانگتے تو اتارتا ہے، مصیبت سے آہ و فغاں کرتے ہیں تو اسے دور کر دیتا ہے۔ مگر جو لوگ اسے قسم دلاتے اور وہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے تو وہ خاص متقرب لوگ ہوتے ہیں، ہر کس و ناکس کا یہ مقام نہیں۔

اللہ سے مانگنے کے طریقے

پس اللہ تعالیٰ سے اس طرح سوال کرنا جیسے کوئی کہے۔

أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ اللّٰهُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَأَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ

اے ذوالجلال والاکرام تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو محسن ہے، آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، چونکہ خدائے واحد ہے بے نیاز ہے جس نے نہ جنا ہے اور جو نہ جنا گیا اور جس کا کوئی ہمسر نہیں،

وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ وَاَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ	اس لیے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ میں تیرے ہر اس نام کے حوالہ سے مانگتا ہوں جو تیرا ہے جسے تو نے اپنا نام اختیار کیا ہے یا جسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے پاس علم غیب میں محفوظ رکھا ہے۔

تو یہ رب ذوالجلال اس کے ناموں اور صفتوں کے حوالہ سے سوال ہے، قسم دلانا نہیں۔ کیونکہ اس کے افعال اس کے اسماء و صفات کے مقتضیات ہیں، مثلاً اس کی مغفرت اور رحمت اس کے غفور اور رحیم نام کا مقتضی ہے، اور عفو اس کے نام عفوّ کا مقتضی ہے۔ اس لیے جب حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ اگر شب قدر پالوں تو کیا سوال کروں؟ فرمایا یہ دعا کرنا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ ۝	اے اللہ تو "عفو" ہے، تو عفو کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرما۔

اسی طرح اس کی ہدایت اس کے نام "ہادی" کا مقتضی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ دعا سکھائی:

يَا دَلِيْلَ الْحَيَارٰى دُلَّنِيْ عَلٰى طَرِيْقِ الصَّادِقِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ ۝	اے بھولے ہوئے انسانوں کے ہادی مجھے نیکوں کا راستہ دکھا اور اپنے صالح بندوں میں کے زمرہ میں مجھے کر دے۔

اسی طرح اللہ اپنے بندوں کے ساتھ جس قدر بھلائی کرتا ہے وہ اس کے اسم رب کا مقتضی ہے۔ اسی وجہ سے دعائیں "رَبَّنَا، رَبِّ (اے ربّ)" کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝	اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور نہ رحم کرے گا، تو یقیناً ہم زیاں کاروں سے ہو جائیں گے۔

(الاعراف، ۲۳)

اور نوح (علیہ السلام) نے یوں پناہ مانگی۔

رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اے میرے مولا! جس چیز کی صحت کا مجھے علم نہ ہو اس کا سوال کرنے سے میں تیری پناہ لیتا ہوں اور اگر تو میرا گناہ نہ بخشے گا اور نہ رحم کرے گا تو میں بالکل خسارہ پا جاؤں گا۔

(ہود : ٤٧)

اور ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا یہ ہے۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ الخ

اے ہمارے مولا! میں اپنی اولاد تیرے بیت الحرم کے پاس بے سبزہ جنگل میں لا بسایا ہوں الخ

(ابراہیم : ٣٧)

اللہ کو کیسے مخاطب کرنا چاہیئے؟

امام مالکؒ اور اصحاب ابو حنیفہؒ میں سے ابن ابی عمران وغیرہ نے دعا میں اللہ تعالے کو "یا سیدی یا سیدی" سے مخاطب کرنا مکروہ بتایا ہے اور کہا ہے پیغمبروں کی طرح "اے رب، اے رب" کہہ کر دعا مانگا کرو۔ اسماء الٰہی میں "الحیّ القیّوم" تمام اسماء وصفات کے بنیادی معنوں پر حاوی ہے جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر ہم اس فصل پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔ اسی لیے حضورؐ جب دعا میں بہت زاری کرتے تو اللہ کو "الحیّ القیّوم" کی صفات سے پکارتے۔

دعا کیسے قبول ہوتی ہے؟

پس جب کسی سے سوال کیا جاتا ہے اور "ب" سبب کی ہوتی ہے تو سوال ایسے سبب کے ساتھ ہوتا ہے جو وجود مسئول کو مقتضی ہے۔ مثلاً اگر سائل کہتا ہے۔

أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ اللهُ الْمَنَّانُ الخ

اس بنا پر تجھ سے مانگتا ہوں کہ تیرے لیے ہر طرح کی تعریف ہے اور تو ہی خداوند محسن ہے۔

تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ "منّان" (احسان کرنے والا) ہونے کی وجہ سے اسے اپنے سائل بندہ پر احسان کرنا اور "محمود" ہونے کی بنا پر اسے وہی کرنا چاہیئے جس پر اس کی حمد وثنا کی جائے۔

اور یہ معلوم ہے کہ بندہ کی حمد وثنا اس کی دعا کی قبولیت کا سبب ہے، اسی لیے نمازی کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" جس کا مطلب یہ ہے خدا نے اس کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا جس نے اس کی حمد کی۔ یہاں "سماع" اجابت وقبول کے معنی میں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَا يُسْمَعُ	تیری پناہ اس علم سے جو غیر نافع ہے، اس دل سے جو خشوع سے خالی ہو، اس نفس سے جو سیر نہ ہو، اس دعا سے جو مستجاب نہ ہو۔

اور قرآن میں بھی ہے۔

(۱) اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ط	میرا رب دعا قبول کرنے والا ہے۔

(ابراہیم)

(۲) وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ط	تم میں ان کی ماننے والے ہیں۔

(المائدہ)

اسی لیے نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ حمد وثنا کے بعد دعا کرے۔ نبی صلعم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے اور بغیر اللہ کی حمد اور اس کے نبیؐ پر درود کے دعا کرتے دیکھا تو فرمایا اس نے جلد بازی سے کام لیا، پھر اسے بلا کر کہا۔

جب نماز پڑھو تو اللہ کی حمد وثنا سے ابتدا کرو، اس کے نبیؐ پر درود بھیجو، پھر جو چاہو مانگو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، نبی کریمؐ تشریف فرما تھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھے، جب وہ (ابن مسعود) بیٹھے تو پہلے اللہ کی حمد کی پھر اس کے نبیؐ پر درود بھیجا پھر اپنے حق میں دعا مانگی، اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

سَلْ تُعْطَهٗ	مانگ دیا جائے گا۔

(ترمذی)

پس لفظ سمع کے معنی ادراکِ صوت اور معرفتِ معنی بھی ہیں، اور فہم کے ساتھ قبول واجابت بھی۔

قرآن میں ہے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ | اور اگر خدا ان میں کچھ قابلیت پاتا تو ضرور ان کو سنا دیتا۔

(الانفال ، ۲۳)

پھر فرمایا: "وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ" یعنی اگر ان کی اس موجودہ حالت میں انہیں سنائے بھی تو وہ حق کو قبول نہ کریں گے بلکہ۔

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ | اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے۔

پس ان کی مذمت کی ہے کہ قرآن نہیں سمجھتے اور اگر سمجھیں تو عمل نہیں کرتے۔ اگر سائل کہے: "اَسْئَلُكَ بِاللّٰهِ" تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایمان باللہ کے حوالہ سے مانگ رہا ہے جو سوال کے پورا ہونے کا ایک سبب ہے۔ اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالے اپنی مخلوق پر احسان کو پسند کرتا ہے خصوصاً اگر سوال دفع ظلم کے لیے ہو تو وہ اسے اور بھی زیادہ پسند کرتا ہے کیونکہ وہ عدل کا حکم دیتا اور ظلم سے روکتا ہے۔ اور اس کا حکم وہ سب سے بڑی چیز ہے جسے یاد دلا کر فاعل کو فعل پر آمادہ کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ حکم الٰہی سے بڑھ کر اور کون سا سبب ہوگا جو مسبب کا موجود کرنے والا ہو؟"

خدا پر سائلوں کا حق

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے نماز کے لیے جانے والوں کو یہ دعا سکھائی تھی۔

اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً وَّلٰكِنْ خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ ؕ | تجھ پر سائلین کے حق اور اپنی اس رفتار کے حق کے حوالہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ میں غرور، فخر، ریاکاری اور دکھاوے کی غرض سے نہیں بلکہ تیرے غضب سے بچنے اور تیری رضا جوئی کی غرض سے نکلا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود اللہ اپنے سائلین کے حق کی بنا پر ان کا سوال پورا کرتا اور اپنے پرستاروں کی پرستش کے سبب انہیں اجر دیتا ہے اور یہ ایک ایسا حق ہے جو اس نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ اسی طرح ایمان و عمل صالح کے واسطہ سے سوال ہوتا ہے جسے اس نے قبولیت دعا کا سبب بنا دیا ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا | اور جو لوگ ایمان لاتے اور نیک اعمال کرتے

کی سفارش مقبول ہونے کا سبب ہے۔ حالانکہ خدا نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ | کون ہے جو بلا اجازت اس کے پاس سفارش کرے۔

(البقرۃ: ۲۵۵)

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ ایسے اخیار کی ان امور میں اقتدا کریں گے جن میں اقتدا مشروع ہے تو وہ بھی سعادت یاب ہوں گے۔ مگر خیال رہے کہ صرف ان کی قدر و منزلت اور عزت و حرمت کے حوالہ سے ضروری نہیں کہ سائل کی دعا قبول ہو جائے۔ البتہ یہ چیز اس وقت نافع ہو گی، جب ان کی بتائی ہوئی ہدایت کی پیروی کی جائے، نیز ان کی دعا و شفاعت بھی نفع بخش ہو گی اگر وہ دعا و شفاعت کریں۔ لیکن اگر خدانخواستہ اطاعت و اتباع موجود نہ ہو تو ان کی عزت و حرمت کے حوالہ سے دعا کچھ بھی مفید نہ ہو گی۔ کیونکہ اس صورت میں یہ چیز ایک اجنبی اور غیر متعلق چیز ہو گی۔ قبولیت دعا کا ذریعہ نہ بن سکے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی بادشاہ سے کہا جائے کہ "فلاں شخص تیرا بہت فرمانبردار ہے۔ تو اس کی اطاعت کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے، اس کی اطاعت کی وجہ سے تیری نظر میں جو اس کی عزت ہے، میں تجھے اس کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرا سوال پورا کر دے" تو یہ ایک ایسا سوال ہو گا جو ایک غیر متعلق چیز کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ کا اپنے مقربین پر احسان، ان سے محبت، ان کی اطاعت و عبادت، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کا حوالہ دعا کی اجابت کا سبب بن سکے، کیونکہ دعا یا تو خود سوالی کی طرف سے کسی سبب کی وجہ سے قبول ہو گی، مثلاً یہ کہ ان مقربین کا تابع فرمان ہو، یا خود ان مقربوں کی طرف سے کوئی سبب موجود ہو، مثلاً یہ کہ اس کے حق میں شفاعت کریں۔ اور جب دونوں میں سے کوئی سبب بھی موجود نہ ہو تو پھر دعا کیسے قبول ہو گی؟"

قبولیت دعا کا سب سے بڑا سبب

ہاں اگر سائل محمد صلعم پر اپنے ایمان، آپ کی محبت و اطاعت کا حوالہ دے کر سوال کرے تو یقیناً یہ دعا ایک بڑے سبب پر مبنی ہو گی جو قبولیت دعا کا سبب ہے بلکہ یہ سب سے بڑا سبب اور سب سے بڑا وسیلہ ہے جو دعا کے قبول ہونے کا

ذریعہ ہوسکتا ہے۔ مگر حضورؐ نے واشگاف الفاظ میں فرما دیا ہے کہ قیامت میں آپ کی شفاعت صرف اہلِ توحید کے لیے ہوگی مشرکین کے لیے نہ ہوگی۔ نیز خاص طور پر ان لوگوں کے لیے ہوگی جو آپ کے لیے "وسیلہ" طلب کریں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔

"جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، خدا اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا، پھر میرے لیے "وسیلہ" طلب کرو، کیونکہ وہ جنت میں ایک درجہ ہے اور خدا کے بندوں میں سے صرف ایک ہی کے شایانِ شان ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی قیامت کے روز وہ میری شفاعت کا اہل ہوگیا۔

نیز صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے سوال کیا، قیامت میں آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا؟ فرمایا۔

"جس نے خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔"

اس میں آپ نے کما حقہٗ واضح کر دیا کہ آپ کی شفاعت کے سب سے زیادہ اہل وہ ہوں گے جو سب سے زیادہ توحید و اخلاص رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ یہی دین کی اصل ہے اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ دیگر گناہ جس کے چاہے گا، معاف کر دے گا، اس کے دربار میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا، جب رسول اللہ شفاعت کے لیے آگے بڑھیں گے تو اللہ آپ کے لیے ایک حد مقرر کر دے گا، اور اس کے اندر کے سب لوگوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور یہ ان کے قلوب کی توحید و ایمان کے لحاظ سے ہوگا۔ نبی صلعم نے واضح فرما دیا ہے کہ جو کوئی آپ کے لیے "وسیلہ" کی دعا کرے گا قیامت کے روز آپ کی شفاعت اس کے لیے ہوگی۔ یعنی آپ کی شفاعت آپ کی لائی ہوئی توحید و ایمان کی پیروی اور آپ کے لیے اس دعا کی بنا پر حاصل ہوگی جس کا آپ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

کیا خدا پر مخلوق کا حق ہے؟

کسی کے حق کے حوالہ سے دعا کرنا دو مسئلوں پر مبنی ہے:۔ ایک یہ کہ کیا خدا پر کسی کا کوئی حق ہے؟ اور دوسرے یہ کہ کیا عزت و جاہ کی طرح اس حق کی بنا پر بھی سوال درست ہے؟ پہلے مسئلہ

میں معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہاں جس طرح خالق کا مخلوق پر حق ہے، اسی طرح مخلوق کا بھی خالق پر حق ہے۔ برخلاف ان کے جہمیہ واشعریہ وغیرہ فرقے جو اہل سنت ہونے کے مدعی ہیں کہتے ہیں کہ مخلوق کا خالق پر کسی حال میں بھی کوئی حق نہیں، لیکن وہ اپنے وعدہ اور علم کے مطابق عمل ضرور کرتا ہے۔ ایک تیسری جماعت بھی ہے جس کی راہ بین بین ہے، وہ کہتی ہے، خدا نے جس طرح اپنے لیے ظلم حرام کر لیا ہے ٹھیک اسی طرح اپنے اوپر رحمت فرض کر لی اور اپنے مومن بندوں کا حق واجب کر لیا ہے۔ اس پر یہ پابندیاں کسی مخلوق نے نہیں لگائیں اور نہ اسے مخلوقات پر قیاس کرنا چاہیئے، بلکہ اس نے محض اپنی رحمت و حکمت و عدالت کے مطابق اپنے اوپر رحم و کرم لازم اور ظلم و جور حرام کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَنْ نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا ط	اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام کیا ہے پس آپس میں ظلم نہ کرو۔

قرآن میں فرمایا۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۵	تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔

(انعام: ۵۴)

صحیحین میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا۔

يَا مُعَاذُ أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَىٰ عِبَادِهِ؟ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا يَا مُعَاذُ أَتَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوا ذَٰلِكَ؟ قَالَ حَقُّهُمْ عَلَيْهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ ۵	اے معاذ، تجھے معلوم ہے خدا کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، فرمایا ان پر اس کا حق یہ ہے کہ اس کی بندگی کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں اے معاذ، تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے اگر وہ ایسا کریں؟ اس پر ان کا حق یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

پس اس آخری قول کے بموجب انبیاء و صالحین کا اللہ تعالٰے پر حق ہے۔ جو اس نے اپنے اوپر فرض کر لیا ہے اور جس کی خبر بھی دے دی ہے۔ اور دوسرے قول کے مطابق صورتِ مسئلہ یہ ہوگی کہ جو وعدے خدا نے انبیاء و صالحین سے کیے ہیں وہ حتماً پورے ہوں گے اگر چہ وہ اس پر مجبور نہیں۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی ایسا حق نہیں جس کی بنیاد پر سوال کیا جا سکے جیسا کہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤدؑ سے کہا "بھلا ابابیل کا مجھ پر کیا حق ہے؟" تو یہ خیال صحیح ہے اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ خدا پر کسی مخلوق کا ویسا حق نہیں جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے، جیسا کہ بہت سے بے علم عابد سمجھ بیٹھے ہیں کہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے خدا پر ان کا حق ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کو یہ خیال اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ جہالت کی بنا پر انسان کو ایسا ہو جاتا ہے کہ عبادت و علم کے سبب فانی انسان کا اللہ پر اسی طرح حق ہو جاتا ہے جس طرح مملوق کا مخلوق پر ہوتا ہے۔ یہ عابد معبود کو بادشاہ اور اس کے خدام پر قیاس کرتے ہیں جو اپنے آقاؤں کی چاکری کرتے ہیں، نفع پہنچاتے ہیں، نقصان سے بچاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا اپنے آقاؤں پر حق ہو جاتا ہے جس کے معاوضہ کے ہمیشہ متمنی رہتے اور ذرا سی بے اعتنائی پر اگر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے فوراً کہہ دیتے ہیں کیا میں نے تیرے لیے یہ اور وہ نہیں کیا؟"

رب ذوالجلال کی جناب میں ایسا خیال انسان کے ظلم اور جہالت کا ثبوت ہے۔ اس کی ذات مخلوق کی مشابہت سے بلند ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثمرہ خود ہی پا لیتا ہے۔ خدا کو اس سے کوئی نفع نقصان نہیں، وہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے قرآن مجید میں ہے۔

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ	اگر تم نے نیک کام کیے تو اپنے لیے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تم ہی پر ہوگا۔

(بنی اسرائیل : ۷)

اور فرمایا۔

مَّنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ	جو کوئی نیک کام کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے وہ بھی اس کی جان پر۔

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ٥	ہوتا ہے اور تمہارا پروردگار بندوں کے حق میں ظالم نہیں۔

(حٰم السجدہ : ۴۶)

اور فرمایا۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ٥	اگر تم منکر ہو گے تو خدا تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے حق میں پسند کرے گا۔

(الزمر : ۷)

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ٥	اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بے نیاز اور کریم ہے۔

(النمل : ۴۰)

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ٥ وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ٥	اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے اور موسیٰؑ نے کہا تھا کہ اگر تم اور تمام دنیا کے لوگ ناشکری کریں تو اللہ بے نیاز ستودہ صفات ہے۔

(ابراہیم : ۷، ۸)

اور فرمایا۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ط	اگر تم ایماندار ہو تو کفر میں کوشش کرنے والوں کی فکر نہ کرو۔ ہرگز اللہ کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

(آل عمران : ۱۷۶)

اور فرمایا :۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

تجھ پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو کہہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اگر تم سچے ہو تو اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت کی ہے۔

(الحجرات : ۱۷)

اور فرمایا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

تم جان رکھو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے اگر وہ بہت سے امور میں تمہارا کہا مانتا جائے تو تم لوگ تکلیف میں پڑ جاؤ گے، مگر خدا نے تم کو ایمان کی محبت دی ہوئی ہے۔ اور تمہارے دلوں میں اس کو مزین کر دکھایا ہے۔ اور کفر فسق اور بے فرمانی سے تم کو نفرت دلائی ہے۔ وہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ انہی لوگوں کو خدا تعالےٰ سے فضل اور نعمت ملے گی۔ اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

(الحجرات : ۷)

حدیث قدسی میں ہے۔

يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ

اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، جن اور انسان، تم میں سے فاجر ترین آدمی کی مانند ہو جائیں تو بھی میری سلطنت میں سے کچھ کم نہ ہو گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، جن اور انسان تم میں سے زیادہ سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو بھی اس سے میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہ ہو گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، جن اور انسان

فَاَمُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَئَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مِّنْھُمْ مَسْئَلَتَہٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمَخِیْطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ ﴿	سب کے سب ایک ہی زمین پر کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ان میں سے ہر ایک کا سوال پورا کر دوں، تو بھی اس سے میرے خزانوں میں بھی کمی نہیں ہو سکتی بجز اتنی کمی کے جتنی سمندر میں سوئی ڈال کر نکالنے سے ہوتی ہے۔

خدا اور مخلوق میں فرق کہاں وہ ذاتِ واحد جو ماسوا سے بالکل بے نیاز ہے اور کہاں یہ گوشت پوست سے مرکب فانی حاکم اور فرما نروا جو دوسروں کے قطعاً محتاج ہیں؟ خالق و مخلوق کے درمیان ذرہ برابر مشابہت کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا؛ دونوں میں بے شمار فرق ہیں مثلاً یہ کہ اگرچہ وہ نیک اعمال کو پسند کرتا اور توبہ کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے، لیکن دراصل وہی اعمال صالحہ اور توبہ کو خلق کرتا ہے اور آسان بناتا ہے پس اس کے پسندیدہ اعمال و افعال بھی خود اسی کی قدرت و مشیت سے ظہور میں آتے ہیں جیسا کہ ظواہر اور اہلِ سنت کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کو ایمان کی توفیق بخشتا ہے۔ قدریہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ لیکن مخلوق کی یہ حالت نہیں، اس کی تمام محبوبات و مرغوبات ہمیشہ اس کے اپنے افعال نہیں ہوتیں، بلکہ کبھی دوسروں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ رب العزت نے بندوں کو وہی حکم دیا ہے جس میں ان کی فلاح ہے اور اسی سے روکا ہے جس میں ان کے لیے نقصان ہے جیسا کہ حضرت قتادہ رضؓ نے کہا کہ۔

"اللہ نے بندوں کو جو حکم دیا ہے اپنی کسی حاجت یا ضرورت کی وجہ سے نہیں دیا اور جو ممانعت کی ہے کسی بخل کی وجہ سے نہیں کی، بلکہ جو کچھ بھی امر و نہی ہے بندوں ہی کے نفع و نقصان کے لیے ہے۔"

برخلاف مخلوق کے جو اسی بات کا حکم دیتی ہے جس کی اسے احتیاج ہو اور اسی سے روکتی ہے جس میں اسے بخل ہو۔ یہ بھی ظواہر اور سلف صالح اور اہلِ سنت کا مذہب ہے جو خدا کی حکمت و رحمت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے بندوں کو وہی حکم دیا ہے جو ان کے لیے سود مند ہے، اور اسی سے روکا ہے جو ان کے لیے ضرر رساں ہے، برخلاف جبریہ کے جو کہتے ہیں وہ کبھی ایسی بات کا بھی حکم کرتا ہے جو بندوں کے لیے مفید نہ ہو اور

ایسی بات سے روکتا ہے، جو ان کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ ہی نے رسولؑ بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے خلق پر احسان کیا ہے۔ اسی نے طاقت، عقل اور حواس عطا کئے ہیں جن کے ذریعہ سے علم و عمل صالح کا اکتساب ہوتا ہے، وہی اپنے بندوں کا ہادی ہے۔ اور اس ساری قوت و قدرت اسی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے، اسی لیے جنتی کہیں گے ؛

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ

اور کہیں گے کہ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جس نے ہم کو اس کام کی راہنمائی کی تھی اور اگر ہم کو خدا ہدایت نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے، ہمارے پروردگار کے رسولؑ سچی تعلیم لے کر آئے تھے۔

(الاعراف : ۴۳)

مخلوق کا معاملہ اس کے برعکس ہے جو اس طرح کی کسی چیز پر بھی قادر نہیں۔ اور یہ کہ اللہ کے اپنے بندوں پر احسان اتنے کثیر ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عبادت، احسان کا عوض ہے تو بڑی سے بڑی عبادت بھی اس کے چھوٹے سے چھوٹے احسان کا شکریہ نہیں بن سکتی، پھر اس محسن کا شکر کیسے ادا ہو جب کہ عبادت بھی اسی کی عطا کردہ ایک نعمت ہے۔ اور یہ کہ بندے ہمیشہ اس کی بارگاہ میں قاصر اور اس کی بخشش و معافی کے محتاج ہیں۔ کوئی بھی اپنے عمل کے زور سے جنت میں نہیں جا سکتا، کوئی نہیں جو گناہگار اور بخشش کے لیے اس کی رحمت کا محتاج نہ ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ۝

اور اگر خدا لوگوں کو ان کے کاموں پر مواخذہ کرے تو کسی جاندار کو زمین پر نہ چھوڑے۔

(فاطر : ۴۵)

جنت خدا کی رحمت سے ملے گی

حضورؐ کا ارشاد ہے۔

لَنْ يُّدْخِلَ اَحَدًا مِّنْكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ ۝

تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے بل پر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اس پر آیت۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ | ان کے اعمال کا بدلہ۔

(السجدۃ : ۱۷)

سے اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث میں جو نفی ہے وہ "بائے مقابلہ و معاوضہ"[1] کے ساتھ ہے یعنی جنت کسی عمل کا بدلہ نہیں ہو سکتی، اور آیت میں جو اثبات ہے وہ "بائے سببیت" کے ساتھ ہے: یعنی جنت ان کے نیک اعمال کے سبب انہیں ملے گی۔ دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، عمل ثواب کا بدلہ و معاوضہ نہیں ہو سکتا بلکہ ثواب کا سبب ہوتا ہے اسی لیے جو کوئی خیال کرے کہ اس نے وہ سب انجام دے دیا جو اس پر فرض ہے اور یہ کہ وہ خدا کی بخشش و عفو کا محتاج نہیں تو وہ جاہل و گمراہ ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

لَنْ يَّدْخُلَ اَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۔	کوئی بھی اپنے عمل کے بل پر جنت میں نہیں جا سکتا، صحابہ رضؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں؟ اِلّا یہ کہ اس کی رحمت اور فضل میرے شامل حال ہو۔

اسی قسم سے سنن میں ایک اور حدیث ہے کہ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَوْ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهٗ لَهُمْ خَيْرًا مِّنْ اَعْمَالِهِمْ ۝	اگر اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں اور اپنی زمین کے بسنے والے سب لوگوں کو عذاب میں ڈال دے تو بھی وہ ظالم نہیں، اور اگر ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے عملوں سے بہتر ہو گی۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ خالق پر مخلوق کا حق ہے، تو یہ بھی بجا ہے اگر اس سے مراد وہ حق ہے جس کی خود اس نے خبر دی ہے، کیونکہ وہ صادق ہے، اور اسی نے اپنی حکمت، فضل

---

[1] "ب" کا استعمال جب کسی لفظ کے ساتھ ہوتا ہے تو کبھی مقابلہ و معاوضہ کے معنی پیدا ہوتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں بعتہ بکذا " (اسے اس کے مقابلہ یا معاوضہ میں فروخت کر ڈالا۔) (مترجم)

اور رحمت کی بنا پر اپنے اوپر یہ حق واجب ٹھہرایا ہے۔ پس اس حق کا مستحق شخص اگر اس کا حوالہ دے کر دعا کرے تو گویا اس سے اس کے وعدہ کے ایفا کی درخواست کرتا ہے۔ یا یہ کہ ان اسباب کے ساتھ دعا کرے جن پہ اللہ تعالیٰ نے مسببات کو معلق کیا ہے، مثلاً نیک اعمال، اور ایسا سوال درست ہے۔ لیکن اگر غیر مستحق، مستحق کے حق کا واسطہ دے کر مانگتا ہے تو یہ ایسا مانگنا ہے جیسا اس کی عزت و حرمت کے واسطہ سے مانگا جائے جو سائل سے ایک اجنبی چیز اور کسی ایسے سبب پر مبنی نہیں ہے جو قبولیت دعا سے مناسبت رکھتا ہو۔ لیکن اللہ جل شانہٗ سے اس کے ان ناموں اور صفتوں سے سوال کرنا جو بندوں کے لیے اس کی ہدایت، رزق، نصرت وغیرہ افعال کے مقتضیات ہیں تو یہ سوال کا بہترین طریقہ ہے اس بنا، پر یہ بات کہ انبیاءؑ کے حق کے ساتھ سوال ناجائز ہے، کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا حق نہیں، درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ بخاری و مسلم کی محولہ بالا حدیثِ معاذ رضؓ سے ثابت ہے کہ بندوں کا خدا پر حق ہے۔ جیسا کہ خود اللہ نے قرآن میں فرمایا۔

«كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۝	تمہارے پروردگار نے رحم کرنا اپنے پر لازم کر رکھا ہے۔

(الانعام : ۵۴)

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝	اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔

(الروم : ۴۷)

مخالف کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیئے کہ یہاں بحث دو مسئلوں میں ہے ۱۔ خدا پر بندوں کا حق۔ اور ۲۔ اس حق کی بنا پر سوال کرنا۔ پہلے مسئلہ کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مطیع بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں اجر دے گا اور سائلوں سے قبولیتِ سوال کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ فرمایا۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝	اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو گی۔

(النساء : ۱۲۲)

وَعْدَ اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے۔ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

(الروم : ۶)

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ ط | پس تو اللہ کو رسولوں سے وعدہ خلاف کرنے والا مت سمجھیو۔

(الحجر : ۴۷)

پس اللہ کا اپنے وعدے کے مطابق عمل کرنا، باتفاق جملہ علماءِ اسلام یقینی امر ہے، رہی یہ بات کہ وعدے کے علاوہ بھی اللہ پر کسی مخلوق کا کوئی حق ہے تو اس میں علماء کے آراء مختلف ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ بجز وعدہ کے خدا پر کچھ بھی واجب نہیں اور بعض کا خیال ہے کہ مخلوق کی طرح اس پر بھی واجبات و محرمات ہیں۔ اور بعض کہتے کہ خود اس نے اپنے اوپر بعض چیزیں واجب ٹھہرائی ہیں اور بعض حرام، اس پر وہی واجب ہے جو خود اس نے واجب کیا ہے اور وہی حرام ہے جو خود اس نے حرام کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ بالا حدیثِ ابوذر رضہ سے ثابت ہوتا ہے۔

خدا ظلم نہیں کرتا

رہا ظلم تو باتفاق سب علماء کے خدا کے حق میں محال ہے۔ لیکن اس ظلم میں اختلاف ہے جو واقع نہیں ہوتا۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ وہ بھی محال ہے کیونکہ ہر ممکن جو اللہ سے صادر ہو، عدل ہے ظلم نہیں کیونکہ ظلم کے معنی یہ ہیں کہ کسی دوسرے کی ملکیت میں دست درازی کی جائے یا اس حکم سے اعراض کیا جائے جس کی پیروی ضروری ہے، اور یہ دونوں صورتیں خدا کے حق میں محال ہیں۔ دوسرے فریق کا خیال ہے کہ بندوں کا ظلم خود خدا کا ظلم ہے۔ بعض کہتے ہیں ظلم۔

وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِہٖ ۵ | کسی چیز کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنا۔

کا نام ہے اور اس کا تصور بھی خدا کی نسبت نہیں ہو سکتا۔ وہ عادل حقیقی انصاف کرتا ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرمایا۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا ۰ | جو کوئی خدا پر ایمان لا کر نیک کام کرے گا وہ کسی طرح کے ظلم اور نقصان سے نہ ڈرے گا۔

(طٰہٰ : ۱۱۲)

مفسرین نے آیت میں "ظلم" "ھضم" کی تفسیر یہ کی ہے کہ ظلم ایک کے گناہ دوسرے پر رکھنا اور سزا دینا ہے اور ھضم یہ ہے کہ کسی کی نیکیاں ضبط کر لی جائیں۔ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾	خدا کی عادت نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی ظلم کرے ذرہ جتنی بھی نیکی ہو تو اسے بھی دگنا کرتا ہے اور بڑا بدلہ دیتا ہے۔

(النساء : ۴۰)

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ۖ	ہم (خدا) نے ان پر ظلم نہ کیا تھا۔ لیکن وہ اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے۔

(ہود : ۱۰۱)

کسی کے حق سے سوال کرنے کی حیثیت؟

دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس کے بارے یں فرمادیا ہے کہ وہ خدا پر بندوں کا حق ہے تو تسلیم کیا جائے گا کہ وہ حق ہے۔ لیکن بحث اس حق کی بنیاد پر دعا کرنے میں ہے کہ آیا درست ہے یا غلط؟ جواب یہ ہے کہ جس حق سے سوال کیا گیا ہے اگر وہ اجابت کا سبب ہے تو سوال صحیح ہے مثلاً اس حق کی بنیاد پر سوال کیا جائے جو اس نے سائلوں اور عابدوں کا اپنے ذمہ ٹھہرا لیا ہے۔ یہ مسئلہ واضح ہے البتہ غور طلب بات یہ ہے کہ دوسروں کے حق کی بنا پر سوال کرنا کیسا ہے؟ تو اگرچہ ان لوگوں کا اللہ پر اس کے وعدہ کے مطابق حق ہے کہ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے اجر و ثواب دے اور درجے بلند کرے اگر کسی دوسرے کو ان کے حق کی بنا پر کیا استحقاق حاصل ہے کہ اس کی بھی دعا قبول ہو جائے؟ کیونکہ ان حضرات کو جو کچھ بھی استحقاق حاصل ہوا ہے ان کے ایمان و اطاعت کی بنا پر ہوا ہے اور یہ بات سائل کو حاصل نہیں۔ ان کی بزرگی اس کی اجابت دعا کا ذریعہ کیسے بن سکتی ہے؟ اگر کہا جائے ان کی شفاعت و دعا سبب ہے تو یقیناً یہ صحیح ہے، بشرطیکہ وہ اس کے لیے شفاعت و دعا کریں لیکن اگر نہ کریں تو پھر کوئی سبب بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر کوئی شخص ہے کہ جناب رسول مقبولؐ میری محبت والفت اور آپ پر ایمان قبولیت دعا کا سبب ہے تو یقیناً یہ ایک مشروع سبب ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سائل خدا سے سوال کرتا اور اس کی جناب میں اپنے ایمان اور اس کے رسولؐ سے اپنی محبت و اطاعت کو بحیثیت وسیلہ پیش کرتا ہے۔ لیکن اللہ کی محبت اور غیر اللہ کی محبت میں فرق کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو شخص مخلوق سے ویسی محبت کرتا ہے جیسی

ق سے کرنی چاہیئے تو در حقیقت وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے، اس کی محبت مفید ہونے کے بجائے اس کے حق میں مضر ہو گی۔ لیکن جس نے اپنے دل میں اللہ کی محبت کو سب سے زیادہ رکھی اور اس کے انبیاءؑ اور صالحین انسانوں سے اس کی محبت کی وجہ سے محبت کی تو اس کے لیے اللہ کی محبت سب سے زیادہ مفید ہو گی۔ ان دونوں چیزوں میں فرق کرنا بہت بڑی بات ہے۔

ممکن ہے کہا جائے کہ اگر رسولِ خدا پر ایمان اور آپ کی محبت و طاعت سے توسل کرنا کبھی حصولِ ثواب و جنت کے لیے ہوتا ہے۔ جو بقول تمہارے سب سے بڑا وسیلہ ہے، اور کبھی قبولیتِ دعا کے لیے ہوتا ہے، جیسا کہ تم مثالوں میں بتا چکے ہو، تو "اَسْئَلُکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ" کو اس معنی پر کیوں نہ محمول کیا جائے کہ "میں محمد (صلعم) کے ایمان و محبت کے ساتھ سوال کرتا اور اس ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں" اور تم کہہ چکے ہو کہ یہ بلا اختلاف صحیح ہے؛ جواب یہ ہے کہ اگر سائل کی نیّت میں یہ معنی ہوں تو اس کے درست ہونے میں شک نہیں، اور اگر یہی معنی بعض صحابہ رضؓ و تابعینؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے رسول اللہ کو وصال کے بعد بھی وسیلہ سمجھنے کے لیئے جائیں تو ٹھیک ہے اس صورت میں مسئلہ بالکل واضح اور مسلم ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس قسم کے الفاظ بول کر یہ معنی مراد نہیں لیتے، جو کچھ اعتراض و انکار ہے انہیں پر ہے۔

اسی طرح اگر اس لفظ سے حضورؐ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا مراد ہو جیسا کہ اصحاب رسولؐ کا معمول تھا تو یہ بھی بلا اختلاف جائز ہے، اگر رونا تو اسی بات کا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر لوگ ان الفاظ سے یہ معنی مراد نہیں لیتے۔

رشتہ کے حوالہ سے سوال

اگر کہا جائے رشتہ کا حوالہ دے کر دعا کرنا کیسا ہے؟ تو ہم جواب دیں گے کہ یہ صحیح ہے۔ کیونکہ رشتہ کی وجہ انسان کا اپنے رشتہ دار پر حق ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط	اور خداوند عالم سے ڈرو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

(النساء : ۱)

اور حدیث میں ہے۔

اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ مَنْ وَصَلَهَا	رحم (رشتہ) رحمٰن کی ایک شاخ ہے، جس نے

وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللّٰهُ ط

اسے ملایا، خدا بھی اسے جوڑے گا، جس نے اسے کاٹا خدا بھی اسے کاٹے گا۔

نیز فرمایا۔

وَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحِمَ تَعَلَّقَتْ بِحَقْوَيِ الرَّحْمٰنِ وَقَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ فَقَالَ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى قَدْ رَضِيْتُ

جب رحمٰن نے رحم کو پیدا کیا تو وہ رحمٰن کی کمر سے لٹک گئی اور کہنے لگی یہ قطع رحم سے تیری پناہ مانگنے کی جگہ ہے۔ خدا نے فرمایا کیا تو اس پر خوش نہیں کہ اسے میں جوڑدوں گا جو تجھے جوڑے اور اسے کاٹوں گا جو تجھے کاٹے؟ کہنے لگی ہاں میں خوش ہوگئی۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنْ اسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ ط

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمٰن نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اس کے نام کو مشتق کیا، پس جو اسے ملائے گا میں بھی اسے ملاؤں گا اور جو اسے کاٹے گا میں بھی اسے کاٹوں گا۔

حضرت علی رض کے متعلق منقول ہے کہ آپ کے بھتیجے جب اپنے باپ حضرت جعفر رض کے حق کا واسطہ دے کر آپ سے مانگتے تو دے دیا کرتے تھے کیونکہ جعفر رض آپ کے بھائی تھے اور اس بنا پر حق رکھتے تھے۔ رشتہ دار کا حق اس کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی "اے رسول خدا، کیا والدین کے فوت ہو جانے کے بعد بھی میرے اوپر ان کا کوئی حق باقی ہے جسے میں ادا کروں؟ فرمایا۔

نَعَمْ اَلدُّعَاءُ لَهُمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ وَعْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ رَحِمِكَ الَّتِيْ لَا رَحِمَ لَكَ اِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا ۝

ہاں ان کے لیے دعا کرنا اور بخشش مانگنا اور ان کے بعد ان کے وعدہ کا ایفا کرنا اور اپنے ان رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا کہ جن کا رشتہ تیرے والدین کی وجہ سے قائم ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی تشریح

رہا امام ابو حنیفہ رح، ان کے اصحاب اور دوسرے علماء کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ سے کسی مخلوق

کے بھی واسطہ سے دعا جائز نہیں، خواہ انبیاءؑ ہوں یا کوئی اور۔ تو اس کے دو مطلب ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ ایک یہ کہ اللہ کو اس کی مخلوق کی قسم دلانا اور یہ، جیسا کہ بیان ہو چکا، باتفاق جمہور علماء اسی طرح حرام ہے جس طرح باتفاق علماء کعبۃ اللہ اور شعائر کی غلاف کو قسم دلانا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال و دعا، تو اسے بعض لوگوں نے جائز کیا ہے۔ اور بعض سلف سے بھی اس بارے میں اقوال مروی ہیں اور بہت سے اور لوگوں کی دعاؤں میں بھی ایسے الفاظ ہیں۔

اس باب میں نبی صلعم سے کوئی حدیث ثابت نہیں

لیکن رسول اللہ سے اس باب میں جو کچھ منقول ہے ضعیف بلکہ موضوع ہے، کوئی حدیث بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ جس سے استدلال کیا جا سکے سوائے حدیثِ اعمٰی کے جس میں ہے کہ حضورؐ نے نابینا شخص کو تلقین کی کہ یوں دعا کر۔

اَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ۝	میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے واسطہ سے۔

حدیث نابینا

لیکن یہ حدیث بھی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ صاف بتا رہی ہے کہ نابینا نے آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہا تھا۔ واقعہ یہ ہے اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی اور آپ نے اسے فرمایا کہ اس طرح کہہ "اے اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا شفیع بنا دے" اسی لیے جب آپ نے دعا کی تو اللہ نے اس کو بینا کر دیا یہ آپ کے معجزات کی قسم سے ہے، ورنہ اگر اور اندھے جن کے بارے میں آپ نے دعا نہیں فرمائی اس طرح کا وسیلہ چاہتے یا چاہیں تو ان کا یہ حال نہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی دعا

رہی عمر بن الخطاب رضؓ دعا استسقاء جو مہاجرین و انصار میں مشہور ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ۔

اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا إِذَا أَجْدَبْنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا ۝	اے اللہ، جب ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تھے، تو تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ لاتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا اب اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔

تو اس سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے، کہ جس طرح وسیلہ چاہنا صحابہؓ کرام میں مروج تھا وہ آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ تھا نہ کہ آپ کی ذات کو درمیان میں رکھ کر سوال کرنا۔ کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ اور مہاجرین و انصار آپ کو چھوڑ کر دعا میں حضرت عباسؓ کا وسیلہ نہ پیش کرتے۔

سوال اور قسم انبیاءؑ و صلحاء کے واسطہ سے دعا میں نزاع ہو سکتی ہے برخلاف ان کی قسم دلانے کے۔ کیونکہ سوال اور قسم دو مختلف چیزیں ہیں۔ سوال انکسار و خوشامد ہے اور ایک ایسا ذریعہ ہے جو دعا کے قبول ہونے سے مناسبت رکھتا ہے لیکن قسم کی نوعیت اس سے مختلف ہے اس میں سوال پورا کر دینے کی تاکید ہوتی ہے۔ قسم دینے والا اسی کو قسم دلاتا ہے جسے سمجھتا ہے کہ اس کی قسم پوری کر دے گا۔ خدا کی بارگاہ میں ہر کس و ناکس اس خیال کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی قسم پوری کر دے گا۔ کیونکہ اس نے اس طرح کی قسمیں پوری کر دینے کا شرف اپنے خاص مقرب بندوں ہی کو دیا ہے۔ البتہ سوال و دعا کو عام رکھا ہے، چنانچہ وہ سب کے سوال پورے کرتا ہے، سب کی دعائیں قبول کرتا ہے، محتاج کی بھی، مظلوم کی بھی، مومن کی بھی، کافر کی بھی۔ صحیح بخاری میں آنحضورؐ کا ارشاد موجود ہے کہ۔

"جو دعا کرنے والا بھی خدا سے ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہوتا ہے نہ رشتہ کٹتا ہے تو خدا اسے تین باتوں میں سے ایک بات ضرور دیتا ہے، یا تو اس کی دعا قبول کر لیتا ہے، یا اس کے لیے ویسی ہی بھلائی جمع کر رکھتا ہے، یا اس سے ویسی ہی برائی دور کر دیتا ہے۔"

مذہب امام مالکؒ انبیاء سے اس طرح کا وسیلہ چاہنا کہ ان کے حوالہ سے سوال کیا جائے، تو اسے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے ناجائز کیا ہے اور مشہور مذہب مالکؒ میں اس کے مخالف کوئی بات نہیں ملتی۔ جو کوئی مالکؒ سے ایسی بات پیش کرتا ہے جس میں قسم یا سوال کے معنی میں وسیلہ کو درست بتایا گیا ہو تو وہ ایک بے حقیقت بات پیش کرتا ہے۔ کیونکہ امام مالکؒ اور ان کے اصحابؒ سے اس بارے میں کوئی چیز مروی نہیں بلکہ امام مالکؒ سے تو یہاں تک مشہور ہے کہ انہوں نے دعا میں "یا سیدی یا سیدی" کہنے کو بھی مکروہ قرار دیا اور تاکید کی ہے کہ انبیاء کی طرح "یا رب یا مالک" ...

کرو۔ نیز "یا حنان، یا منان" کہنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ آنحضورؐ سے منقول نہیں۔ پس اگر مالکؒ اس طرح کی دعا بھی ناپسند کرتے تھے جو ان کے خیال میں مشروع نہیں، تو پھر کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ انہوں نے خدا سے مخلوق کا حوالہ دے کر سوال کرنے کو جائز کہا ہوگا عام اس سے کہ مخلوق انبیاء ہوں یا غیر انبیاء۔

حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کی دعا کو وسیلہ بنانا

بالخصوص جب ان کو معلوم تھا کہ عام الرمادہ

میں جب صحابہؓ سخت قحط سالی کا شکار ہوئے تو انہوں نے نبیؐ اور غیر نبی کسی مخلوق کی بھی ذات کے حوالہ سے دعا نہیں مانگی بلکہ حضرت عمرؓ نے کہا۔

"اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے پاس اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے، اب ہم تیری جناب اپنے نبیؐ کے چچا حضرت عباس رضؓ کا وسیلہ لاتے ہیں تو ہمیں سیراب کر"

یہی صحیح بخاری میں ابن عمرؓ و انسؓ وغیرہ صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ جب کبھی قحط پڑتا تھا تو نبی صلعم کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے۔ کہیں مذکور نہیں کہ صحابہ رضؓ میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی حیات میں آپ کی ذات .... یا کسی اور مخلوق کی ذات کے وسیلہ سے استسقاء یا کسی اور موقع پر دعا کی ہو۔ رہی نابینا والی حدیث تو اس پر عنقریب بحث کی جائے گی اور اگر آپ کی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا صحابہ رضؓ میں مروج ہوتا تو وہ حضرت عمر رضؓ سے کہتے کہ رسولِ خدا کی ذات سے سوال و وسیلہ، عباس رضؓ کے ذریعہ سوال و وسیلہ سے کہیں افضل و اولیٰ ہے۔ ہم اس مشروع فعل سے انحراف نہیں کر سکتے جو آپ کی حیات میں کرتے تھے۔ ہم اشرف المخلوقات کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے بعض اقربا سے وسیلہ نہ چاہیں گے۔ کیونکہ اس سے سنتِ مشروعہ کا ترک، افضل و اولیٰ سے انحراف اور اعلیٰ سبب کو چھوڑ کر ادنیٰ سبب سے سوال کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ ہم نہایت سخت خشک سالی میں مبتلا ہیں اور فوراً اس مہیبت سے رہائی چاہتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کا کوئی اعتراض نہ کیا۔ پھر حضرت عمر رضؓ نے جو کچھ کیا تھا وہی بہت سے صحابہ رضؓ کی موجودگی میں امیر معاویہ رضؓ نے یزید بن الاسود الجرشی رضؓ کے ذریعہ سے دعا مانگی۔

اسی طرح امام شافعیؒ و احمدؒ کے اصحاب نے کہا ہے کہ استسقاء میں اہلِ خیر و صلاح کی دعا

کا وسیلہ تلاش کرنا چاہیئے، اگر رسولِ خدا کے رشتہ دار موجود ہوں تو حضرت عمرؓ کی پیروی میں ان کا وسیلہ بہتر ہے۔ لیکن کسی عالم نے بھی نہیں کہا کہ نبیؐ یا غیر نبیؐ کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے استسقاء میں دعا کرنا درست ہے۔

اسی طرح جو کوئی روایت کرے کہ امام مالکؒ نے جناب نبی کریمؐ یا کسی اور سے اس کی موت کے بعد سوال جائز بتایا، یا مالکؒ کے علاوہ کسی دوسرے امام مثلاً شافعیؒ احمدؒ وغیرہ کی طرف اُسے منسوب کرے تو وہ کذاب ہے اور ان ائمہ رحؒ پر الزام لگانے والا ہے۔

امام مالکؒ پر تہمت

لیکن بدقسمتی سے بعض جہلاء نے اس طرح کی ایک بات امام مالکؒ کے ذمہ لگادی ہے اور ثبوت میں ایک جھوٹی حکایت ان کی طرف منسوب کردی ہے، جو اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو بھی اس سے وسیلہ کی یہ مختلف فیہ صورت جائز نہیں ہوسکتی بلکہ قیامت میں آپ کی شفاعت سے وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اس حکایت کے ماننے سے ہی انکار ہے، کیونکہ بالکل بے اصل اور خود ساختہ ہے جیسا کہ ذیل میں تفصیلاً مذکور ہے۔

سلف کی رسول اللہ سے محبت

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب کے باب "زیارۃ قبر النبی صلعم" میں اس روایت کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف وہ روایتیں نقل کی ہیں جو امام مالکؒ و اصحابِ مالکؒ سے مشہور ہیں۔ یقیناً انہوں نے اسے اس بحث کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی عزت و حرمت، وصال کے بعد بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسی زندگی میں تھی۔ چنانچہ امام مالکؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ ان سے ایوب سختیانیؒ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا۔

"جتنے لوگوں سے حدیث روایت کرکے میں تمہیں سناتا ہوں، ان سب سے ایوبؒ افضل ہیں۔ انہوں نے دو دفعہ حج کیا۔ میں انہیں بغور دیکھا کرتا تھا، میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ جب کبھی نبی کریمؐ کا ذکر کرتے تو اتنا روتے کہ مجھے ترس آنے لگتا! جب میں نے یہ باتیں خصوصاً آنحضرتؐ کی اس قدر تعظیم دیکھی تو ان سے حدیث لکھی"

مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ جب رسول خدا صلعم کا ذکر کرتے تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور جھک جاتے یہاں تک کہ ان کے ساتھی پریشان ہوجاتے! ایک مرتبہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا، فرمانے لگے "اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو یوں اعتراض نہ کرتے۔ میں

نے محمد بن المنکدر رح سید القراء کو دیکھا، جب کبھی ہم ان سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتے تو وہ رو تے اور اس قدر روتے کہ ہمیں ترس آجاتا! میں نے جعفر بن محمدؒ کو دیکھا، وہ بہت ہنس مکھ اور زندہ دل تھے، لیکن جوں ہی رسولِ خدا صلعم کا ذکر آتا ان کا رنگ پیلا ہو جاتا، کبھی رسول اللہ کی حدیث بغیر وضو روایت نہ کرتے۔ میری ان کے پاس ایک مدت تک آمدورفت رہی اور ہمیشہ اسی حالت میں دیکھا کہ یا نماز میں مشغول ہوتے یا خاموش رہتے یا تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوتے، غیر ضروری باتیں نہ کرتے تھے۔ وہ ان علماء و عبّاد میں سے تھے جو خدا کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن القاسم رح کو دیکھا کہ جب نبی اکرمؐ کا ذکر کرتے تو ہیبت سے ان کی یہ حالت ہو جاتی کہ چہرہ زرد ہو جاتا۔ گویا جیسے جسم میں خون سوکھ گیا ہے اور منہ میں زبان خشک ہو گئی ہے! میں عامر بن عبداللہ بن الزبیرؒ کے پاس بھی آتا جاتا تھا، جب کبھی رسولِ خدا کا ذکر آجاتا تو رونے لگتے، یہاں تک کہ آنکھیں خشک ہو جاتیں! میں نے زہریؒ کو دیکھا ہے جو [illegible] خوش مزاج اور ملنسار تھے، مگر نبی صلعم کا ذکر آتے ہی ایسے ہو جاتے گویا نہ تمہیں جانتے ہیں نہ تم انہیں! میں صفوان بن سلیمؒ کے پاس بھی آتا جاتا تھا، بہت ہی عبادت گزار شخص تھے، جب نبی کریمؐ کا ذکر سن لیتے تو روتے اور اس قدر روتے کہ لوگ اکتا کر انہیں مجلس میں تنہا چھوڑ کے چلے جاتے تھے!"

یہ تمام روایات سند درست ہیں اور قاضی عیاضؒ نے اصحابِ مالکؒ کی مشہور کتب سے روایت کی ہیں۔ پھر غریب و منقطع سند کے ساتھ وہ روایت ذکر کی ہے جو امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے۔ لکھتے ہیں۔

جھوٹی حکایت .... وہ امیرالمومنین ابوجعفر نے امام مالکؒ سے مسجد نبویؐ میں مباحثہ کیا اور آواز بلند ہونے لگے۔ امام مالکؒ نے خلیفہ کو منع کر دیا کہ اس مسجد میں شور نہ مچاؤ، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ایک گروہ کو یہ کہہ کر ادب سکھایا ہے۔

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ط (الحجرات : ۲) | اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کیا کرو۔

اور دوسرے کی تعریف میں فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ الخ (الحجرات : ۳) | جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں۔

اور تیسرے کی مذمت کی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ الخ	جو تیرے مکان کے باہر سے تجھے بلاتے ہیں۔

(الحجرات : ۴)

وفات کے بعد بھی آپ کی عزت وہی ہے جو زندگی میں تھی" یہ سن کر خلیفہ دھیما پڑ گیا، اور کہنے لگا اے عبداللہ (مالکؒ) میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ کی طرف؟ مالکؒ نے جواب دیا "رسول اللہ سے کیوں منہ پھیرو جب کہ وہ قیامت میں خدا تک تمہارا وسیلہ تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کا وسیلہ ہیں بلکہ آپ کی طرف منہ کرو اور آپ کی شفاعت طلب کرو! اللہ تعالیٰ یہ شفاعت قبول کرے گا۔ کیونکہ اس نے خود ہی فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ؀	اور جب انہوں نے اپنا برا کیا تھا تیرے پاس آکر خدا سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش مانگتا تو اللہ کو معافی دینے والا مہربان پاتے۔

(النساء : ۶۴)

حکایت کیوں جھوٹی ہے؟

یہ حکایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن حمید الرازی نے مالک کو نہیں پایا، خصوصاً ابو جعفر منصور کے زمانہ میں۔ کیونکہ ابو جعفر نے ۱۵۸ھ میں مکہ میں وفات پائی، اور مالک ۱۷۹ھ اور محمد بن حمید ۲۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن حمید کبھی وطن سے باہر نہیں گئے اور جب حصول علم کی خاطر نکلے تو اچھی عمر کے ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں۔ ابو زرعہ اور ابن وارہ نے انہیں جھوٹا بتایا ہے۔ صالح بن محمد الاسدی کہا کرتے تھے "میں نے محمد بن حمیدؒ سے زیادہ کسی کو اللہ پر جری اور کذب بیانی میں مہارت رکھنے والا نہیں دیکھا" یعقوب بن شیبہؒ کی رائے ہے "سخت منکر روایتوں والا" نسائی کا قول ہے "ثقہ نہیں" ابن حبانؒ کہتے ہیں "ثقات سے الگ ہو کر مقلوب روایات بیان کرتا ہے" امام مالکؒ سے مؤطا کے سب سے آخری راوی ابو مصعب ہیں جو ۲۴۲ھ میں فوت ہوئے اور سب سے آخری علی الاطلاق روایت کرنے والے احمد بن اسمٰعیل السہمی ہیں جو ۲۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان میں سے کسی نے

بھی یہ حکایت ذکر نہیں کی۔ پھر سند میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو مجہول الحال ہیں۔ امام مالکؒ کے مشہور اصحاب میں سے کسی نے بھی یہ روایت ذکر نہیں کی۔ محمد بن حمید اگر اسناد سے روایت کریں تو بھی اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں، پھر اگر ارسال کریں تو ظاہر ہے ان کی روایت کس درجہ کی ہوگی۔ اصحابِ مالکؒ متفق ہیں کہ ان کے امام سے اس طرح کی کوئی روایت کسی فقہی مسئلہ میں بھی معتبر نہیں۔ بلکہ اگر ان سے شامی مثل ولید بن مسلم اور مروان بن محمد الطاطری روایت کرتے ہیں تو ان کی روایت بھی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں صرف مدنیوں اور مصریوں کی روایت معتبر ہے۔ جب حالت یہ ہے تو ایک ایسی روایت پر کیا حکم لگایا جائے گا جو مالکؒ کے مشہور مذہب کے بالکل الٹ ہے اور صرف ایک ایسے خراسانی کی زبانی سنی گئی ہے جس نے مالکؒ کو نہیں پایا۔ اور جس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

حکایت کی تشریح

پھر اس حکایت سے وہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی جسے لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ امام مالکؒ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ تیرے باپ آدمؑ کا خدا کے پاس قیامت کے روز وسیلہ ہیں، صاف بتا رہا ہے کہ آدمؑ اور اولاد آدمؑ قیامت میں آپ کا وسیلہ طلب کریں گے، یعنی آپ کی شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔ اور یہ صحیح ہے، جیساکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب قیامت میں لوگ آدم (علیہ السلام) کے پاس پہنچیں گے اور شفاعت طلب کریں گے تو وہ انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔ پھر نوح، ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس اور ابراہیم، موسےٰ (علیہ السلام) کے پاس اور موسیٰ، عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس اور عیسےٰ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ اور جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ	میں قیامت کے روز اولادِ آدم کا سردار ہوں میں فخر نہیں کرتا، آدم اور جو ان کے بعد ہیں، قیامت میں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، میں فخر نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلعم پر سلام کا طریقہ

اس کے علاوہ یہ روایت کئی وجوہ سے مذہب مالکؒ کے بالکل خلاف ہے۔ ایک یہ کہ جب امام مالکؒ سے خلیفہ نے پوچھا کہ قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ کی طرف؟ تو انہوں نے کہا "رسول اللہ سے کیوں روگردانی کرو جب کہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم کا وسیلہ ہیں" کیونکہ مالکؒ اور دوسرے ائمہ اور تمام صحابہ رضہ و تابعین و سلف صالحین کا قول و عمل اس کے خلاف ہے۔ سب نے یہی کہا ہے کہ مسجد نبویؐ میں رسولِ خدا پر سلام کے بعد اگر اپنے لیے دعا کا ارادہ ہو تو قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہیئے نہ کہ آپ کی قبر کی طرف۔ ہاں سلام اور آپ کے لیے دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کرنا چاہیئے۔ یہی قول اکثر علماء مثل مالکؒ (فی احدی الروایتین) اور شافعیؒ و احمدؒ وغیرہم کا ہے۔ اور اصحاب ابو حنیفہؒ تو سلام کے وقت بھی قبر کی جانب رخ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سلام کے وقت حجرہ کو بائیں ہاتھ کی طرف کرے جیسا کہ ابن وہب نے مالکؒ سے روایت کیا ہے اور بعض نے کہا بلکہ حجرہ کو پشت پر کرنا چاہیئے، اور اسی پر اس زمانہ میں عمل تھا۔ لیکن ہر حال میں یہی ثابت ہے کہ امام مالکؒ نے قبر کے پاس زیادہ دیر کھڑے ہونے کو مکروہ کہا ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ نے مبسوط میں مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ "میرے نزدیک قبر نبویؐ پر کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہیئے بلکہ سلام کر کے ہٹ جانا چاہیئے .... کیونکہ نافع رضہ کہتے تھے کہ ابن عمر رضہ کو میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا کہ قبر اطہر پر آتے اور کہتے "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام ابو بکر رضہ پر سلام، میرے باپ پر سلام!" پھر چلے جاتے" نیز ابن عمر رضہ کو دیکھا گیا کہ منبر پر نبی کریمؐ کی بیٹھنے کی جگہ پر ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر رکھتے۔ ابن ابی قسیطؒ اور قعنبیؒ سے روایت ہے کہ جب مسجد خالی ہوتی تو صحابہ رضہ منبر کے اس بازو میں جو قبر کے سامنے ہے۔ چھوتے اور پھر قبلہ رخ ہوتے اور دعا کرتے۔ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی رضہ سے مروی ہے کہ ابن عمر رضہ قبر نبویؐ پر کھڑے ہوتے اور نبی کریمؐ اور حضرت ابو بکر رضہ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) پر صلوۃ بھیجتے ابن القاسم اور قعنبیؒ کی روایت میں ہے کہ ابو بکر رضہ و عمر رضہ کے لیے دعا کرتے۔ روایت ابن وہبؒ میں مالکؒ کا قول ہے کہ کہتے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" اور مبسوط میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضہ و عمر رضہ پر سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں "میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نبی صلعم کے لیے لفظ صلوۃ سے دعا کی جائے اور حضرت ابو بکر رضہ و عمر رضہ

کے لیے لفظ رحمت سے کیونکہ ابن عمرؓ کی حدیث میں اختلاف واقع ہو گیا ہے" یہ دعا اس دعا کی تشریح کرتی ہے جو روایت ابن وہبؒ میں ہے کہ مالکؒ نے کہا: جب نبی صلعم پر سلام کرے اور دعا کرے تو اس طرح کھڑا ہو کر رخ قبر کی جانب ہو، قریب ہو کر سلام کرے مگر قبر کو ہاتھ نہ لگائے۔ یہ آپ پر سلام ہے، رہی صلوٰۃ کے ساتھ دعا تو اس کا بیان اوپر ہو چکا۔ اسی طرح ہر وہ دعا ہے جیسے اصحاب مالکؒ نے

قبر نبویؐ کی زیارت مدنیوں اور غیر مدنیوں کے لیے

نقل کیا ہے، جیسا کہ ابن حبیبؒ نے واضحہ میں اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ امام مالکؒ نے مبسوط میں کہا: اہل مدینہ میں سے جو شخص مسجد میں داخل ہو یا باہر نکلے اس کے لیے آنحضورؐ کی قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں، یہ صرف پردیسیوں کے لیے ہے" نیز مبسوط میں امام مالکؒ کا قول ہے کہ سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والے کے لیے کوئی حرج نہیں اگر قبر اقدس پر کھڑا ہو، نبی کریمؐ پر درود بھیجے اور حضرت عمرؓ کے لیے دعا کرے" لوگوں نے عرض کی کہ مدینہ کے بعض لوگ ایسے ہیں جو سفر کے بغیر بھی اس طرح کرتے ہیں کبھی دن میں ایک دفعہ، کبھی اس سے بھی زیادہ بعض جمعہ میں ایک دفعہ، بعض اور دنوں میں ایک دو اور کئی کئی مرتبہ قبر مبارک کے پاس قیام کرتے ہیں، سلام کرتے ہیں اور دیر تک دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: ہمارے شہر کے فقہا سے مجھے ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی، اس کا چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ اس امت کے آخری لوگ بھی اسی چیز سے درست ہوں گے جس سے اس کے پہلے لوگ درست ہوئے (یعنی قرآن و سنت)۔ وہی امت کے اولین کے لیے راہ ہدایت تھا اور آخرین کے لیے بھی وہی ہے۔ مجھے اس امت کے اولین کے متعلق معلوم نہیں ہوا کہ کسی نے ایسا کیا ہو، یہ صرف سفر پر جانے اور سفر سے آنے والوں کے لیے جائز ہے اور اہل مدینہ کے لیے مکروہ" ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ جب سفر پر جانے لگتے یا سفر سے لوٹتے تو قبر مبارک پر جا کر سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور پردیسیوں کے درمیان فرق ہے، کیونکہ پردیسی اسی غرض سے آتے ہیں اور اہل مدینہ والے تو وہیں کے باشندے ہیں، قبر کی زیارت اور سلام کے لیے باہر سے نہیں آئے۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ | اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا

اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ ؂

کی جائے: اللہ ان لوگوں پر سخت ناراض ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دیا۔

اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا ؂

میری قبر کو پرستش کی جگہ نہ بناؤ۔

احمد بن شعبہؒ کی کتاب میں ہے کہ:

" جو کوئی قبر اقدس پر جائے تو اس سے بے نہیں ... سے چھوٹے نہ دیر تک وہاں قیام کرے۔ عتیبہ بن مالکؒ کا قول ہے" سلام سے پیشتر مسجد نبوی میں تحیۃ المسجد ادا کرے، نوافل کے لیے میں آنحضورؐ کے مصلیٰ کو پسند کرتا ہوں، البتہ فرائض کے لیے اگلی صفیں افضل ہیں، پردیسیوں کے لیے میں نفل نماز گھر کی نسبت مسجد میں ادا کرنے کو ترجیح دیتا ہوں"۔

سلف صالح، قبر شریف پر کیوں جاتے تھے؟

یہ ہیں مالکؒ اور اصحاب مالکؒ کے اقوال اور صحابہؓ وتابعینؒ سے ان کی روایات جس سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ سلف صالح، قبر مبارک پر صرف رسول خدا صلعم کے سلام اور آپ کے لیے دعا کرنے کی نیت سے جاتے تھے۔ امام مالکؒ نے وہاں طویل قیام کو بھی مکروہ اور مدنیوں کے لیے ہر دفعہ مسجد میں آنے اور جاتے وقت قبر شریف پر جانے کو مکروہ بتایا ہے۔ صرف باہر سے آنے والوں کے لیے ہے یا مدینہ کے ان باشندوں کے لیے جو سفر پر جا رہے ہوں یا واپس آئے ہوں، کیونکہ یہ رسول کریمؐ کے لیے سلام و دعا ہے۔ رہی کسی شخص کی خود اپنے لیے دعا تو اس کا مقام مسجد نبویؐ ہے جس میں قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنا چاہیے جیسا کہ اصحاب مالکؒ وغیرہم نے صحابہؓ سے روایت کیا ہے۔ کسی صحابیؓ سے بھی مروی نہیں کہ اس نے اپنے لیے قبر نبویؐ کے پاس دعا کی ہو۔ اپنے لیے دعا کیا معنی خود حضورؐ کے لیے بھی دعا قبر کے پاس دیر تک کھڑے ہو کر کی ہو۔

حضورؐ کی قبر کے پاس دعا و سلام

رہا رسول اللہ سے آپ کی قبر مبارک کے پاس یا آپ کے وصال کے بعد دعا، مرادیں مانگنا، سفارش و شفاعت چاہنا تو سلف میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا۔ خود سے دعا و شفاعت تو بڑی چیز ہے، اگر قبر شریف کے پاس دعا کرنا یا آپ کے حوالہ

کے لیے لفظ رحمت سے کیونکہ ابن عمرؓ کی حدیث میں اختلاف واقع ہو گیا ہے" یہ دعا اس دعا کی تشریح کرتی ہے جو روایت ابن وہبؒ میں ہے کہ مالکؒ نے کہا "جب نبی صلعم پر سلام کرے اور دعا کرے تو اس طرح کھڑا ہو کر رخ قبر کی جانب ہو، قریب ہو کر سلام کرے مگر قبر کو ہاتھ نہ لگائے۔ یہ آپ پر سلام ہے، رہی صلوۃ کے ساتھ دعا تو اس کا بیان اوپر ہو چکا۔

قبر نبویؐ کی زیارت مدنیوں اور غیر مدنیوں کے لیے

اسی طرح ہر وہ دعا ہے جسے اصحاب مالکؒ نے نقل کیا ہے، جیسا کہ ابن حبیبؒ نے واضحہ میں اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ امام مالکؒ نے مبسوط میں کہا "اہل مدینہ میں سے جو شخص مسجد میں داخل ہو یا باہر نکلے، اس کے لیے آنحضورؐ کی قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں، یہ صرف پردیسیوں کے لیے ہے" نیز مبسوط میں امام مالکؒ کا قول ہے کہ "سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والے کے لیے کوئی حرج نہیں اگر قبر اقدس پر کھڑا ہو، نبی کریمؐ پر درود بھیجے اور حضرت عمرؓ کے لیے دعا کرے" لوگوں نے عرض کی کہ مدینہ کے بعض لوگ ایسے ہیں جو سفر کے بغیر بھی اس طرح کرتے ہیں کبھی دن میں ایک دفعہ، کبھی اس سے بھی زیادہ بعض جمعہ میں ایک دفعہ، بعض اور دنوں میں ایک دو دفعہ کئی کئی مرتبہ قبر مبارک کے پاس قیام کرتے ہیں، سلام کرتے ہیں اور دیر تک دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا "اہل شہر کے فقہا سے مجھے ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی، اس کا چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ اس امت کے آخری لوگ بھی اسی چیز سے درست ہوں گے جس سے اس کے پہلے لوگ درست ہوئے یعنی قرآن و سنت، جو امت کے اولین کے لیے راہ ہدایت تھا اور آخرین کے لیے بھی وہی ہے، مجھے اس امت کے اولین کے متعلق معلوم نہیں ہوا کہ کسی نے ایسا کیا ہو، یہ صرف سفر پر جانے اور سفر سے آنے والوں کے لیے جائز ہے اور اہل مدینہ کے لیے مکروہ" ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ "میں نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ جب سفر پر جانے لگتے یا سفر سے لوٹتے تو قبر مبارک پر جا کر سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور پردیسیوں کے درمیان فرق ہے، کیونکہ پردیسی اسی غرض سے آتے ہیں اور اہل مدینہ والے تو وہیں کے باشندے ہیں، قبر کی زیارت اور سلام کے لیے باہر سے نہیں آتے۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ | اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ ۔ | کی جائے: اللہ ان لوگوں پر سخت ناراض ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد قرار دیا۔

اور فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا ۔ | میری قبر کو پرستش کی جگہ نہ بناؤ۔

احمد بن شعبہؒ کی کتاب میں ہے کہ۔

" جو کوئی قبر اقدس پر جائے تو اس سے پہلے نہیں … سے چھوٹے نذیر تک وہاں قیام کرے ۔ عتبیہ بن مالکؒ کا قول ہے" سلام سے پہلے مسجد نبوی میں تحیۃ المسجد ادا کرے ، نوافل کے لیے میں آنحضورؐ کے مصلی کو پسند کرتا ہوں ، البتہ فرائض کے لیے اگلی صفیں افضل ہیں ، پردیسیوں کے لیے میں نفل نماز گھر کی نسبت مسجد میں ادا کرنے کو ترجیح دیتا ہوں "

سلف صالح ، قبر شریف پر کیوں جاتے تھے ؟

یہ ہیں مالکؒ اور اصحاب مالکؒ کے اقوال اور صحابہؓ و تابعینؒ سے ان کی روایات جس سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے کہ سلف صالح ، قبر مبارک پر صرف رسول خدا صلعم کے سلام اور آپ کے لیے دعا کرنے کی نیت سے جاتے تھے ۔ امام مالکؒ نے وہاں طویل قیام کو بھی مکروہ اور مدنیوں کے لیے ہر دفعہ مسجد میں آنے اور جاتے وقت قبر شریف پر جانے کو مکروہ بتایا ہے یہ صرف باہر سے آنے والوں کے لیے ہے یا مدینہ کے ان باشندوں کے لیے جو سفر پر جا رہے ہوں یا واپس آئے ہوں ، کیونکہ یہ رسول کریمؐ کے لیے سلام و دعا ہے ۔ رہی کسی شخص کی خود اپنے لیے دعا تو اس کا مقام مسجد نبویؐ ہے جس میں قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنا چاہیے جیسا کہ اصحاب مالکؒ وغیرہم نے صحابہؓ سے روایت کیا ہے ۔ کسی صحابیؓ سے بھی مروی نہیں کہ اس نے اپنے لیے قبر نبویؐ کے پاس دعا کی ہو ۔ اپنے لیے دعا کیا معنی خود حضورؐ کے لیے بھی دعا قبر کے پاس دیر تک کھڑے ہو کر کی ہو۔

حضورؐ کی قبر کے پاس دعا و سلام

رہا رسول اللہ سے آپ کی قبر مبارک کے پاس یا آپ کے وصال کے بعد دعا "، مرادیں مانگنا ، سفارش و شفاعت چاہنا تو سلف میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا ۔ خود سے دعا و شفاعت تو بڑی چیز ہے ، اگر قبر شریف کے پاس دعا کرنا یا آپ کے حوالہ

سے سوال کرنا بھی مشروع ہوتا تو ظاہر ہے صحابہؓ و تابعینؒ ضرور ایسا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ منقطع روایت میں امام مالکؒ کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا کہ "رسول اللہ کی طرف منہ کرو اور آپ سے شفاعت مانگو" امام مالکؒ پر بہتان لگانا ہے۔ یہ قول خود ان کے اپنے اور تمام صحابہ رضوان و تابعینؒ کے اقوال و افعال کے برعکس ہے۔ کہ جن پر خود امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا عمل تھا اور جنہیں تمام علماء نے روایت کیا ہے۔ صحابہ رضوان کرام میں سے کسی ایک نے بھی قبر مبارک کی جانب منہ کر کے کبھی اللہ سے اپنے لیے دعا نہیں کی، کجا قبر کی طرف رخ کر کے خود نبی کریم صلعم سے عرض کرنا کہ "اے آقا! میرے حق میں شفاعت کیجئے، دعا فرمائیے" یہ بھی نہیں ہوا کہ آپ سے دینی یا دنیاوی مشکلات و مصائب کا شکوہ کیا گیا ہو، یا حضورؐ سے یا کسی اور مردہ سے عام اس سے کہ وہ انبیاءؑ میں سے ہو یا صالحین میں سے یا فرشتوں میں سے، خواہش کی ہو کہ وہ سفارش کرے، مصیبتیں دور کرے۔ یہ باتیں مسلمانوں کی نہیں، نصاریٰ وغیرہ کفّار و مشرکین اور اس امت میں سے ان کے ہم خیال لوگوں کی ہیں (یہ کام مہاجرین و انصار کے سابقین اور اوّلین نے نہیں کئے) نہ تابعین کے ہیں، نہ ائمہؒ میں سے کسی نے ان کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرمؐ پر سلام بھیجنا درست ہے اور وہ سلام کہتے تھے، قریب کا سلام آپؐ خود سنتے ہیں اور دور کا سلام آپ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

قبر مبارک کے پاس سلام کو امام احمدؒ اور دوسرے ائمہ نے حَیْوۃ ابن شریح المصریؒ کی حدیث کی بنا پر درست کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔"	جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ اسے میری روح تک پہنچا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

قبر اطہر کی زیارت کے متعلق احادیث

رہیں قبر اطہر کی زیارت کی احادیث، تو سب ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہیں، اسی لیے اصحابِ صحاح و سننؒ نے ان میں سے کوئی ایک بھی روایت نہیں کی۔ ان میں سب سے زیادہ قوی حدیث عبداللہ بن عمر العمریؓ کی ہے، اگرچہ فی نفسہٖ وہ بھی ضعیف اور جھوٹی ہے۔ وھو ہذا۔

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ فَکَاَنَّمَا	جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی

فكأنما زارني في حياتي ۵ گویا زندگی ہی میں میری زیارت سے مشرف ہوا۔

اس کا بطلان یزید بن حنیفہ کے نزدیک ہرگز واضح ہے۔ کیونکہ جس نے ایمان کی حالت آپ کی زندگی میں زیارت کی اور صحابی ہے۔ اور اگر آپ کی طرف ہجرت کی یا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا تو اور بھی بلند درجہ کا حقدار ہے۔ اور معلوم ہے کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنا ہی بڑھ جائے صحابہ رض کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صحیحین میں روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ ۵

میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرو تو بھی ان کی ایک مٹھی بھر کو نہ پہنچو گے۔

پس اگر بعد کا کوئی مسلمان فرائض و واجبات مثلاً نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کے ذریعہ بھی صحابہ رض رضوان اللہ علیہم کے برابر نہیں ہو سکتا تو ایک ایسے فعل (یعنی زیارت قبر نبوی) کے ذریعہ سے کیونکر ان کا مرتبہ یا ان جیسا ہو سکتا ہے جو بالاتفاق جملہ علما ئے اسلام فرض و واجب نہیں، بلکہ اس کے ارادہ سے سفر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا گیا، حکم کا کیا مطلب؟ اس قسم کے سفر سے روک دیا گیا ہے! ہاں مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نماز کے لیے سفر مستحب اور حج کے لیے بیت اللہ کا سفر فرض ہے، مگر اس فرض و مستحب سفر سے بھی کوئی شخص صحابہ رض کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، کجا ایسے سفر سے جس کی ممانعت ثابت ہے؟ تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر نبی کریم یا دوسرے انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے منت مانی گئی تو اسے پورا کرنا درست نہیں، اس کے برعکس مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نماز کی منت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رح سے دو قول ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس منت کا پورا کرنا واجب ہے اور امام احمد رح اور امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں اور یہ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے جن کا اصول ہی یہ ہے کہ نذر اسی فعل کی واجب ہو گی جو شرعاً خود واجب ہے اور چونکہ ان دونوں مسجدوں کا سفر شرعاً واجب نہیں اس لیے ان کے نزدیک اس سفر کی نذر بھی واجب نہیں۔ جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ عبادات و طاعات کی نذر پوری کرنی چاہیئے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهٖ ۞

جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی، اسے اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی اسے نافرمانی نہ کرنی چاہیے۔

لفظ "زیارت" اور امام مالکؒ کی رائے

رہا قبورِ انبیاءؑ و صالحین کی زیارت کے لیے سفر تو وہ نذر ماننے کی بنا پر ائمہ میں سے کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں ہوتا۔ پھر یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ جو ایسا کرے گا صحابہؓ کا ہم مرتبہ ہو جائے گا! خصوصاً جب کہ امام مالکؒ اس قول تک کو برا اور مکروہ کہتے ہیں کہ "میں نے قبرِ نبویؐ کی زیارت کی" اور یہ اس لیے کہ "لفظ "زیارت" مجمل ہے جس میں زیارتِ بدعیہ بھی داخل ہے جو شرک کی قسم سے ہے کیونکہ نبیوں اور مومنوں کی قبروں کی زیارت، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، دو قسم کی ہے": شرعی زیارت اور بدعی زیارت۔ شرعی زیارت سے مقصود نمازِ جنازہ کی طرح میت پر سلام اور اس کے لیے دعا ہوتی ہے۔ بدعی زیارت اہلِ شرک و بدعت کی زیارت ہے جو اموات سے دعائیں کرنے اور منتیں ماننے کے لیے جاتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے نزدیک دعا مانگنا مساجد اور گھروں میں دعا مانگنے سے اعلیٰ ہے یا یہ کہ اللہ کو ان کی قسم دلانا یا ان کی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا مشروع اور استجابت دعا کا ذریعہ ہے۔ یہ بدعی زیارت ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔ پس چونکہ لفظ "زیارت" مشتبہ و مجمل اور حق و باطل دونوں پر مشتمل تھا اس لیے امام مالکؒ نے اسے پسند نہیں فرمایا اور ایسے الفاظ اختیار کیے جن میں اس قسم کا اشتباہ نہیں، مثلاً نبی کریمؐ پر سلام وغیرہ۔ امام مالکؒ کی اس رائے پر قبرِ نبویؐ کی زیارت والی احادیث سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تمام ضعیف بلکہ موضوع ہیں جن پر کچھ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث "مابین قبری ومنبری" پر بحث

حضور نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ ۞

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

یہ صحیح ترین و ثابت شدہ حدیث ہے۔ لیکن بعض راویوں نے اس حدیث کو بلفظی روایت کر دیا کہ

مَا بَيْنَ قَبْرِيْ وَمِنْبَرِيْ ؎	میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ۔

حالانکہ آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ بقید حیات تھے اور قبر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسی لیے جب صحابہ کرام رضؓ میں آپ کے مدفن کے بارے میں نزاع ہوا تو کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، ورنہ اگر یہ حدیث لفظ "قبری" کے ساتھ ان کے سامنے ہوتی تو نص شرعی کا کام دیتی اور کوئی اختلاف نہ پیدا ہوتا ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں دفن کیے گئے، پھر جب ولید بن عبدالمالکؒ کی خلافت اور مدینہ پر عمر بن عبدالعزیزؒ کی امارت کے زمانہ میں مسجد نبویؐ کو وسیع کیا گیا، تو ازواج مطہرات کے حجرے جو مشرق میں قبلہ کی جانب تھے خرید کر اس میں شامل کر دیئے گئے، حضرت عائشہ رضؓ کا حجرہ بھی اسی وقت سے مسجد میں داخل ہو گیا اور بیرونی دیوار ترچھی بنادی گئی، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ۔

لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا ؎	نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو ۔

کیونکہ اس سے خود قبر کے لیے سجدہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ مصلّی اپنی نماز اللہ ہی کے لیے پڑھ رہا ہو۔ اسی طرح قبروں کو مسجد قرار دینے یعنی قصداً ان کے قریب جا کر نماز پڑھنے سے روکا ہے، اگرچہ مصلّی اللہ ہی کے لیے نماز کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ پس جو لوگ نبیوں و صلحاء کی قبروں پر نماز پڑھنے یا دعا کرنے کے لیے جاتے ہیں، تو وہ بعینہٖ اس حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جس کی راہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے بند کر دی ہیں۔ ہاں شرعی سلام اور میّت کے حق میں دعا کے لیے جانا صحیح ہے جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا ۔

درود و سلام

سفیان ثوری رضؓ کی حدیث عبداللہ بن مسعود رضؓ میں ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ۔

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ ؎	خدا کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دور کا سلام حضور کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ حدیث مشہور

؎ اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے۔

میں ہے نبی کریمؐ نے فرمایا۔

أَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَإِنَّ صَلَاةَ أُمَّتِي تُعْرَضُ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ أَكْثَرَهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً كَانَ أَقْرَبَهُمْ مِنِّي مَنْزِلَةً ۝

ہر جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن میری امت کا درود میرے روبرو پیش کیا جاتا ہے، جو مجھ پر جتنا زیادہ درود بھیجتا ہے اتنا ہی زیادہ میرے نزدیک ہوتا ہے۔

مسند احمدرح میں حضور ؐ کا ارشاد ہے۔

لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَلَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَصَلُّوا عَلَيَّ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي ۝

میری قبر کو پرستش گاہ نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ، جہاں بھی تم ہو مجھ پر درود بھیجو، بیشک تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔

قاضی عیاض رح کہتے ہیں کہ " ابوبکر ابن ابی شیبہ رح کی حدیث ابو ہریرہ رضؓ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ ۝

جو میری قبر کے پاس پڑھے گا اسے میں خود سن لوں گا اور جو کہیں دور پڑھے گا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

مسند ابی یعلیٰ رح موصلی میں حسن بن علی رضؓ سے مروی ہے کہ " نبی صلعم نے فرمایا۔

صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا وَلَا تَتَّخِذُوا بَيْتِي عِيدًا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ وَسَلَامَكُمْ يَبْلُغُنِي ۝

اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور انہیں قبرستان نہ بناؤ، میرے گھر کو عبادت گاہ نہ بناؤ بلکہ جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود و سلام مجھے پہنچ جائے گا۔

سنن سعید بن منصور رح میں ہے کہ امام حسنؓ کے پوتے عبداللہ بن الحسین نے ایک شخص کو بار بار قبر نبویؐ پر آتے جاتے دیکھا تو اس سے کہا۔

يَا هٰذَا إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَإِنَّ

اے شخص، نبی اللہ صلعم نے فرمایا ہے " میری قبر کو عبادت گاہ نہ بناؤ بلکہ جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، مجھے پہنچ جائے گا " پس اس معاملہ

فَصَلَاتُكُمْ تَبْلُغُنِيْ، فَمَا اَنْتَ وَمَا حُلْ بِالْاَنْدَلُسِ مِنْهُ اِلَّا سَوَاءٌ ؏

ہیں تو اور وہ جو اندلس میں ہے، دونوں برابر ہیں۔

بالکل یہی بات امام زین العابدین رحمۃ سے بھی مروی ہے (مختار الحافظ المقدسی) قاضی عیاض رحمۃ لکھتے ہیں کہ امام حسن رحمۃ نے فرمایا۔

اِذَا دَخَلْتَ فَسَلِّمْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا وَلَا تَتَّخِذُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُ کُنْتُمْ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ ؏

جب تو داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج، کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے "میرے گھر کو عبادت گاہ نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، جہاں کہیں ہو مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔

حکایت امام مالک پر مزید تبصرہ

امام مالک رحمۃ والی حکایت کو جو چیز اور بھی کمزور بنا دیتی ہے یہ ہے کہ انہوں نے کہا۔

وَلِمَ تَصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؏

تم رسول اللہ سے کیوں منہ پھیرو جبکہ آپ تمہارا اور تمہارے باپ آدمؑ کا قیامت کے روز وسیلہ ہیں۔

اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں لوگ آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنائیں گے اور یہ درست ہے جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ یعنی قیامت کے دن لوگ آپ کی سفارش و دعا کو اسی طرح وسیلہ بنائیں گے جس طرح حضور کی عین حیات صحابہؓ کیا کرتے تھے یعنی آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کریں گے۔ لیکن اگر اس سے کوئی یہ معنی لے کہ دنیا میں آپ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کی جائے تو ظاہر ہے اس کا آپؐ نے امت کو حکم دیا نہ کسی صحابی اور تابعی نے ایسا کیا اور نہ کسی امام نے اسے مستحسن کہا ہے۔ پھر ایسی بات امام مالک رحمۃ کی طرف منسوب کرنے کی گنجائش کہاں ہے کہ جسے کوئی ایسا ہی جاہل کہہ سکتا ہے جو دلائل شرعیہ اور احکام قطعیہ سے بالکل ناواقف ہے نہ مالک رحمۃ جیسا عظیم الشان عالم متبحر، حامیٔ سنت اور ماحیٔ بدعت امام! اس طرح کی بات کہنے والا اور اس کا حکم دینے والا بدعتی ہی ہو سکتا ہے، امام مالک رحمۃ ہرگز نہیں ہو سکتے! اگر اس حکایت کے خلاف

امام مالکؒ سے کوئی قول بھی موجود نہ ہوتا جب بھی یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ آپ نے ایسا ہرگز نہ کہا ہوگا کیونکہ یہ ان کی عظمت شان کے بالکل متضاد ہے!"

اللہ کو مخلوق کے سامنے سفارشی بنانا

پھر حکایت میں ہے کہ امام مالکؒ نے کہا۔

"اس کی یعنی قبر مقدس کی جانب رخ کرو اور انہیں اپنا شفیع بناؤ پس اللہ معنویٰ کو تمہارا شفیع بنا دے گا!"

لغت میں "استشفاع" کے معنی ہیں، شفاعت طلب کرنا، یعنی آپ سے شفاعت کی درخواست کرو جیسا کہ زندگی میں صحابہؓ کرام کرتے تھے اور قیامت کے دن مخلوق کرے گی۔ اسی طرح کی سنن میں ایک حدیث ہے کہ ایک بدّو نے آکر عرض کی "اے رسول خدا جانور ہلاک ہو گئے۔ اہل و عیال پر فاقہ ٹوٹا، مال و متاع تباہ ہو گیا" آپ اللہ سے دعا کیجئے، ہم اللہ کی سفارش آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور آپ کی سفارش اللہ کے سامنے۔ اس پر نبی کریمؐ نے "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کہنا شروع کیا، یہاں تک کہ ہیبت سے صحابہ رضؓ کے چہرے زرد ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا تَقُولُ؟ شَأْنُ اللهِ أَعْظَمُ مِنْ ذَالِكَ إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِهِ عَلَى أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهِ الخ	جو کچھ تو کہہ رہا ہے اسے سمجھتا بھی ہے!" اللہ کی شان اس سے بدرجہا بلند ہے، اس کو کسی مخلوق کے سامنے سفارشی بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

پس حدیث میں مخلوق کے روبرو خدا تعالےٰ کی سفارش لانے کے خیال کو برا قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ کے نام پر مخلوق سے سوال ہو سکتا ہے اور معاذ اللہ خدا کسی مخلوق کے سامنے شفیع نہیں بن سکتا۔ اسی لیے بدّو کی بات

نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللهِ ۞	ہم آپ کی سفارش خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ آپؐ شافع و مشفع ہیں، اور اسی لیے حکایت کے آخر میں قرآن کی آیت پیش کی۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ۔	جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر آپؐ کے

جَآءُوْكَ الخ ۝ | پاس آتے۔

پس اگر بعد وفات بھی آپ سے شفاعت واستغفار طلب کرنا جائز ہو اور آپ اسے قبول کریں تو معنی یہ ہو گا کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں، اور آپ کا استغفار، آپ کی شفاعت ہے کہ اللہ انہیں معاف فرما دے۔ پس اگر "استشفاع" کے معنی طلب شفاعت ہیں تو نقرہ یوں ہو گا "استشفع به فيشفعه الله فيك ۝" نہ یوں "فيشفعك الله" یہ بات بالکل واضح اور قواعد لغت اور نبی صلعم، صحابہ رضو اور جملہ علماء کے کلام میں معروف ہے۔

وفات کے بعد آپ سے دعا و شفاعت درست نہیں

پھر یہ کہ وفات کے بعد قبر شریف کے پاس آپ سے شفاعت و دعا و استغفار کی درخواست کسی امام کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ ائمہ اربعہؒ اور ان کے قدیم اصحاب نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا، البتہ بعض متاخرین نے اس طرح کی بات کہی ہے اور ایک حکایت بھی بیان کی ہے کہ ایک بدو حضورؐ کی قبر پر حاضر ہوا اور آیت "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ الخ" پڑھی، پھر اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے اسے بخش دیا۔ لیکن مجتہدین اصحاب مذاہب میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کی کوئی چیز روایت نہیں کی اور یہ لوگ بھی جو کچھ بیان کرتے ہیں، بلا کسی شرعی دلیل کے ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ظاہر ہے قبر کے پاس آپ سے دعا و شفاعت و استغفار کی التجا اگر جائز ہوتی تو صحابہ رضا اور تابعینؒ اسے سب سے پہلے جانتے اور اس پر سب سے پہلے عمل پیرا ہوتے، نیز ائمہ اسلام رح اسے نقل و روایت کرتے۔ امام مالکؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے "اس امت کا آخر بھی اُسی سے درست ہو گا جس سے اس کا اول درست ہوا ہے" اور کہا "اس امت کے اوّلین سے مجھے یہ بات نہیں پہنچی" پس ایسا امام جس کا یہ قول ہے کیا ایسا دین اختراع کرے گا جو سلف میں سے کسی سے بھی مروی نہیں اور امت کو حکم دے گا کہ انبیاءؑ و صالحین سے ان کی قبروں کے پاس دعا و شفاعت و استغفار طلب کریں، ایک ایسی بات جو سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کہی! اور نہ اس پر عمل کیا!

لفظ "شفاعت" کی تحقیق

حکایت میں لفظ "شفاعت" اس طرح آیا ہے جس طرح بہت سے عوام بولتے اور اس سے "وسیلہ"

معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں "ہم آپ کے سامنے فلاں فلاں شخص کی سفارش
کرتے ہیں" اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وسیلہ لاتے ہیں۔ اسی طرح جب دعا میں کسی نبیؐ
یا ولی کا وسیلہ چاہتے ہیں تو کہتے ہیں "فلاں کی شفاعت حاصل ہوئی" عام اس سے کہ اس
نے ان کے حق میں دعا و شفاعت کی ہو یا نہ کی ہو، بلکہ کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ جس سے
سفارش چاہتے ہیں وہ موجود نہیں ہوتا، نہ ان کی بات سنتا ہے نہ ان کے لیے شفاعت کرتا
ہے۔ "استشفاع" (طلب شفاعت) کا اس معنی میں عام استعمال رسول خدا، صحابہ کرامؓ اور علماء
کرام کی زبان بلکہ لغت عرب کے بھی بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ استشفاع کے معنی ہیں شفاعت
طلب کرنا۔ شافع، سائل کی سفارش کرتا اور اس کے حق میں مسئول سے دعا کرتا ہے۔ لیکن
جس نے نہ شفاعت کی نہ سائل کی مراد مانگی بلکہ شاید اس کے سوال سے بے خبر ہے، تو اس
سے شفاعت چاہنا اور استشفاع کا لفظ اس موقع پر استعمال کرنا نہ باعتبار لغت درست ہے
اور نہ کسی ایسے شخص کے کلام میں آسکتا ہے جو عقل کی بات کرتا ہے۔ یہ استشفاع نہیں
نہیں بلکہ اس بزرگ کے وسیلہ سے سوال ہے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں نے شریعت کی طرح
لغت میں بھی تحریف کرنے سے گریز نہیں کیا اس لیے اس طرح کے سوال و دعا کو استشفاع
کا نام دے دیا اور کہنا شروع کر دیا۔

استشفع به فیشفعك الله | یعنی تیری دعا پوری کرے گا۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکایت کسی ایسے ناداں نے اختراع کی ہے جو شریعت و
لغت دونوں سے سراسر ناواقف ہے، ورنہ کہاں امام مالکؒ اور ان کی فصاحت، اور کہاں یہ
اور اس کے غلط الفاظ؟!"

ممکن ہے اس حکایت کی بنیاد صحیح ہو، امام مالکؒ نے خلیفہ کو مسجد نبویؐ میں چلانے سے
روکا ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے اور حکم الٰہی کے مطابق رسول خدا کی عزت و حرمت
کی پاسداری کی نصیحت کی ہو، وغیرہ باتیں جو امام مالکؒ کے شایانِ شان ہیں۔ لیکن اس سے
ان کا وہ مقصود ہرگز نہیں ہو سکتا جو اس حکایت سے سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح کی غلطی ہر اس شخص سے سرزد ہو سکتی ہے، جو نبی کریمؐ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم
کی زبان اور انداز تخاطب سے بے خبر ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی خاص گروہ کی
اصطلاح اور طرز گفتگو کے عادی ہو جاتے ہیں، پھر وہی الفاظ، خدا، رسولؐ، صحابہؓ کے کلام

میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ خدا، رسول اور صحابہ رض کی بھی مراد اُن سے وہی ہے جو اصطلاح والوں کی ہے، حالانکہ کبھی ایسا نہیں ہوتا اور خدا، رسول اور صحابہ رض کی مراد بالکل الگ ہوتی ہے۔

ملاحدہ کی لغت میں تحریف

چنانچہ یہ صورتِ حال بھی موجود ہے اور اہلِ کلام، فقہ، نحو اور علم کی بڑی بڑی جماعتیں اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو انبیاء اور ان کے متبعین کے الفاظ کو جان بوجھ کر ایسے معانی پہنا دیتے ہیں جو ان کے اصلی معنی کے خلاف ہوتے ہیں۔ پھر وہ لوگ یہ الفاظ بولتے ہیں اور اپنے خود ساختہ معانی مراد لیتے اور بڑے شدومد سے کہتے ہیں کہ ہم نبیوں کے مخالف نہیں بلکہ ان کے مطیع اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کے قائل ہیں۔ یہ چیز بہت سے ملحد متفلسفہ، اسماعیلیہ اور ان جیسے دیگر ملحد متکلمین اور متصوفین کے کلام میں کثرت سے موجود ہے۔ بعض لوگ "محدث و مخلوق و مصنوع" کا اطلاق اس شئے پر کرنے لگے جو معلول ہو اگرچہ یہ معلول قدیم و ازلی ہی کیوں نہ ہو اور اسے "حدوثِ ذاتی" کا نام دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم بھی قائل ہیں کہ عالم محدث ہے، حالانکہ اس سے مراد، اپنے خود ساختہ معانی ہوتے ہیں جو تمام اقوام کی بول چال کے سراسر خلاف ہیں، کیونکہ محدث سے سب یہی سمجھتے ہیں کہ ایسی چیز جو معدوم تھی اور وجود میں آئی۔

اسی طرح وہ "ملائکہ، جن، شیاطین" کا اطلاق عقول و قوی نفسیہ پر کرتے اور کہتے ہیں کہ انبیاء کی وحی پر جس طرح تمام اُمت ایمان رکھتی ہے ویسے ہی ہم بھی رکھتے ہیں اور ملائکہ و جن و شیاطین کے وجود کے قائل ہیں۔ حالانکہ جو شخص انبیاء کی مراد اور ان کی اصطلاحات سے واقف ہے خوب جانتا ہے کہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

اسی طرح "عقلِ اوّل" سے وہ خاص معنی مراد لیتے ہیں۔ ان کے خیال میں عقلِ اوّل، ازل تا ابد رب العالمین کے ساتھ ہے اور رب العالمین کے سوا تمام کائنات کی موجد یا کم از کم اُس کے وجود کا ذریعہ ہے۔ "عقلِ فعال" ان کے ہاں وہ ہے جس سے فلکِ قمر کے نیچے جواہر و اشیاء صادر ہوتی ہیں۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم کو سمجھنے والا جانتا ہے کہ ان کے ہاں ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں مانی جاتی جو تمام کائنات کی یا فلکِ قمر کے نیچے جملہ موجودات کی پروردہ، یا قدیم، ازلی، ابدی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ نیز جانتا ہے کہ رسول اللہ کی طرف سے جو یہ حدیث منسوب کی جاتی کہ "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ"

باطل ہے، اور اگر بالفرض صحیح ہوتی تو خود ان ملحدوں ہی پر حجت ہوتی، کیونکہ پوری حدیث یوں ہے۔

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ، فَقَالَ لَهٗ أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ فَقَالَ وَعِزَّتِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَیَّ مِنْكَ فَبِكَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِیْ وَلَكَ الثَّوَابُ وَعَلَيْكَ الْعِقَابُ

جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا، تو اس سے کہا آگے آ، وہ آگئی، پھر کہا لوٹ جا وہ لوٹ گئی، تب فرمایا قسم اپنے جلال کی، میں نے تجھ سے زیادہ عزیز کوئی چیز پیدا نہیں کی، میں تیرے ذریعہ سے لوں گا اور تیرے ہی ذریعہ سے دوں گا، تجھی سے ثواب ہے اور تجھی سے عذاب۔

دوسری روایت میں یوں ہے " لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ " پس اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو مطلب یہ ہوتا کہ اللہ نے جب عقل کو پیدا کیا تو سب سے پہلے اس سے یہ فرمایا، اور یہ کہ اس سے پہلے اور کچھ بھی پیدا کر چکا تھا؛ اور یہ کہ اس کے ذریعہ یہ چار باتیں واقع ہوتی ہیں نہ جملہ مصنوعات "عقل"، مسلمانوں کی زبان میں ایک مصدر ہے۔ " عَقَلَ يَعْقِلُ عَقْلًا " اور اس سے مراد وہ استعداد ہے جس کے ذریعہ سے تمیز اور علوم و اعمال حاصل ہوتے ہیں۔ لغت میں کبھی بھی اس سے ایسا جوہر مراد نہیں لیا گیا جو "قائم بنفسہٖ" ہو۔ ہم دوسرے مقامات میں عقل صریح سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، غلط ہے اور یہ کہ مجردات و مفارقات کی جنس سے جو کچھ ان کی ہرزہ سرائی ہے، اس سے ان کا مقصود اثباتِ نفس ہے جسے موت جسم سے جدا کر دیتی ہے، نیز ان علوم و معقولات کا اثبات ہے جو نفس سے قائم ہیں یہ ہے وہ زیادہ سے زیادہ حق جسے وہ اس بارے میں ثابت کرتے ہیں۔

یہاں مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کو یہ لوگ اور ان کے ہم مشرب بولتے تو ہیں مگر مراد وہ نہیں لیتے جو خدا اور رسولؐ کی ہے بلکہ اپنے خود ساختہ معنی مراد لیتے ہیں۔ مثلاً مولف "الکتب المضنون بہا" اور اس کے ہم مشربوں نے "لوح محفوظ" کو نفس فلکیہ قرار دیا ہے، "قلم" کو عقلِ اول، "ملکوت و جبروت و ملک" کو نفس و عقل کہا ہے، "شفاعت" کو ایک فیض کہا ہے جو طالبِ شفاعت پر شفیع کی طرف سے جاری ہوتا ہے اگرچہ خود شفیع کو اکثر اوقات اس کا پتہ نہیں چلتا وغیرہ خرافات جن میں ابن سینا کی تقلید ہے جیسا کہ کسی اور جگہ تفصیلاً بیان ہو چکا۔

مقصود یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے کیسی کیسی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "قدیم" ہی کو دیکھو جس کے معنی نبیؐ کی زبان میں جس میں قرآن نازل ہوا، خلافِ "حدیث" (یعنی جدید) ہیں اگرچہ اس سے پہلے کسی اور کا بھی وجود ہو چکا جیسا کہ قرآن میں ہے۔

حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (یٰسٓ: ۳۹)	یہاں تک کہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو گیا۔

اور برادرانِ یوسفؑ کی زبانی کہا۔

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (یوسف: ۹۵)	تم اپنی پرانی گمراہی میں پڑے ہو۔

اور

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ (الشعراء: ۷۵، ۷۶)	کیا تم نے دیکھا کہ تم اور تمہارے پرانے باپ دادا کس چیز کی پرستش کرتے تھے؟

حالانکہ متکلمین کی اصطلاح میں لفظ قدیم اس چیز سے عبارت ہے یا جس سے پہلے اور کوئی وجود نہ تھا۔ اسی طرح لفظ "کلمہ" قرآن و سنت اور تمام عربی زبان میں جملۂ تامہ کو کہتے ہیں جیسا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔

كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ	دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو پسند ہیں، زبان پہ ہلکے ہیں، ترازو میں وزنی ہیں: "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم"۔

اور فرمایا۔

اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا شَاعِرٌ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ	سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، لبید کی بات ہے کہ خدا کے سوا سب کچھ بے اصل ہے۔

اسی طرح قرآن میں ہے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ	بہت ہی بڑا بول ان کے منہ سے نکلتا ہے

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝	یہ نرا جھوٹ کہتے ہیں۔

(کہف: ۵)

اور فرمایا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۝	ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے بیچ مساوی ہے۔

(آل عمران: ۶۴)

اور فرمایا۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۝	اور کافروں کا بول پست کر دیا اور اللہ کا بول تو ہمیشہ بالا ہے۔

(التوبہ: ۴۰)

لغتِ عرب میں "کلمہ" و "کلام" صرف اسی معنی میں بولا جاتا ہے لیکن نحویوں کی اصطلاح میں صرف اسم و فعل و حرف کو کلمہ کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح کا عادی اس وہم میں پڑ جاتا ہے کہ لغتِ عرب بھی یہی ہے۔ اسی طرح "ذوی الارحام" قرآن و سنت میں ماں اور باپ دونوں کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ اس میں عصبہ و ذوی الفروض بھی داخل ہیں اور وہ بھی جو محجوب الارث ہیں۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں یہ لفظ محض ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جس سے ناواقف غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ و رسول ؐ اور صحابہ رضؓ کے کلام میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ اس قسم کی مثالیں بہت موجود ہیں۔

لفظ "شفاعت" اور "وسیلہ" کی تحقیق

لفظ "توسل" (وسیلہ چاہنا) اور "استشفاع" (شفاعت طلب کرنا) میں بھی یہی صورت ہوئی ہے کہ نبی اکرم ؐ اور صحابہ رضؓ کی زبان میں تحریف ہو گئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو شریعت و لغت کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر لگی ہے۔ علم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نقل و روایت صحت کے ساتھ ہو اور تحقیق سے اس میں کام لیا جائے۔ خدا، نبی ؐ، سلف اور اہلِ علم سے جو کچھ روایت کیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ کی صحت کو پرکھا جائے اور ان کی دلالت و مفہوم کی تحقیق میں پوری کوشش کی جائے۔ قرآن و حدیث

متفق ہیں۔ کہ اللہ نے ہمیں رسول کریم پر ہر جگہ درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث صحیح میں ہمیں رغبت دلائی گئی ہے کہ آپ کے لیے وسیلہ و فضیلہ مانگیں اور دعا کریں کہ حسب وعدہ اللہ تعالے آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔ پس یہ وہ وسیلہ ہے جس کا اللہ سے مانگنا مشروع ہے جیسا کہ آپ پر درود و سلام مشروع ہے۔ آپ کے لیے وسیلہ کی دعا امت پر آپ کا ویسا ہی حق ہے جیسا درود و سلام مشروع ہے۔ لیکن وہ وسیلہ جس کی تلاش کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے وہ اتباع کے ذریعہ سے بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل کرنا ہے اس وسیلہ کے ضمن میں وہ تمام حکم داخل ہو جاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے اس کے رسول کی طرف سے ہمیں پہنچے ہیں۔ نیز اس کے حصول کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ایمان و اتباع کے ساتھ رسول مقبول کی پیروی کی جائے۔ اس وسیلہ کی جستجو ہر انسان پر فرض ہے باقی آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ جیسا کہ لوگ قیامت کے روز شفاعت کی التجا کریں گے اور جیسا کہ صحابہ رض استسقاء وغیرہ مواقع پر آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور جیسا کہ نابینا شخص نے آپ کی دعا کو وسیلہ بنایا اور خدا نے آپ کی دعا و شفاعت کی برکت سے اس کو بینا کر دیا۔ تو یہ وسیلہ کی تیسری صورت ہے۔ اور ان امتیازات میں سے ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کیے ہیں کہ آپ کی بزرگی کی بنا پر آپ کی دعا و سفارش قبول کر لیتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس وسیلہ میں آپ کا دعا و شفاعت کرنا شرط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ جن کے لیے آپ کی دعا و شفاعت ہے اور جن کے حق میں نہیں، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے یہاں پر سخت ٹھوکر کھائی ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ صحابہ کرام رض کا آپ کو وسیلہ بنانا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو آپ کی قسم دلاتے اور آپ کی ذات کے حوالہ سے سوال کرتے تھے۔ اس غلطی میں پھنس کر دوسری غلطی انہوں نے یہ کی کہ اس طرح کے غلط سمجھے ہوئے وسیلہ کو علی الاطلاق مشروع سمجھ لیا کہ فرشتوں اور نبیوں بلکہ صحیح اور جعلی اولیاء و صالحین میں سے جسے چاہو اس کی زندگی میں یا بعد وفات وسیلہ بنالو۔ اس قسم کے وسیلہ کے متعلق جتنی مرفوع حدیثیں بیان کی جاتی ہیں ان میں کوئی ایک بھی حدیث کی کسی معتمد کتاب میں موجود نہیں، نہ صحیحین میں نہ کتب سنن میں نہ معتبر مسانید مثل مسند امام احمد بن حنبل رح وغیرہ کسی میں بھی نہیں، ہاں وہ ایسی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ جن کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جو سراسر موضوع اور کذابوں

کی خود ساختہ ہیں۔ حدیث کے راویوں کی بھی کئی قسمیں ہیں، ایک تو وہ ہیں جو قصداً جھوٹ بولتے ہیں، ایسے لوگوں کی روایت کسی معتبر محدث نے قبول نہیں کی۔ اور ایک وہ ہیں جو کبھی غلطی کر جاتے ہیں، مگر عمداً جھوٹ نہیں بولتے، سو ان کی روایات سنن اور مسند امام احمدؒ وغیرہ میں موجود ہیں۔ امام احمدرح نے اپنی مسند میں کسی ایک جھوٹے شخص سے بھی روایت نہیں لی، اسی لیے حافظ ابوالعلاء ہمدانی اور شیخ ابوالفرج ابن جوزیؒ میں بحث ہو گئی۔

مسند احمدؒ کی احادیث پر تبصرہ

مسند میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں؟ حافظ ابوالعلاءؒ کہتے تھے کہ مسند میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں اور ابن جوزیؒ کہتے تھے کہ اس میں بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کے متعلق حتمی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ جھوٹی ہیں۔ لیکن دونوں اقوال میں کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ ابن جوزیؒ کی اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جس کے بطلان پر دلیل قائم ہو جائے اگرچہ اس کے راوی نے عمداً غلط بیانی نہ بھی کی ہو بلکہ سہو کا شکار ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "موضوعات" میں اس قسم کی بہت سی حدیثیں لکھ دی ہیں اور اہل علم کی ایک جماعت نے ان کی موضوع ٹھہرائی ہوئی اکثر احادیث سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ موضوعات کے باب میں ابن جوزیؒ کی رائے باتفاق علماء و بیشتر صحیح ہے۔ رہے حافظ ابوالعلاءؒ اور ان کے ہم مشرب تو ان کی اصطلاح میں موضوع وہی حدیث ہے جسے راوی نے قصداً گھڑا ہو، اور مخفی نہیں سلف میں جھوٹ کم تھا۔

چنانچہ بفضلِ الٰہی صحابہ کرام رض میں سے کسی ایک کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ رسول خدا پر جھوٹ بولا ہو۔ اسی طرح ان میں کوئی بھی خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ وغیرہ اہل بدعت کا ہمنوا نہ تھا۔

حضرت خضر مر چکے

نیز ان میں سے کسی سے یہ دعوے نہیں کیا کہ وہ خضر سے راہ رسم رکھتا ہے، کیونکہ حضرت موسیٰؑ والے خضر تو مر چکے ہیں جیسا کہ ہم کسی اور جگہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ "خضر" جو عام لوگوں کے پاس پوشیدہ طور پر تشریف لایا کرتے ہیں، دراصل شریر جن ہے جو آدمی کا روپ بھر لیتا ہے یا وہ خود دھوکہ باز انسان ہی ہوتا ہے، جو جاہلوں کو بیوقوف بناتا ہے۔ ظاہر ہے وہ فرشتہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ فرشتے کذب بیانی نہیں کرتے۔ دروغ گوئی تو صرف جن وانس ہی میں ہے۔ مجھے خود ایسے

لوگوں کا علم ہے جن کے پاس خضر آیا، جیسا کہ انہیں یقین تھا، لیکن وہ جن تھا۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ضعیف العقیدہ نہ تھے کہ اس طرح کی جعل سازیوں میں آجاتے۔ اسی طرح ان میں کوئی ایسا نہ تھا جسے جن مکہ اور عرفات تک اڑا لے گئے ہوں کہ بغیر تھکاوٹ حج ہو جائے جیسا کہ بہت سے جاہل عابدوں پر ان کی یہ کرم نوازی ہوتی ہے! اور نہ ہی ان میں ایسے حضرات موجود تھے جن کے پاس دوسرے لوگوں کا مال اور خوراک چرا لاتے ہوں اور اسے کرامت سمجھا جاتا ہو۔

یہی حال تابعین کا تھا، مکہ، مدینہ، شام اور بصرہ کے تابعین کے متعلق معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے عمداً جھوٹ بولے ہوں۔ برخلاف شیعہ کے جن میں جھوٹ عام ہے۔ اتباع تابعین میں سے بعض جماعتوں میں جھوٹ پایا جاتا ہے۔ رہی بھول چوک اور سہو تو کم لوگ اس سے محفوظ ہیں۔ بلکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایسے لوگ موجود تھے جن سے کبھی سہو ہو جاتا تھا۔ اسی لیے ان کتب حدیث میں، جن میں صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے ایسی احادیث موجود ہیں جن کا غلط ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ اگرچہ بخاری و مسلم کے متن عام طور حق اور مسلم ہیں۔ یہ بات نہیں کہ حافظ ابو العلاء غلط حدیثوں سے بے خبر ہوں، بلکہ خود امام احمدؒ نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ مسند میں چند ایسی احادیث صرف اس لیے روایت کر دی ہیں کہ لوگ ان سے واقف ہو جائیں۔ لیکن وہ لوگ جو جان بوجھ کر وضع بافی کرتے تھے؛ سو امام احمدؒ نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک ایسے گروہ کی حدیثوں سے بھی اپنی مسند کو پاک رکھا ہے جن سے ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ اصحاب سنن روایت کرتے ہیں۔ مثلاً مشیخہ بن کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہ کہ جس سے ابو داؤد نے روایت کی ہے مگر امام احمدؒ نے نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسند احمدؒ کی شروط روایت سنن ابو داؤد کی شروط سے بہتر ہیں۔

احادیث دربارہ ترغیب و ترہیب

مقصود یہ بتانا ہے کہ جو حدیثیں اس باب میں روایت کی جاتی ہیں وہ ان غریب، منکر بلکہ موضوع احادیث میں سے ہیں جنہیں فضائل و مناقب کے سلسلہ میں گھڑی گھڑائی ہر طرح کی روایتیں جمع کرنے والوں نے نقل کیا ہے۔ اوقات و مقامات، عبادات و اخلاق، انبیاء و اصحاب کے فضائل میں لوگوں نے ہر طرح کی احادیث روایت کر دی ہیں،

جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی، ضعیف بھی اور سراسر موضوع و جھوٹی بھی۔ لیکن شریعت میں محض صحیح و حسن حدیثوں ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے، ضعیف احادیث لینا درست نہیں۔ البتہ امام احمدؒ وغیرہ بعض علماء نے فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کی روایت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ ان کا کذب پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا ہو۔ اور یہ اس وجہ سے کہ جب کوئی عمل، شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ مشروع ہے اور اس کی فضیلت میں ضعیف حدیث روایت کی گئی، تو سمجھا جاتا ہے کہ ثواب درست ہو گا۔ لیکن کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل بھی واجب یا مستحب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے اجماع کا مخالف ہے۔

اسی طرح کوئی چیز بغیر شرعی دلیل کے حرام نہیں قرار دی جاسکتی۔ لیکن اگر حرمت ثابت ہو گئی پھر اس کی وعید میں کوئی حدیث روایت کی گئی تو اس کی روایت روا ہے، بشرطیکہ اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو چکا ہو۔ اس بنا پر ترغیب و ترہیب میں غیر موضوع احادیث کی روایت جائز ہے مگر شرط یہی ہے کہ دوسرے قوی دلائل سے معلوم ہو گیا ہو کہ خدا کی طرف سے اس فعل کی ترغیب یا ترہیب ہوئی ہے، ورنہ نہیں۔

اسرائیلی روایات کی حقیقت

اسی طرح ان اسرائیلیات کی روایت بھی درست ہے جن کا غلط ہونا ثابت نہ ہو چکا ہو، مگر صرف انہیں اعمال کی ترغیب یا ترہیب میں جن کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ خدا نے ہمارے دین میں ان کا حکم دیا یا ان سے روکا ہے۔ لیکن محض اسرائیلیات کو دلیل شرعی قرار دینا اور ان سے کسی فعل کی حلت یا حرمت ثابت کرنا روا نہیں۔ ایسی کوئی بات صاحبِ علم بھی نہ کہے گا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور کسی امام نے بھی اس قسم کی احادیث کو شریعت میں معتبر قرار نہیں دیا ہے۔ اس بنا پر جو کوئی کہتا ہے کہ احمدؒ ایسی ضعیف حدیث سے، جو نہ صحیح ہے نہ حسن، حجت لاتے ہیں، تو وہ سخت غلطی کا شکار ہے، اور امام احمدؒ کے مسلک سے سراسر بے خبر ہے۔ امام احمدؒ اور ان کے پیشرو علماء کی اصطلاح میں حدیث کی یہ تقسیم ہی نہ تھی کہ ایک صحیح ہے اور ایک ضعیف، پھر ضعیف کی دو قسمیں ہیں۔ متروک اور ضعیف حسن۔

سب سے پہلے ابو عیسےٰ ترمذی نے اپنی کتاب میں احادیث کو صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی اصطلاح میں حسن وہ حدیث ہے جس کے طرقِ روایت متعدد

ہوں، اس کے رواۃ میں کوئی متہم نہ ہو، اور حدیث شاذ نہ ہو۔ لیکن امام احمدؒ کے نزدیک ایسی حدیث کا نام ضعیف ہے اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ خود انہوں نے ایسی ضعیف حدیث کی مثال بھی دے دی ہے جس سے وہ حجت لاتے ہیں اور وہ عمرو بن شعیبؒ ابراہیم الہجری وغیرہ کی حدیثیں ہیں۔ یہ بحث اپنی جگہ پر مفصل موجود ہے۔

وسیلہ کے متعلق موضوع احادیث

غرضکہ اس بابؑ میں جتنی حدیثیں بھی روایت کی گئی ہیں، سب کی سب ضعیف، بالکل بے بنیاد بلکہ موضوع ہیں۔ ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے اُن سے حجت نہیں پکڑی اور نہ انہیں قابلِ اعتماد کہا ہے۔ مثلاً وہ حدیث جو عبدالملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں قرآن سیکھتا ہوں مگر یاد نہیں رہتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس طرح دعا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّكَ وَبِاِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِكَ وَبِمُوْسٰی نَجِیِّكَ وَعِیْسٰی رُوْحِكَ وَكَلِمَتِكَ وَبِتَوْرَاةِ مُوْسٰی وَاِنْجِیْلِ عِیْسٰی وَزَبُوْرِ دَاؤُدَ وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ وَبِكُلِّ وَحْیٍ اَوْحَیْتَهٗ وَقَضَاءٍ قَضَیْتَهٗ ۔۔۔

یہ حدیث رزین بن معاویہ رضؓ العبدری نے اپنی کتاب میں درج کی ہے اور ابن اثیر نے اپنی "جامع الاصول" میں نقل کی ہے۔ مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اس کی بنیاد نہیں بتائی، اور نہ اہلِ اسلام کی کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ لیکن اسے ابن السنی و ابونعیم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں موضوع ہیں اور شریعت میں ان پر اعتماد باتفاق علماء اسلام درست نہیں۔ نیز ابوالشیخ الاصفہانی نے اسے کتاب "فضائل الاعمال" میں روایت کیا ہے مگر اس کتاب میں بھی بہت سی جھوٹی اور موضوع احادیث ہیں۔ نیز اسے ابوموسیٰ مدنی نے زید بن الحباب عن عبدالملک بن ہارون بن عنترہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ حالانکہ وہ متصل بھی نہیں! ابوموسیٰ کہتے ہیں اسے محرز بن ہشام رضؓ نے عبدالملک عن ابیہ عن جدہ عن ابی بکر الصدیق رضؓ روایت کیا ہے۔ حالانکہ یہ عبدالملک وہ عبدالملک القری نہیں ہیں، جو محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، وہ "ری" میں تھے، اور ان کے باپ اور دادا ثقہ ہیں۔

لہ نوٹ (یعنی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کرنا)

ان کے برعکس یہ عبدالملک بن ہارون بن عنترہ ایک مشہور کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین اور سعدیؒ کہتے ہیں "وہ دجّال وکذاب ہے!" ابوحاتم بن حیان کہتے ہیں "اس کی حدیث نہ لی جائے" نسائی کا قول ہے "متروک ہے" بخاری کی رائے ہے "منکر الحدیث ہے" احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں "ضعیف ہے" ابن عدی کہتے ہیں "وہ ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن میں کوئی اس کا ہمنوا نہیں" دار قطنی کی رائے ہے وہ اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں" حاکم کتاب "المدخل" میں کہتے ہیں "عبدالملک بن ہارون بن عنترہ الشیبانی نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں نقل کی ہیں" ابن جوزیؒ نے اسے کتاب "الموضوعات" میں درج کیا ہے حافظ ابوموسےٰ کا قول ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اگر اس کے رواۃ ثقہ ہوں تو بھی چونکہ اس کی اسناد منقطع ہے لہٰذا قابلِ التفات نہیں۔

عبدالملک نے اسی کے ہم معنی استفتاحِ اہلِ کتاب کے متعلق اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ اور اس طرح عام طور پر مفسرین واہلِ سیر کی نقل اور قرآن کی دلالت کے صریح خلاف کیا ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء نے اس کے بارے میں کیوں جرح کی ہے اور اس کے عمداً جھوٹ یا سوءِ حفظ کی بنا پر اسے متروک کہا ہے۔ لہٰذا وہ نہ اس حدیث میں حجت ہے اور نہ ان احادیث میں قابلِ اعتماد ہے۔

اسی طرح وہ حدیث بھی ہے جو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً وموقوفاً روایت کی ہے کہ۔

إِنَّهُ لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِي قَالَ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا؟ قَالَ لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ قَالَ صَدَقْتَ يَا آدَمُ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ ط

جب آدمؑ نے گناہ کیا تو عرض کی "اے اللہ میں تجھے محمدؐ کے حق کا حوالہ دیتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ اس پر اللہ نے کہا تو نے محمدؐ کو کیسے پہچانا؟ کہا اس طرح کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح ڈالی، تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس سے میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی نام کو ترجیح دی ہے جو تمام مخلوقات سے

تجھے زیادہ محبوب ہے، اللہ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا! اور اگر محمدؐ نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

یہی حدیث حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں عبداللہ بن مسلم الفہری عن اسمٰعیل بن سلمہ سے روایت کی ہے اور اس کے بعد کہا ہے "یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اس کتاب میں عبدالرحمٰن سے روایت کی اور صحیح قرار دی ہے" ابوبکر الاجری نے بھی اسے کتاب "الشریعۃ" میں عبداللہ بن اسمٰعیل بن ابی مریم عن عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے، نیز ایک دوسرے طریق سے موقوفاً اس طرح روایت کیا ہے کہ۔

مِنَ الْكَلِمَاتِ الَّتِي تَابَ اللهُ بِهَا عَلَى آدَمَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْكَ، قَالَ اللهُ تَعَالَى وَمَا يُدْرِيكَ مَا مُحَمَّدٌ؟ قَالَ يَا رَبِّ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ مَكْتُوبًا عَلَى عَرْشِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِكَ ط

جن کلمات کی وجہ سے اللہ نے آدمؑ کی توبہ قبول کی ان میں یہ بھی ہے کہ "اے اللہ میں محمدؐ کے اس حق کے واسطہ سے التجا کرتا ہوں جو تجھ پر ہے اللہ نے فرمایا تو نے محمدؐ کو کیونکر جانا؟ کہا اے رب میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ تیرے عرش پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ لکھا ہے اس سے میں جان گیا کہ وہ تیری مخلوق میں سب سے زیادہ باعزت ہے۔

حالانکہ حاکم کا اس روایت کو بیان کرنا سخت قابلِ مواخذہ ہے۔ کیونکہ خود اس نے کتاب "المدخل" میں صراحت کر دی ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن بن زید باتفاق محدثین ضعیف ہے، بہت غلطیاں کرتا ہے۔ احمد بن حنبلؒ، ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ، نسائی، دارقطنی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے ابوحاتمؒ بن حبان کا قول ہے کہ حدیث کو نادانستہ مقلوب کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ بکثرت مرسل حدیثیں مرفوع بنا دی ہیں اور موقوف، متصل، اسی وجہ سے اس کا مقام گر گیا۔

محدثین کے مراتب

حاکم پر اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث کی تصحیح کی بناء پر ائمہ حدیث نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے وہ ایسی حدیثوں کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں جو محدثین کے ہاں بالکل جھوٹی اور موضوع ہوتی ہیں۔

اسی لیے علماءِ حدیث تنہا حاکم کی تصحیح پر کبھی اعتماد نہیں کرتے۔ یہ بجا ہے کہ حاکم کی تصحیح کردہ بہت سی حدیثیں صحیح ہیں، لیکن تصحیح کرنے والوں میں ان کا مرتبہ وہی ہے جو کسی ایسے ثقہ راوی کا ہو سکتا ہے جو روایت میں بہت غلطی کرتا ہے اگرچہ محفوظ روایات بھی اس کے پاس بہت ہیں۔ اس فن میں حاکم کی تصحیح سے کمزور کسی کی تصحیح نہیں، برخلاف حاتم ابن حبان البستی کے کہ جن کی تصحیح حاکم سے کہیں بلند ہے۔ اسی طرح ترمذی، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن مندہ وغیرہ مصححین حدیث ہیں کہ گو ان کی کسی کسی رائے میں اختلاف ہے مگر وہ حاکم سے بہت زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔

بخاری اور مسلم

پھر ان میں سے کسی کی بھی تصحیح مسلم کے ہم پایہ نہیں، اور مسلم کی تصحیح بخاری کے برابر نہیں، بلکہ صحیح بخاری اس فن میں سب سے اعلیٰ تصنیف ہے اور خود امام بخاری "تفاہت کے ساتھ" "پوری مخلوق میں حدیث کے سب سے بڑے ماہر اور نقاد ہیں۔ ترمذی نے کہا کہ میں نے بخاری سے زیادہ حدیث کے کھرے اور کھوٹے کو جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔" یہی وجہ ہے کہ بخاری کی تصحیح میں اگر کسی نے اختلاف کیا تو عموماً ترجیح بخاری ہی کی رائے کو دی گئی۔ بخلاف امام مسلم کے کہ جن کی بعض حدیثوں سے علماء نے اختلاف کیا ہے اور پرکھنے سے ثابت ہو گیا کہ اختلاف صحیح تھا۔ مثلاً مسلم، حدیث کسوف میں روایت کرگئے ہیں کہ نبی کریمؐ نے تین، چار اور دو دو رکوع سے نماز پڑھی۔ حالانکہ حقیقت ہے کہ آپ نے صرف دو ہی رکوع سے نماز پڑھی تھی اور یہ کہ صلوٰۃِ کسوف صرف ایک دفعہ اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کے دن پڑھی تھی۔ امام شافعیؒ نے اسے بیان کیا ہے۔ اور یہی امام بخاری اور احمد بن حنبلؒ کا ایک قول ہے۔ جن حدیثوں میں تین اور چار رکوع کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ نماز ابراہیم کی وفات کے دن ادا کی تھی۔ حالانکہ ظاہر ہے اس دن دو دفعہ کسوف نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے ابراہیم نام کے دو بیٹے تھے! اسی طرح مسلم نے روایت کیا ہے کہ خداوند قدوس نے زمین شنبہ کے دن پیدا کی۔ اس حدیث میں ایسے لوگوں نے نزاع کی ہے جو فن حدیث میں ان سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں مثلاً یحییٰ بن معین اور امام بخاریؒ اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ حضورؐ کا کلام نہیں۔ اس اختلاف میں یہی حق پر یہی لوگ ہیں کیونکہ قرآن و سنت، و اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور سب سے آخر جمعہ کے روز

حضرت آدم ع کو پیدا کیا۔ ورنہ اگر یہ مختلف فیہ حدیث درست تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ دنیا کی پیدائش سات دن میں ہوئی ہے۔ حالانکہ نہایت صحیح سند سے روایت ہے کہ پیدائش کا آغاز شنبہ کو ہوا تھا۔ اسی طرح انہوں نے (مسلم) روایت کیا ہے کہ ابو سفیان رض جب اسلام لائے تو نبی اکرم ص سے خواہش کی کہ ان کی دختر ام حبیبہ رض سے شادی کریں اور ان کے فرزند معاویہ رض کو کاتب مقرر فرمائیں۔ حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اس میں بھی ان کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔

لیکن صحیحین کا متن عموماً صحیح ہے، ائمہ حدیث نے اسے قبول کیا اور اس کی صحت پر اجماع کر لیا ہے۔ اس بحث کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

حضرت آدم ع کے بارہ میں مذکورہ بالا حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثوں کو بعض اضافوں کے ساتھ بغیر اسناد کے بھی مصنفین کے ایک گروہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ قاضی عیاض رح نے کہا کہ ابو محمد مکی اور ابو اللیث سمرقندی رح نے بیان کیا ہے کہ:

إِنَّ آدَمَ عِنْدَ مَعْصِيَتِهِ قَالَ اللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ (قَالَ وَيُرْوٰى تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ) فَقَالَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ أَيْنَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا؟ قَالَ رَأَيْتُ فِيْ كُلِّ مَوْضِعٍ مِنَ الْجَنَّةِ مَكْتُوْبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (قَالَ وَيُرْوٰى مُحَمَّدٌ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلِيْ) فَعَلِمْتُ أَنَّهٗ أَكْرَمُ خَلْقِكَ عَلَيْكَ فَتَابَ عَلَيْهِ وَغَفَرَ لَهٗ ط	آدم ع نے اپنے گناہ کے وقت کہا اے اللہ تجھے محمد ص کے حق کی قسم میری خطا بخش دے۔ اللہ نے کہا تو نے محمد ص کو کیسے جانا؟ آدم ع نے جواب دیا میں نے جنت کے ہر مقام پر لکھا دیکھا "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ تجھے ساری مخلوق سے زیادہ عزیز ہے اس پر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور معاف کر دیا۔

کیسی حدیثیں شریعت میں حجت بن سکتی ہیں

اس طرح کی حدیثوں پر شریعت کی بنا جائز نہیں اور باتفاقِ مسلمین ان سے دین میں قطعاً استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ اسرائیلیات وغیرہ کی قسم سے ہیں کہ جن کی حقیقت بغیر صحیح و ثابت حدیث کی شہادت کے معلوم نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح کی حدیثیں اگر کعب الاحبار اور وہب بن منبہ وغیرہ بھی، جو اہلِ کتاب سے دنیا کی پیدائش اور متقدمین کے قصے نقل کرتے ہیں، روایت کرتے تو بھی باتفاقِ مسلمین شریعت میں ان سے استدلال

جائز نہ ہوتا۔ پھر ایسی حالت میں ان کا کیا وزن ہو سکتا ہے۔ جب کہ انہیں ایسے لوگ روایت کرتے ہیں جن کا ماخذ نہ اہلِ کتاب ہیں نہ ثقات علماءِ اسلام بلکہ ایسے اشخاص سے روایت کرتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک مجروح اور ضعیف ہیں اور جن کی حدیث حجت نہیں ہوتی، پھر خود روایات ایسے مضطرب ہیں کہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا حافظہ درست نہیں۔ علاوہ ازیں یہ حدیثیں یا ان کے ہم معنی کوئی حدیث بھی کسی ایسے عالم نے روایت نہیں کی جو مسلمانوں کے نزدیک ثقہ اور جس کی روایت قابلِ اعتماد ہے۔ بلکہ ان کے راوی اسحٰق بن بشر جیسے لوگ ہیں جو پیدائش عالم کی کتابوں میں روایتیں کرتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ چیز نبویؐ سے ثابت ہوتی تو اہلِ کتاب کے لیے شریعت ہوتی اور اس سے اس بنیاد پر احتجاج ہوتا کہ پہلے لوگوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف مشہور ہے۔ لیکن ائمہ اور اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ ہمارے لیے بھی شریعت ہے بشرطیکہ خاص ہماری شریعت میں اس کے خلاف کوئی حکم موجود نہ ہو۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں بات اُن کے لیے شریعت تھی؟ ظاہر ہے اس کے لیے رسول اللہ کی صحیح حدیث یا خود اہلِ کتاب سے متواتر خبر کا پایا جانا ضروری ہے۔ نہ اس طرح کی بے بنیاد روایتیں کہ جن سے استدلال مسلمانوں کی شریعت میں کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔

حفظ قرآن و تحصیل علوم والی حدیث پر نقد

اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے موسیٰ بن عبدالرحمن الصنعانی صاحبِ تفسیر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ جو شخص چاہتا ہے اللہ اسے قرآن اور دیگر علوم کے حفظ سے شادکام کر دے تو اسے چاہیئے کہ یہ دعا کسی صاف برتن یا شیشہ کے پتروں پر شہد، زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور نہار منہ پئے تین دن روزہ رکھے اور اسی پر افطار کرے اور اپنی نمازوں کے آخر میں یہی دعا کرے کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ مَسْئُوْلٌ	اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں
لَمْ يُسْئَلْ مِثْلُكَ وَلَا يُسْئَلُ، وَ	کیونکہ تیری مانند کسی ذات سے نہ کبھی درخواست کی گئی اور نہ کبھی کی جائے گی۔ میں تجھ سے تیرے
اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ وَاِبْرَاهِيْمَ	نبی محمدؐ تیرے خلیل ابراہیمؑ تیرے نجی موسیٰؑ اور

خَلِیْلُكَ وَمُوسٰی نَجِیُّكَ وَعِیْسٰی رُوْحُكَ وَكَلِمَتُكَ وَوَجِیْهُكَ	تیری روح اور کلمہ اور وجیہ حضرت عیسٰی کے حق سے التجا کرتا ہوں۔

حالانکہ یہ موسٰے بن عبدالرحمٰن کا ایک کذب مشہور ہے۔ اس کے متعلق ابواحمد بن عدیؒ کی رائے ہے منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم بن حبانؒ کہتے ہیں کہ دجّال ہے اور حدیثیں گھڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے تفسیر میں ایک کتاب عطاء و ابن عباس رضؓ کے حوالہ سے ابن جریجؒ کے ذمہ لگا دی ہے جس میں کلبی اور مقاتل کا کلام جمع کر دیا ہے۔ اسی طرح روزہ کے متعلق موسٰے بن ابراہیمؒ المروزی کی روایت ہے کہ "حدثنا وکیع عن عبید بن علی شقیق عن ابن عباسؓ" حالانکہ اس موسٰی بن ابراہیم کے متعلق یحیٰے بن معینؒ نے تصریح کی ہے کہ "کذّاب ہے" دارقطنی کا قول ہے کہ "متروک ہے" ابن حبانؒ کہتے ہیں "مغفل تھا جو کہہ دیا جاتا تھا اسے ہی روایت کرنے لگ جاتا تھا، اسی لیے متروک ہو گیا" یہی حدیث عمر بن عبدالعزیز عن مجاہد بن جبیر عن ابن مسعود رضؓ سے اور بھی زیادہ ضعیف طریقہ سے مروی ہے۔ نیز اسے ابو الشیخ الاصفہانی نے احمد بن اسحاق الجوہری کے طریق سے روایت کیا ہے کہ۔

حدثنا اسحق الجوھری، حدثنا ابو الاشعث، حدثنا زھیر بن العلاء العتبی، حدثنا یوسف بن یزید عن الزھری ورفع الحدیث قال "من سرہ ان یحفظ فلیصم سبعۃ ایام ولیکن افطارہ فی اخر ھذہ الایام السبعۃ علی ھؤلاء الکلمات" جو شخص حفظ قرآن کی خوش بختی حاصل کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ سات دن روزہ رکھے اور ساتویں دن اس دعا پر افطار کرے۔

جامعین حدیث کے درجات

یہ اسانید بالکل بے بنیاد ہیں اور ان سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اسے ابوموسٰی مدینی نے اپنی "امالی" میں اور ابو عبداللہ المقدسی نے اپنے ہم مشربوں کے طریق کے مطابق ذکر کر دیا ہے، جو فضائل میں متاخرین کی طرح صحیح و ضعیف سب کچھ روایت کر جاتے اور ذمہ داری راوی پر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ ابوالشیخ الاصفہانی فضائل اعمال وغیرہ کے ابواب میں بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں کیونکہ کثرتِ روایت کے خوگر ہیں جن میں ہر قسم کی حدیثیں ہوتی ہیں: صحیح بھی، حسن بھی، ضعیف بھی، بلکہ موضوع اور خود ساختہ بھی۔ یہی حال خیثمہ بن سلیمان، ابونعیم الاصبہانی، ابواللیث السمرقندی، عبدالعزیز کتانی اور ابوعلی بن البنا وغیرہ کا ہے۔ نیز یہی

روش ابوبکر الخطیب، ابوالفضل بن ناصر، ابوموسیٰ المدینی، ابوالقاسم بن عساکر اور عبدالغنی وغیرہ بعض علماء حدیث نے بھی اختیار کی ہے کہ جو کچھ بھی کسی نے روایت کر دیا، لے لیا اور اپنی تصانیف میں نقل کر دیا۔ اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس باب میں جو کچھ بھی مروی ہے معلوم ہو جائے اور یہ غرض کبھی نہیں ہوتی کہ اس سے استدلال بھی کیا جائے۔ وہ کبھی خود ہی بتا دیتے ہیں کہ فلاں حدیث کس درجہ کی ہے اور کبھی یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

ان کے برعکس ائمہ حدیث، حدیث کی روایات محض روایت کے لیے نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنے دین کی بنیاد بناتے ہیں مثل مالک بن انسؒ، شعبہ بن الحجاجؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، سفیان بن عیینہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہؒ، علی ابن المدینیؒ، بخاریؒ، ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ، ابوداؤدؒ، محمد بن نصر المروزیؒ ابن خزیمہؒ، ابن المنذرؒ، داؤد بن علیؒ، محمد بن جریر الطبریؒ وغیرہ علماء جو حدیث سے مسائل و احکام کا استخراج کرتے اور اس لیے مجبور ہوتے ہیں کہ خوب چھان بین کریں۔ اور غلط و صحیح کو جدا جدا کریں۔

اسی طرح وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیث و رجال کی جانچ میں محنت کی ہے تاکہ حدیث کا حسن و قبح ظاہر کریں مثل ابواحمد بن عدیؒ، ابوحاتم البستیؒ، ابوالحسن دارقطنیؒ، ابوبکر الاسماعیلیؒ ابوبکر البیہقیؒ، ابواسماعیل الانصاریؒ، ابوالقاسم الزنجانیؒ، ابوعمر بن عبدالبرؒ، ابومحمد بن حزمؒ وغیرہ ائمہ و علماء یہاں ہم نے ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا جو سند کے ساتھ روایت نہیں کرتے مثل عمر الملا الموصلی اپنی کتاب "وسیلۃ المتعبدین" اور شہریار الدیلمی اپنی کتاب "فردوس" میں کہ جن کا درجہ مذکورہ بالا علماء سے بہت فروتر ہے۔ اور ان کا مذہب ہی یہ ہے جو کچھ روایت کر جاتے ہیں اس کا معاملہ بہت بڑا ہے۔

غرضکہ باتفاق جملہ محدثین اس بارے میں ایک بھی مرفوع حدیث موجود نہیں کہ جس پر کسی شرعی مسئلہ کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اور جو کچھ موجود ہے اسے علماء حدیث خوب جانتے ہیں کہ حدیث نہیں ہے بلکہ کذب و افترا ہے خواہ عمداً ہو یا بغیر عمد کے۔

آثارِ سلف

اس بارے میں سلف سے بھی آثار مروی ہیں اور اکثر ضعیف ہیں۔ مثلاً چار آدمیوں والی حدیث جسے ابن ابی الدنیا نے کتاب "مجابی الدعاء" میں بطریق اسمٰعیل بن ابان الغنوی عن سفیان الثوری عن طارق بن عبدالعزیز عن الشعبیؒ روایت کیا ہے

کہ انہوں نے کہا، میں نے ایک عجیب معاملہ دیکھا۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ، مصعب بن الزبیرؓ اور عبدالملک بن مروانؓ، یہ چاروں کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے، جب گفتگو سے فارغ ہوئے، تو ایک دوسرے سے کہنے لگے ہم میں سے ہر شخص اٹھ کر رکن یمانی پکڑے اور اللہ سے مانگے پھر عبداللہ بن الزبیرؓ سے کہا، اٹھو، کیونکہ ہجرت کے بعد تم سب سے پہلے پیدا ہوئے ہو۔ چنانچہ وہ رکن یمانی پکڑ کر کھڑے ہوئے اور دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَظِيْمٌ تُرْجٰى لِكُلِّ عَظِيْمٍ أَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ وَجْهِكَ وَحُرْمَةِ عَرْشِكَ وَحُرْمَةِ نَبِيِّكَ أَلَّا تُمِيْتَنِيْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى تُوَلِّيَنِي الْحِجَازَ وَيُسَلَّمُ عَلَيَّ بِالْخِلَافَةِ ط

خدایا تو بڑا ہے اور تجھ سے ہر بڑی چیز کی تمنا کی جاتی ہے، میں تجھے تیری حرمت تیرے عرش کی حرمت اور تیرے نبیؐ کی حرمت کے واسطہ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دنیا سے نہ اٹھا یہاں تک کہ مجھے حجاز کا حاکم بنا دے اور میری خلافت پر لوگ رضامند ہو جائیں۔

پھر مصعب ابن الزبیرؓ آگے بڑھے اور دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْكَ يَصِيْرُ كُلُّ شَيْءٍ أَسْأَلُكَ بِقُدْرَتِكَ ...... عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَلَّا تُمِيْتَنِيْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى تُوَلِّيَنِي الْعِرَاقَ وَتُزَوِّجَنِيْ بِسُكَيْنَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ رضؓ

اے اللہ تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز تیری طرف لوٹنے والی ہے، میں تجھ سے تیری قدرت کاملہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک مجھے عراق کا حاکم نہ بنا دے اور سکینہ بنت حسینؓ کو میری زوجیت میں نہ دے دے۔

پھر عبدالملک بن مروانؓ نے دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْأَرْضِ ذَاتِ النَّبْتِ بَعْدَ الْقَفْرِ أَسْأَلُكَ بِمَا سَأَلَكَ بِهِ عِبَادُكَ الْمُطِيْعُوْنَ لِأَمْرِكَ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّكَ عَلٰى خَلْقِكَ وَبِحَقِّ الطَّائِفِيْنَ حَوْلَ

اے اللہ رب سات آسمانوں کے اور رب زمین کے جو بے آب و گیاہ ہونے کے بعد سرسبز ہونے والی ہے میں تیرے فرمانبردار بندوں کی تجھ سے دعاؤں کے واسطہ سے التجا کرتا ہوں اور اس حق کے واسطہ سے دعا کرتا ہوں جو مخلوق پر تیری جانب سے ہے اور جو تیرے عرش کے گرد

عَرْشِكَ الخ ٥ | طواف کرنے والوں کا ہے۔

یہ حدیث روایت کر دی گئی ہے، حالانکہ سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ اس کا راوی اسمٰعیل بن ابان "کذاب" ہے۔ احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ پہلے ہم نے اس سے حدیث لکھی پھر جب اسے موضوع حدیثیں روایت کرتے دیکھا تو ترک کر دیا۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اس نے یہ حدیث گھڑی کہ "نسل عباس رضؓ میں ساتواں آدمی (یعنی ...) سبز لباس پہنے گا"۔ بخاریؒ و مسلم و ابو زرعہ و دار قطنیؒ نے کہا متروک ہے۔ جوزجانی اور ابو حاتمؒ کہتے ہیں "کذاب" ہے۔ ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ثقہ راویوں کے نام سے حدیثیں بنایا کرتا تھا:

اسی طرح طارق بن عبد العزیز، کہ جس سے سفیانؒ کا روایت کرنا بیان کیا گیا ہے۔ ایک مجہول آدمی ہے۔ کیونکہ مشہور طارق بن عبد العزیز کہ جن سے ابن عجلان روایت کرتے ہیں اس طبقہ سے نہیں۔ بلکہ اس روایت کے مخالف روایت موجود ہے چنانچہ ابو نعیمؒ نے طبرانی سے روایت کی ہے کہ:

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ الْجُوْلِيْشِ حَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ السِّجِسْتَانِيْ، حَدَّثَنَا الْاَصْمَعِيْ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: اِجْتَمَعَ فِي الْحِجْرِ مُصْعَبٌ وَ عُرْوَةُ وَعَبْدُ اللّٰهِ اَبْنَاءُ الزُّبَيْرِ...... ......وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالُوْا تَمَنَّوْا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنَّى الْخِلَافَةَ، وَقَالَ عُرْوَةُ اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنّٰى اَنْ يُّؤْخَذَ عَنِّي الْعِلْمُ وَقَالَ مُصْعَبٌ اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنّٰى اِمْرَاَةَ الْعِرَاقِ وَالْجَمْعَ بَيْنَ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ وَسَكِيْنَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنَّى الْمَغْفِرَةَ قَالَ فَنَالُوْا كُلُّهُمْ مَا تَمَنَّوْا وَلَعَلَّ ابْنَ عُمَرَ قَدْ غُفِرَ لَهٗ

حضرت زبیر رضؓ کے بیٹے مصعب اور عروہ اور عبد اللہ اور حضرت عمر رضؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بیت اللہ میں اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے آؤ اپنی اپنی آرزوئیں بیان کریں، چنانچہ عبد اللہ بن الزبیر رضؓ نے کہا میں تو خلافت کی آرزو رکھتا ہوں، عروہ رضؓ نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ مجھ سے علم حاصل کیا جائے۔ مصعب رضؓ نے کہا میں یہ تمنا رکھتا ہوں کہ حاکم عراق بنوں اور عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت حسینؓ کو بیک وقت اپنی زوجیت میں لاؤں۔ عبد اللہ بن عمر رضؓ نے کہا مجھے صرف بخشش کی تمنا ہے" راوی کہتا ہے ہر ایک کی تمنا پوری ہو گئی اور شاید ابن عمر رضؓ کی بھی مغفرت ہو گئی ہو گی۔

یہ اسناد باتفاق محدثینؒ پہلی اسناد سے بہتر ہے۔ لیکن اس میں مخلوقات کے وسیلہ

سے دعا نہیں ہے۔ اس باب میں بعض لوگوں سے طرح طرح کی حکایات بھی بیان کی گئی ہیں ان سے خواب میں کہا گیا کہ فلاں فلاں چیز کے واسطہ سے دعا کرو۔ ظاہر ہے ایسے خواب باتفاق علماء دلیل نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کی حکایتیں ان لوگوں نے جمع کی ہیں جنھوں نے دعاؤں پر کتابیں لکھی ہیں اور بعض سلف سے آثار بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً ابن ابی الدنیا نے کتاب "مجانی الدعاء" میں روایت کیا ہے کہ "ایک شخص عبدالملک بن سعید بن اُبجُر کے پاس آیا اور ان کا پیٹ دیکھ کر کہنے لگا آپ کو ایک ایسی بیماری ہے جو کبھی دور نہ ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ عبدالملک فوراً مڑے اور دعا کی۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ وَرَبِّیْ یَرْحَمُنِیْ مِمَّا بِیْ ۵

اللہ، اللہ، میرا رب اللہ ہے میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں بناتا، الٰہی میں تیرے نبی محمدؐ جو موصوف بالرحمۃ ہیں کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ میں آپ کے ذریعہ آپ کے رب اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں کہ میری بیماری میں مجھ پر رحم فرما دے۔

اس کے بعد اُس شخص نے پھر پیٹ دیکھا اور کہا " تندرست ہو گیا، اب کوئی بیماری نہیں رہی۔

یہ اور ایسی ہی بعض دعائیں سلف سے روایت کی جاتی ہیں۔ نیز احمد بن حنبل رحمہ سے "منسک المروزی" میں نبی کریمؐ کو دعا میں وسیلہ بنانا مروی ہے۔ ایک طرف یہ ہے اور دوسری طرف دیگر علماء و ائمہ کرام نے اس سے رد کیا ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جائے گا کہ اگر وسیلہ چاہنے والوں کی نیت رسول خدا پر ایمان اور آپ کی محبت، موالات و اطاعت سے وسیلہ ہے تو بلا اختلاف دونوں فریقوں کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر مقصود آپ کی ذات سے وسیلہ ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ اور ایسے اختلاف میں شریعت کا حکم ہے کہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لینا چاہیئے۔ کوئی دعا شریعت میں محض صرف اس لیے صحیح نہیں ہو سکتی کہ اس سے کسی کی حاجت پوری ہو گئی۔ کیونکہ بہت سے لوگ اللہ کو چھوڑ کر نجوم اور دوسری مخلوقات سے بھی دعائیں کرتے اور مرادیں مانگتے ہیں، بعض مندروں اور کنیسوں میں جا کر بتوں کے سامنے کرتے ہیں، پھر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ایسی دعائیں کرتے ہیں جن کی حرمت پر تمام مسلمان متفق ہیں، مگر یہ کہ

کئی کام پورے ہو جاتے ہیں۔

پس کسی چیز سے مراد پوری ہو جانا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اس چیز میں مصلحت سے زیادہ مضرت ہو، اور شریعت کے آنے کا مقصد یہی ہے کہ مصالح کو جمع کرے اور مفاسد کو ختم کرے۔ ورنہ تمام محرمات مثلاً شرک، شراب، جوا، فواحش، ظلم وغیرہ سے کبھی انسان کو فایدہ ہوتا اور بعض مقصد پورے ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان میں مفاسد بہ نسبت مصالح زیادہ ہیں اس لیے خدا اور اس کے رسول ؐ نے اُن کا سدِ باب کر دیا۔ اسی طرح بہت سے امور مثلاً عبادات و جہاد و انفاق فی سبیل اللہ میں کبھی مضرت بھی ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کی مصلحت کا پلہ مضرت سے بھاری ہے اس لیے شارع ؑ نے ان کا حکم دیا۔ یہ ایک ایسی اصل ہے جس کا لحاظ اشد ضروری ہے۔ کسی چیز کو بغیر ایسی شرعی دلیل کے واجب یا مستحب قرار دینا جو اس کے وجوب یا استحباب کو مقتضی ہو روا نہیں۔ عبادت کی دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں ؟ یا تو واجب ہو گی یا مستحب۔ اور جو نہ واجب ہے نہ مستحب تو وہ عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ بارگاہِ الٰہی میں دعا بھی عبادت ہے اگر اس سے مقصود امرِ مباح ہو۔

غرضکہ بعض سلف اور علماء سے منقول ہے کہ انھوں نے نبی کریم ؐ کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز کہا ہے، لیکن مردوں اور غائبوں سے عام خواہ ملائکہ ہوں یا انبیاء ؑ یا صلحاء دعا کرنا یا مدد چاہنا یا فریاد کرنا تو اسے سلف صالح "صحابہ رضؓ اور تابعینؒ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا اور نہ کسی امام ؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

حدیثِ اعمیٰ کی تحقیق

رہی حدیث اعمیٰ جسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے تو وسیلہ کی دوسری قسم میں داخل ہے۔ یعنی اس میں رسول اکرم ؐ کی دعا سے توسل ہے نہ کہ آپ کی ذات سے۔ کیونکہ نابینا شخص نے آپ سے التجا کی تھی کہ اللہ سے اس کی بینائی کے لیے دعا فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَکَ فَقَالَ بَلِ ادْعُہْ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّتَوَضَّاءَ وَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَیَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ	اگر تو چاہے تو صبر کر لے اور چاہے تو میں تیرے لیے دعا کروں، اس نے عرض کی بلکہ دعا فرمایئے چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ اور یوں کہہ: "الٰہی میں تیرے نبی محمد ؐ نبی الرحمۃ کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے محمد ؐ!

أَسْئَالُكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِيَقْضِيَهَا اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ تو

اے رسول خدا! میں آپ کے واسطہ سے اپنے رب کی طرف ضرورت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ پورا فرما دے، اے اللہ! اپنے رسول کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔

تو یہ آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا کی اسی لیے تلقین فرمائی۔

شَفِّعْهُ فِيَّ ط | میرے حق میں آپ کی سفارش قبول فرما۔

یعنی اللہ سے التجا کی کہ اپنے رسول کی سفارش (یعنی دعا) اس بارے میں قبول فرما۔

یہ حدیث علماء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں ذکر کی ہے کہ کس طرح خداوند قدوس نے آپ کی دعا کی برکت سے طرح طرح کے خرقِ عادت امور ظاہر کیے، مصائب دور کیے اور کس طرح آپ کی دعا کی برکت سے اس نابینا کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

اس حدیث کو مؤلفین حدیث مثلاً بیہقی وغیرہ نے دلائلِ نبوت میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عمرو عن شعبہ عن ابی جعفر الخطمی عن عمارۃ بن خزیمہ بن ثابت عن عثمان بن حنیفؓ سے بیہقی روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے تندرست کر دے۔" آپ نے فرمایا "اگر تو پسند کرے تو اسے مؤخر کر دے کیونکہ یہی تیرے حق میں بہتر ہے اور اگر چاہے تو میں دعا کر دوں۔" اس نے کہا آپ دعا کیجئے۔ اس پر حضور نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے، دو رکعت نماز ادا کرے اور یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِيَقْضِيَهَا لِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ قَالَ فَقَامَ وَقَدْ أَبْصَرَ

الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد متصف بالرحمۃ کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس ضرورت میں توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ اسے پوری کر دے الٰہی آپ کی شفاعت میرے حق اور میری دعا آپ کے حق میں قبول فرما۔ راوی کہتا ہے فوراً اس کی آنکھیں بینا ہو گئیں۔

اسی طریق ترمذی ونسائی وابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں یہ

ث حسن صحیح غریب ہے۔ صرف اسی صورت سے حدیث ابی جعفر رہ سے معروف ہے۔ یہ
جعفر، ابو جعفر الخطمی نہیں ہیں۔ ترمذی نے یہی کہا ہے لیکن تمام علماء اس کے خلاف ہیں اور کہتے
کردہ ابو جعفر الخطمی ہیں اور یہی درست ہے۔ نیز ترمذی اور ان کے ساتھیوں نے اور علماء کی طرح
یث کے تمام الفاظ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ اسے صرف " اللھم فشفعہ فی " تک روایت کیا ہے
انچہ کہتے ہیں۔

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا عثمان بن عمر، حدثنا شعبۃ عن ابی جعفر عن عمارۃ بن خزیمۃ ابن ثابت عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی قال ان شئت صبرت فھو خیر لك قال فادعہ قال فامرہ ان یتوضاء فیحسن وضوءہ و یدعو بھذا الدعاء اللھم انی اسألك واتوجہ الیك بنبیك محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم شفعہ

ایک نابینا شخص رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ دعا فرمایئے اللہ مجھے بینا کر دے، فرمایا اگر تو پسند کرے تو اسے ملتوی کر دے کیونکہ یہی تیرے لیے بہتر ہے اس نے کہا بلکہ آپ دعا کیجئے، اس پر آپ نے اسے اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگنے کی تلقین کی کہ اے اللہ، میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی الرحمۃ کے واسطہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، اے محمد میں اپنی حاجت میں آپ کے وسیلے سے اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکر پوری ہو جائے، اے خدا اسے میرا شفیع بنا۔

بیہقی رہ کہتے ہیں ہم نے اسے روح بن عبادہ عن شعبہ سے باسناد صحیح کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے کہ "اندھے نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا" نیز بیہقی رہ نے تصریح کی ہے کہ اسے حماد نے سلمہ سے اور سلمہ رض نے ابو جعفر الخطمی رض سے روایت کیا ہے۔
میں کہتا ہوں اسے امام احمد رح نے اپنی مسند میں بیہقی رہ کے قول کے مطابق روح بن عبادہ رض سے روایت کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں۔

حدثنا روح بن عبادۃ حدثنا شعبۃ عن ابی جعفر المدینی سمعت عمارۃ بن خزیمۃ بن ثابت یحدث عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریرا اتی النبی صلی اللہ علیہ

ایک نابینا نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے رسول اللہ خدا سے دعا کیجئے کہ میں تندرست ہو جاؤں۔ فرمایا اگر تو چاہے تو اسے ملتوی کر دے کیونکہ یہی تیرے لیے بہتر ہے اور اگر چاہے تو

وسلم فقال یا نبی اللہ ادع اللہ ان
یعافینی قال ان شئت اخرت ذالک فھو خیر
لآخرتک وان شئت دعوت لک قال بل ادع
اللہ لی فامرہ ان یتوضا ویصلی رکعتین
وان یدعو بھذا الدعاء اللھم انی اسالک
واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد
انی اتوجہ بک الی اللہ فی حاجتی ھذہ فیقضی
تقضی لی وتشفعنی فیہ وتشفعہ فی.
قال ففعل الرجل فبرأ ۔

دعا کروں ؟ کہا بلکہ دعا کیجئے ، چنانچہ آپ
اسے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھنے ا
دعا کرنے کا حکم دیا کہ اے اللہ میں تجھ
سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی الرحمۃ
وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے
میں آپ کے واسطہ سے اپنی اس ضرورت
کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہو جائے
اس کے بارے میں میری دعا قبول کر اور میر
حق میں اس کی دعا ۔

نیز بیہقی رح نے اسے شبیب بن سعید الحنظلی رح کی حدیث سے اس طرح روایت کیا ہے

عن روح بن القاسم عن ابی جعفر
المدینی وھو الخطمی عن ابی امامۃ سھل بن
حنیف بن عثمان بن حنیف قال سمعت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجاءہ رجل ضریر
فشکی الیہ ذھاب بصرہ فقال یا رسول
اللہ لیس لی قائد وقد شق علی فقال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ائت المیضاۃ فتوضا
ثم صل رکعتین ثم قل اللھم انی اسالک
واتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ یا محمد
انی اتوجہ بک الی ربی فیجلی عن بصری
اللھم شفعہ فی وشفعنی فی نفسی۔ قال
عثمان بن حنیف واللہ ما تفرقنا و
لا طال الحدیث بنا حتی دخل الرجل
کانہ لم یکن بہ
ضر قط ۔

عثمان بن حنیف رض سے مروی ہے کہ میں نے نبی
کو ایک نابینا سے فرماتے سنا جو اپنی آنکھوں کا
لے کر آیا تھا ، اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے ک
راستہ دکھانے والا نہیں اور میں بہت تکلیف م
پڑا ہوں ۔ آپ نے فرمایا وضو گاہ پر جا اور وضو کر پھ
دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ اے اللہ میں تجھ سے
کرتا ہوں اور تیرے رسول محمد نبی الرحمۃ کے واس
سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں ۔ اے محمد میں
کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہ
تاکہ وہ میری نظر روشن کر دے ، اے اللہ اس
شفاعت میرے حق میں قبول کر اور میری اپنی د
میرے حق میں قبول فرما ۔" عثمان بن حنیف رض کہتے
ہیں بخدا نہ ہم جدا ہوئے اور نہ زیادہ دیر تک
گفتگو کی مگر ہم نے دیکھا کہ اندھا اس طرح چل
رہا ہے گویا کہ اسے کبھی کوئی تکلیف تھی ہی نہیں ۔

پس شبیب رض کی روح اور ابی جعفر الخطمی سے روایت ، شعبہ و حماد بن سلمہ رض کی روایت سے دو متن میں مختلف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ابو جعفر نے عمارہ بن خزیمہ سے روایت کی ہے اس میں ہے کہ انہوں نے ابو امامہ سہل سے روایت کی ہے ۔ اس روایت میں ہے کہ ے نے کہا " تشفعہ فی وشفعنی فیہ " اور اس میں ہے " وشفعنی فی نفسی "

اس اسناد کا ہشام الدستوائی عن ابی جعفر رض سے ایک اور شاہد بھی موجود ہے ۔

عثمان بن حنیف کا معاملہ

اسے بیہقی رح نے اسی طریق سے روایت کیا ہے اور اس میں ایک قصہ بھی ہے جو اگر صحیح ہو تو ممکن ہے کہ اس سے وہ حجت پکڑیں ، جنہوں نے آپ کے وصال کے بعد آپ سے وسیلہ چاہا ۔ بیہقی رح نے اسمٰعیل بن شبیب بن سعید الحبطی عن شبیب بن سعید عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدینی عن ابی امامہ سہل بن حنیف رض سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اپنی غرض سے حضرت عثمان رض کے پاس آتا جاتا تھا مگر وہ نہ اس کی طرف متوجہ ہوتے نہ اس کی مراد پوری کرتے تھے ۔ اتفاق سے اس کی ملاقات عثمان بن حنیف سے ہوئی اور اس نے شکایت کی ، عثمان بن حنیف رض نے کہا وضو کر ، مسجد میں جا اور دو رکعت نماز پڑھ کر کہہ " اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فتقضی لی حاجتی " پھر اپنی مراد عرض کر اور روانہ ہو جا " چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمان رض کے ہاں پہنچا ۔ فوراً دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا جہاں حضرت عثمان رض نے اسے قالین پر اپنے برابر بٹھایا اور کہا " کہو کیا غرض ہے ؟ " اس نے اپنی مراد بیان کی جسے آپ نے پورا کر دیا ۔ پھر یہ شخص روانہ ہوا اور عثمان بن حنیف سے مل کر کہا " اللہ تمہیں جزائے خیر دے اگر تم سفارش نہ کرتے تو عثمان رض نہ میری طرف متوجہ ہوتے نہ میری مراد پوری کرتے " عثمان بن حنیف رض نے کہا " میں نے ان سے کچھ بھی نہیں کہا ، لیکن میں نے نبی صلعم کو ایک نابینا سے فرماتے سنا ہے جس نے آ کر اپنی آنکھوں کا شکوہ کیا تھا کہ " صبر کر " مگر اس نے کہا میرے لئے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے اور سخت مصیبت میں ہوں ۔ اس پر آپ نے فرمایا وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ ، پھر کہہ " اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ الی ربی فیجلی لی عن بصری ، اللھم شفعہ فی وشفعنی فی نفسی " ۔ " آخر میں عثمان بن حنیف رض نے کہا " واللہ نہ ہم جدا ہوئے نہ زیادہ

دیر تک باتیں کیں کہ کیا دیکھتے ہیں نابینا ایسے چلا آرہا ہے گویا اس کی آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

لیکن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ تینوں میں سے کسی نے بھی یہ حدیث شبیب بن سعید عن روح بن القاسم کے عجیب و غریب طریق اور اس اضافہ کے ساتھ روایت نہیں کی۔ لیکن حاکم نے اپنی مستدرک میں اُسے دو طریق سے روایت کیا ہے۔" چنانچہ عثمان بن عمر کے طریق سے ہے کہ

حدثنا شعبۃ عن ابی جعفر المدنی سمعت عمارۃ بن خزیمۃ یحدث عن عثمان بن حنیف ان رجلاً ضریرًا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی فقال ان شئت اخرت ذالک فھو خیر لک وان شئت دعوت قال فادعہ فامرہ ان یتوضاء فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعوا ھذا الدعاء اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ اللھم تشفعہ فی وشفعنی فیہ ؂

شبیب بن سعید رض صادق ہیں، بخاری نے ان سے روایت کی ہے۔ لیکن ابن وہب نے ان کے اور روح بن الفرج کے ذریعہ سے منکر روایتیں بیان کی ہیں اور خیال کیا گیا ہے کہ خود ابن وہب نے روایت میں غلطی کی ہے نہ شبیب نے۔ لیکن کبھی اس طرح کا الزام خود شبیب پر لگایا جاتا ہے جب وہ ثقہ راویوں مثلاً شعبہ و حماد بن سلمہ و ہشام الدستوائی سے الگ ہو کر اضافہ کے ساتھ حدیث روایت کرتے ہیں، بالخصوص اس روایت میں کہ انہوں نے کہا "فشفعہ فی وشفعنی فی نفسی" حالانکہ دوسرے راویوں نے اسے یوں روایت کیا ہے "فشفعہ فی وشفعنی فیہ" جس کے معنی ہیں "آپ کی دعا میرے حق میں قبول کر اور میری درخواست آپ کی دعا قبول کرنے کے بارے میں قبول فرما" اس طرح دونوں جملوں میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی رہتے ہیں۔

ابو احمد بن عدی اپنی کتاب "الکامل فی اسماء الرجال" (کہ جو اس فن میں بہترین کتاب ہے) میں کہتے ہیں "ابن وہب نے شبیب بن سعید الحنظلی سے مناکیر روایت کی ہیں، اور انہوں نے بواسطہ یونس زہری سے خود زہری کے نسخہ سے مستقیم احادیث کی روایت کی ہے۔ نیز علی بن المدینی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں، یونس کے اصحاب میں سے ہیں، تجارت

سلسلہ میں وہ مصر آتے جاتے تھے۔ چنانچہ اپنے ساتھ ایک صحیح کتاب بھی لائے اور کہا
احادیث اپنے بیٹے احمد بن شبیبؒ سے نقل ہیں۔ نیز ابن عدی نے شبیبؒ کی دو حدیثوں پر
جرح کی ہے۔ جو انہوں نے روح بن القاسمؒ سے روایت کی ہیں۔ ایسے ہی یہ نابینا والی حدیث
بھی انہوں نے روح بن القاسم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے اور ابن
وہب نے روایت کی ہے، بیٹے کی روایت بہتر ہے اور ابن وہب کی حسب عادت
میں ہے۔

یہ حدیث طبرانی نے بھی "معجم" میں اس طرح روایت کی ہے کہ "حدثنا عبد اللّٰہ بن وھب
عن شبیب ابی سعید المکی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی
عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف عن عمہ عثمان بن حنیف ان رجلاً الخ"
ابن وہب کی اس روایت سے ابن عدی کا قول اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے، کہ ابن وہب حدیث
کے الفاظ ضبط نہ کر سکے اور یوں ہی روایت کر دی کہ نابینا نے وہی دعا کی تھی جو عثمان بن حنیفؓ
نے ذکر کی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس نے کہا تھا "اللھم فشفعہ فی
وشفعنی فیہ" یا "شفعنی فی نفسی" لیکن یہ الفاظ ابن وہب نے بیان نہیں کئے جس
سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ روایت محض اپنی یادداشت سے کر دی ہے جیسا کہ ابن
عدیؒ کہتے ہیں اور چونکہ ضبط نہ تھا اس لیے غلطی کر گئے ہیں۔

یہی حدیث ابو بکر بن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس طرح روایت کی ہے کہ:۔

حدثنا مسلم بن ابراھیم، حدثنا حماد بن سلمۃ، اخبرنا ابو جعفر الخطمی عن عمارۃ بن خزیمۃ عن عثمان بن حنیف اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ اُصِبْتُ فِیْ بَصَرِیْ فَادْعُ اللّٰہَ لِیْ قَالَ اِذْھَبْ فَتَوَضَّأْ وَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّیْ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اَسْتَشْفِعُ بِکَ عَلٰی رَبِّیْ فِیْ رَدِّ بَصَرِیْ اللھم شفعنی فی نفسی	عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللّٰہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میری بینائی جاتی رہی ہے، آپ خدا سے میرے لیے دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا، "جا وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ اور یہ دعا کر" الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدؐ میں اپنی بینائی کے لیے آپ کی سفارش اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، یا اللّٰہ میری دعا میرے حق

وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَافْعَلْ مِثْلَ ذَالِكَ، فَرَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهٗ	میں قبول فرما اور میری بینائی کی واپسی کے لیے میرے نبیؐ کی سفارش قبول فرما۔ اور اگر اور کوئی حاجت ہو تو بھی ایسا ہی کرنا۔ چنانچہ اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔

اس روایت میں بھی روح بن القاسم کی روایت کی طرح "تشفعنی فی نفسی" موجود ہے اور اتنا اضافہ بھی ہے کہ "وان کانت حاجۃ فافعل مثل ذالک" یا کہا "فعل ذالک" (ایسا ہی کیا) ممکن ہے اسے عثمان بن حنیف کے قول کی تائید میں پیش کیا جائے۔ لیکن شعبہؒ اور روح بن القاسم، حماد بن سلمہ سے بہتر راوی ہیں۔ نیز روایت کے الفاظ کا اختلاف صاف بتا رہا ہے کہ اس طرح کی احادیث عام طور پر بالمعنی بیان کی جاتی ہیں۔ اور روایت کے الفاظ "وان کانت حاجۃ فافعل مثل ذالک" ممکن ہے عثمان کے اپنے الفاظ ہوں نہ حضور صلعم کے کیونکہ اگر یہ کلام رسول ہوتا تو ان الفاظ کے بجائے یوں ہوتا "وَإِنْ كَانَتْ لَكَ حَاجَةٌ فَعَلْتُ مِثْلَ ذَالِكَ"

اور اگر یہ اضافہ صحیح ثابت ہو جائے تو بھی اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ عثمان بن حنیفؓ نے سمجھا کہ اصلی دعا کے ایک ٹکڑے سے بھی دعا کی جا سکتی ہے کیونکہ انہوں نے پوری مشروع دعا نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ اس طرح کی دعا رسول اللہ کے وصال کے بعد بھی جائز ہے۔ حالانکہ خود حدیث کے الفاظ اس خیال کی تردید کرتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نابینا نے رسول اللہ سے دعا کی درخواست کی اور آپ نے اسے دعا سکھائی جس میں یہ الفاظ بھی تھے:

اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ	اے خدا میرے حق میں اس کی شفاعت قبول کر۔

ظاہر ہے یہ دعا اسی وقت کی جا سکتی ہے جب نبی کریمؐ دعا و شفاعت کر رہے ہوں نہ کسی اور حالت میں۔ یہ دعا آپ کی حیات میں لوگوں کے لیے آپ کی دعا و سفارش کی مناسبت سے تھی اور قیامت کے روز اس وقت موزوں ہوگی، جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔ اسی روایت میں ہے کہ نابینا نے کہا:

وَشَفِّعْنِي فِيْهِ	میری دعا آپؐ کے لیے قبول فرما۔

ظاہر ہے نابینا کی مراد یہ تو ہو نہیں سکتی کہ وہ نبی صلعم کے حق میں آپ کی کسی غرض کے لیے

شفاعت کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ آپ کے حق میں بھی دعا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صلوٰۃ وسلام میں ہے، نیز خود آپ نے ہم سے فرمایا ہے کہ آپ کے لیے وسیلہ طلب کریں چنانچہ صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۝	جس نے اذان سن کر کہا یا الٰہی اس مکمل دعوت اور صلوٰۃ قائمہ کے رب محمدؐ کو وسیلہ و فضیلہ عطا کر اور اُس مقام محمود میں انہیں اٹھا جس کا تو نے اس سے وعدہ فرمایا ہے، تو میری شفاعت قیامت کے دن اس کے حق میں حلال ہوگی۔

مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ "اللھم شفعہ فی وشفعنی فیہ"

جب موذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک درجہ ہے، اور بندگانِ خدا میں سے صرف ایک بندے کے شایانِ شان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے لیے میری شفاعت قرار پا گئی۔

اور اُمت کا آپ کے لیے وسیلہ طلب کرنا آپ کے حق میں دعا ہے اور یہی معنی شفاعت کے ہیں، اسی لیے اجر عمل کی جنس سے رکھا گیا کہ جو کوئی آپ پر درود بھیجے گا اللہ اس پر درود بھیجے گا اور جو آپ کے لیے وسیلہ (کہ جس میں آپ کی سفارش داخل ہے) طلب کرے گا اس کے لیے آپ سفارش فرمائیں گے۔ چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ نابینا نے آپ سے سفارش کی درخواست کی تو آپ نے حکم دیا کہ اللہ سے میری شفاعت کی قبولیت کی دعا کر گویا اس میں شفاعت در شفاعت ہے، اسی لیے کہا۔

اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ وَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ۝	اس کی شفاعت میرے حق میں اور میری اس کے حق میں قبول کر۔

اور ظاہر ہے ایسے موقع پر نبی کریمؐ کی دعا قبول ہو جانا خدا کی نظر میں آپ کی عزت کی دلیل ہے۔ اسی لیے یہ واقعہ آپ کے معجزات اور نبوت کے دلائل میں شمار کیا گیا ہے۔

نیز وہ قیامت کے روز آپ کی دعا کی طرح ہے۔ اسی لیے طالبِ دعا کو تلقین کی " فشفعہ فی وشفعنی فیہ " برخلاف " وشفعنی فی نفسی " کے کہ جسے اس غریب طریق کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے۔ لیکن " وشفعنی فیہ " کو دو عظیم القدر راویوں " عثمان بن عمرؓ اور روح بن عبادہؓ نے شعبہؓ سے روایت کیا ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں شعبہؓ سے زیادہ جلیل المرتبت کوئی نہیں۔ نیز عثمان بن عمرؓ عن شعبہ کی حدیث کو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بطریق محمود بن غیلان عن عثمان بن عمر عن شعبہ اور ابن ماجہ نے بطریق احمد بن یسار عن عثمان بن عمر روایت کیا ہے۔ نیز امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں روح بن عبادہ عن عمر روایت کیا ہے اور معلوم ہے یہ لوگ حدیث کے زیادہ حافظ و ماہر ہیں۔ پھر اگر

" وشفعنی فی نفسی " | میرے حق میں میری شفاعت قبول کر۔

کا لفظ محفوظ تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ سائل نے یہ دعا کی کہ رسولِ خدا کی شفاعت کے ساتھ وہ خود بھی اپنا شفیع ہو۔ حالانکہ اگر حضورؐ اس کے حق میں دعا نہ فرماتے تو اور سائلوں کی طرح صرف ایک سائل ہوتا، اور ظاہر ہے ایسی حالت میں دعا کو شفاعت نہیں کہا جائے گا، کیونکہ شفاعت اسی وقت ہو سکتی ہے جب دو شخص حاضر ہوں اور ایک دوسرے کے لیے درخواست کرے برعکس تنہا شخص کے جو خود اپنے لیے دعا کر رہا ہے اسے دعا کہا جائے گا، شفاعت نہیں۔

غرضکہ اس اضافہ میں کئی علل موجود ہیں " راوی نے اپنے سے بڑے حفاظ سے منفرد ہو کر اسے روایت کیا ہے۔ اصحاب سنن نے اس سے اعراض کیا ہے، اس کے الفاظ مضطرب ہیں۔ اس کے راوی کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ روح بن عبادہ سے منکر روایات بیان کرتا ہے۔ یہ چیزیں اسے مشکوک و مشتبہ بنا دینے کے لیے بہت کافی ہیں، لہٰذا وہ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ صحابی کی روایت کا اعتبار ہے نہ اس کے سمجھے ہوئے دعا و شفاعت کے، اگر اس کی روایت کے الفاظ اس کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف مطلب ظاہر کرتی ہوں، جیسا کہ یہاں صورت حال ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر رسول کریم کی وفات کے بعد کوئی شخص دعا میں کہے اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِی فِیْهِ تو چونکہ حضورؐ اس کے لیے دعا نہیں کر رہے لہٰذا یہ کلام بے معنی ہو گا۔ پھر عثمان بن حنیف نے اس شخص کو نبی کریم سے شفاعت طلب کرنے کا مشورہ نہیں دیا، نہ یہ تلقین کی کہ " تشفعہ فی " نہ پوری ماثور دعا بتائی، بلکہ صرف اس کے ایک ٹکڑے کی تلقین کی۔ چونکہ یہاں

نبی صلعم کی طرف سے نہ شفاعت ہے نہ شفاعت سے ملتی جلتی کوئی چیز۔ اس لیے آپ کی وفات کے بعد ایسا کلام بالکل لایعنی ہے، یہی وجہ ہے کہ عثمان رضہ نے اس کا بلکہ دعاء ماثور کا بھی حکم نہیں دیا اور جو کچھ بتایا وہ رسول خدا سے منقول نہیں ہے۔ ظاہر ہے ایسی کوئی چیز بھی شریعت نہیں بن سکتی اور نہ اکّا دکّا صحابہ رضہ کے آثار، حسنِ عبادات، اباحات، ایجابات یا تحریمات میں کوئی وزن رکھتے ہیں جب کہ دیگر صحابہ رضہ کا تعامل اور رسول اللہ سے ثابت شدہ احکام اس کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہوں۔ جب صورتِ حال یہ ہو جیسی کہ یہاں ہے تو صحابی کا فعل ہرگز سنّت کا درجہ نہیں رکھتا کہ جس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد درست ہے۔ اور یہ شریعت کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جس مسئلہ میں امت میں اختلاف پڑ جائے اسے فیصلہ کے لیے اللہ اور رسولؐ کے سامنے پیش کرنا چاہیئے"

بعض افرادِ صحابہ کا فعل سنّت کا درجہ نہیں رکھتا

اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ ایسے حالات میں بعض جلیل القدر صحابہ رضہ کے بھی افعال سنّت نہیں بنے۔ مثلاً حضرت عمر رضہ وضو میں پانی آنکھوں کے اندر داخل کیا کرتے اور کانوں کے لیے نیا پانی لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضہ وضو میں ہاتھ بازوؤں تک دھوتے اور کہتے تھے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَہٗ فَلْیَفْعَلْ ہٗ	جو اپنے غرّہ کو دراز کر سکے اسے ایسا کر لینا چاہیئے۔

نیز گردن کا مسح کرتے اور کہتے "اس سے گردن گناہوں کے بوجھ سے ہلکی ہوتی ہے" ان دونوں جلیل القدر صحابیوںؓ کے فعل کو اگرچہ علماء کے ایک فریق نے مستحب کہا ہے مگر دوسروں نے اسی بنیاد پر مخلوق پر مخالفت کی ہے کہ تمام صحابہ کرام اس طرح وضو نہیں کیا کرتے تھے، نیز بخاری و مسلم وغیرہ میں جو وضو نبی صلعم سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس ہے، اس میں کانوں کے لیے نیا پانی لینا، ہاتھ پاؤں کہنیاں اور ٹخنوں کے اوپر تک دھونا اور گردن کا مسح کرنا نہیں ہے اور نہ آپ نے فرمایا "مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَہٗ فَلْیَفْعَلْ" بلکہ یہ ابوہریرہ رضہ کا قول ہے جو بعض حدیثوں میں مدرج ثابت کر دیا گیا ہے۔ نبیؐ نے صرف اتنا فرمایا تھا: "اَنْتُمُ الْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ

یَوْمَ الْقِیَامَۃِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ	تم قیامت کے روز وضو کے آثار سے چمکیلی

انتم منون	گھوڑوں کی طرح آؤ گے۔

اور آپ کا وضو یہ تھا کہ ہاتھ اور پاؤں دھوتے تو بازو اور پنڈلی کے قریب قریب ہو جاتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول "من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل" سے بعض لوگوں کا یہ خیال کرنا کہ بازو کا دھونا غرہ کو طویل کرنا ہے، بے معنی ہے کیونکہ غرہ صرف چہرہ کی سفیدی کے لیے بولا جاتا ہے نہ ہاتھ پاؤں کے لیے، پاؤں کے لیے "حجلہ" کا لفظ مخصوص ہے۔ پھر غرہ کی اطاعتہ" ناممکن ہے کیونکہ پورے چہرہ کا دھونا پہلے ہی سے فرض ہے اسے دھویا نہیں جا سکتا اور اگر دھویا بھی جائے تو اس میں غرہ ہوتا ہی نہیں۔ حجلہ کا اطالہ بھی مستحسن نہیں بلکہ صورت کا بگاڑنا ہے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ جن طرق پر نبی صلعم چلے ہیں چلتے، اور جہاں ٹھہرے دوران سفر اسی جگہ وضو کرتے جہاں آپ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور بچا ہوا پانی اسی درخت کو دیتے جیسے آپ نے پلایا۔ ان چیزوں کو بعض علماء نے مستحب کہا ہے۔ لیکن جمہور علماء نے انہیں مستحب قرار نہیں دیا۔ اور نہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مثل ابو بکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود و معاذ بن جبل وغیرہم "رضوان اللہ علیہم اجمعین" نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مانند ان پر عمل کیا حالانکہ اگر وہ انہیں مستحب سمجھتے تو ضرور کرتے کیونکہ سنت کی پیروی میں بہت مستعد تھے۔

اتباع سنت

اور یہ اس لیے کہ اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہی کچھ کیا جائے، جو نبی صلعم نے کیا ہے اور اسی بنا پر کیا جائے جس بنا پر آپ نے کیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فعل بطور عبادت کیا ہے تو ہمیں بھی وہ فعل، عبادت سمجھ کر کرنا چاہیئے اگر کسی مقام یا وقت کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کیا ہے تو ہمیں بھی ویسا ہی کرنا چاہیے مثلاً کعبہ کا طواف کرنا، حجر اسود کا چھونا، مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کرنا، مسجد نبوی میں ستون کے پاس نماز کی کوشش کرنا، صفا و مروہ پر چڑھنا اور وہاں ذکر و دعا کرنا، نیز عرفہ و مزدلفہ وغیرہ میں بالقصد جانا اور وہاں خاص عبادات کرنا۔ لیکن آپ کا جو فعل محض اتفاقی ہے عمداً نہیں کیا گیا مثلاً سفر کے دوران کسی جگہ اترے اور نماز ادا کی تو ظاہر ہے یہ نماز اس لیے نہیں تھی کہ خاص اس جگہ نماز پڑھنا افضل واعلے ہے بلکہ یہ صرف اتفاقی بات ہے چونکہ وہاں اترے تھے اس لیے نماز بھی ادا کر لی۔ اس بنا پر اگر ہم اس جگہ کو نماز یا م

ـنا لیں تو ہم اس چیز میں متبع سنت نہیں ہوں گے بلکہ یہ اُن بدعات میں سے ایک بدعت ہوگی جن ـے حضرت عمرؓ منع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

"کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سفر میں تھے، نماز فجر کے بعد ایک جگہ گذر ہوا تو رفقاء اُدھر دوڑ دوڑ کے جاتے اور کہنے لگے "یہاں نبی کریمؐ نے نماز ادا کی ہے" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "اہل کتاب اسی طرح تباہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبیوںؑ کی یادگاروں کو کنائس اور معابد بنالیا، جسے نماز پڑھنا ضروری ہو پڑھ لے ورنہ آگے بڑھے"

اور یہ اسی بنا پر کہ حضورؐ نے وہ جگہ نماز کے لیے مخصوص نہیں کی تھی بلکہ چونکہ وہاں ٹھہرے تھے اس لیے نماز پڑھلی تھی۔ لہذا حضرت عمرؓ کی رائے ہوئی کہ ایسے فعل میں صرف ظاہری صورت میں شریک ہونا اور قصد و نیت سے اغماض کر لینا اتباعِ سنت نہیں ہے، بلکہ اس جگہ کو نماز کے لیے خاص کر دینا اہل کتاب کی بدعات کے مانند ہے کہ جن کی بنا پر وہ تباہ ہوئے اور جن کی تقلید سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ پس اگر اس پر بھی کوئی شخص ایسا کرے تو گویا وہ ظاہر میں اپنے ہاتھ پاؤں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع دکھائی دے، مگر اپنی نیت و ارادہ میں جو دل کا فعل ہے یہود و نصاریٰ کا مقلد ہے۔

یہ ایک شرعی بنیاد ہے، کیونکہ سنت کی اتباع، عمل کی صرف ظاہری شکل وصورت کی نقل سے کہیں زیادہ ہے۔ اسی لیے جب نماز میں جلسہ استراحت[۱] بہت سے علماء پر مشتبہ ہوگیا کہ آیا حضورؐ نے مستحب جان کر کیا تھا یا کسی عارضی ضرورت سے تو اس میں اختلاف ہوگیا۔

اسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نبی کریمؐ کی نشست گاہ پر ہاتھ رکھنا اور حضرت ابن عباسؓ کا بصرہ میں اور عمروؓ بن حریث کا کوفہ میں تعریف کرنا ہے۔ چونکہ اسے تمام صحابہ کرام نے نہیں کیا اور نہ رسولِ خدا نے امت کے لیے مشروع کیا، اس لیے یہ نہ کہا جا سکا کہ وہ سنتِ مستحبہ ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا کہ اس معاملہ میں صحابہؓ نے اجتہاد کیا ہے یا یہ کہ اس کے کرنے والے پر مواخذہ نہ کیا جائے گا، کیونکہ اس میں اجتہاد جائز ہے نہ اس لیے کہ وہ سنتِ مستحبہ

---

[۱] جلسہ استراحت "حضورؐ جب پہلی رکعت سے فارغ ہوتے تو تھوڑا دیر کے لیے بیٹھتے پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے۔ اسی طرح تیسری رکعت میں کرتے۔"

ہے جسے نبیؐ نے اپنی امت کے لیے قائم کیا ہے۔

یہ اور اس طرح کی مثالوں میں جید علماء کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، کبھی اس میں اجتہاد درست سمجھتے ہیں، اور کبھی اس پر عمل کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ اسے سنّت کا درجہ نہ دے دیا جائے۔ لیکن کوئی عالم دین بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سنّت ہے، اور مسلمانوں کے لیے مشروع ہے۔ کیونکہ ایسی بات صرف اسی صورت میں کہی جا سکتی ہے جب نبی صلعم نے اسے مشروع ٹھہرایا ہو۔ حضورؐ کے علاوہ سنّت و شریعت قرار دینے کا کسی کو حق نہیں۔ لیے ہے خلفاء راشدین تو جو طریقے انہوں نے مقرر کئے وہ خود رسولِ مقبول کے حکم سے تھے اور لہٰذا سنّت قرار پائے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دین میں نہ کوئی چیز واجب ہے، نہ حرام، نہ مستحب، نہ مکروہ، نہ مباح، ماسوائے اس کے جسے رسول اللہ نے واجب یا حرام یا مستحب یا مکروہ یا مباح قرار دیا ہے۔

اسی طرح اباحات میں جیسا کہ روزہ میں حضرت ابو طلحہؓ نے اولہ کھانا جائز سمجھا۔ اور حضرت حذیفہؓ نے سحری اس وقت تک صحیح سمجھی جب تک روشنی اچھی طرح نہ پھیل گئی یہاں تک کہ لوگوں نے شور مچایا، دن ہو گیا۔ مگر سورج نہیں نکلا تھا۔ لیکن چونکہ اور صحابہؓ عظام نے ایسا نہیں کیا اس لیے ان حضرات کا یہ فعل واجب الاطاعت نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے قرآن و سنت پر پیش کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح کراہت و تحریم کے بارے میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہ نے حج میں طوافِ بیت اللہ سے پہلے خوشبو لگانا مکروہ قرار دیا۔ یا بعض صحابہؓ نے حج فسخ کر کے تمتع کی نیت یا سرے سے تمتع ہی کو مکروہ بتایا۔ یا نماز قصر کے لیے مسافت مقرر کر دی اور کہا اس سے کم میں قصر نہ کیا جائے۔ یا فتویٰ دے دیا کہ مسافر کے لیے سفر میں روزہ جائز نہیں۔ اسی قسم سے سلمان فارسیؓ کا قول ہے کہ لعاب ناپاک ہے۔ یا عبداللہ ابن عمرؓ کا کہنا کہ مکاتبہ سے نکاح ناجائز ہے، یا معاذ و معاویہؓ کا مسلمان کو کافر کا وارث قرار دینا، یا حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا جنبی کو تیمم سے روکنا۔ یا حضرت علی، زید، اور ابن عمرؓ کا کہنا کہ اگر شوہر فوت ہو جائے تو مفوضہ کے لیے مہر نہیں۔ یا حضرت علی اور ابن عباسؓ کا فتویٰ دینا کہ حاملہ بیوہ ہو جائے تو ابعد الاجلین عدت بیٹھے۔ یا ابن عمرؓ وغیرہ کا قول کہ محرم کے مرتے ہی اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی کرنا چاہیئے جو غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا

ہے وغیرہ وغیرہ مسائل جن میں صحابہؓ ایک دوسرے سے مختلف ہوئے ہیں۔ لیکن اہل علم کی بڑی جماعت نے بھی ان متنازعہ فیہ مسائل کو بعض صحابہ رضؓ کے عمل کی بنا پر سنت قرار نہیں دیا بلکہ یہی فیصلہ کیا اور بجا کیا کہ انہیں خدا اور رسولؐ کی طرف پھیرنا چاہیئے، کیونکہ امت کے لیے یہی چیز شریعت ہو سکتی ہے جسے اللہ کے نبیؐ نے مشروع کیا ہے۔

فعل صحابی کی حیثیت

جن علماء کی رائے ہے کہ قولِ صحابی حجت ہے وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ دوسرے صحابہ رضؓ اس کے مخالف نہ ہوں اور کوئی نص اس کے خلاف نہ ہو۔ صحابہؓ کی خاموشی کو بھی اس بارے میں معتبر سمجھا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فعل یا قول مشہور ہو گیا اور صحابہ رضؓ اس پر اعتراض کرنے کے بجائے خاموش رہے ہے تو سمجھا جائے گا کہ انہوں نے مخالفت نہیں کی اور اسے "اجماع اقراری" کہا جا سکتا ہے کیونکہ صحابہ رضؓ کسی غلط فعل کو بغیر اعتراض کے نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن اگر وہ نے شہرت نہیں پائی، اور اس کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے تو پھر وہ بالاتفاق حجت نہیں بن سکتا۔ اور جب یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کی مخالفت ہوئی ہے یا موافقت تو اسے اسی حال میں معلق چھوڑ دیا جائے گا، کسی پہلو پر بھی جزم نہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر سنتِ رسولؐ اس کے خلاف پر دلالت کرے تو علماء کے اتفاق سے حجت رسول اللہ کی سنت ہو گی نہ اس کے مخالف قول و عمل۔

اگر یہ مسلم ہے تو پھر عثمان بن حنیف وغیرہ بعض صحابہؓ سے اگر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے کہ انہوں نے وفات کے بعد حضورؐ کو وسیلہ بنانا (بغیر اس کے کہ آپ دعا یا شفاعت کریں) مشروع و مستحب بتایا ہے، تو چونکہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کی رائے یہ نہ تھی بلکہ وہ اسے وصال کے بعد ناجائز سمجھتے تھے، اس لیے ان کا (عثمان بن حنیف وغیرہ کا) قول ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ اس باب میں صحابہؓ کا تعامل یہ تھا کہ استسقاء کے موقعہ پر آپ کی حیات میں آپ کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے، لیکن جب وفات ہو گئی تو پھر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضؓ نے بہ اتفاق اہل علم اپنی صحیح و مشہور دعا میں، جو عام الرمادہ کے شدید قحط میں مہاجرین و انصار کے سامنے مانگی تھی، کہا تھا"

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا اِذَا اَجْدَبْنَا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ | اے الٰہی! جب ہم قحط کے شکار ہوتے تھے اپنے نبیؐ کا وسیلہ تیرے حضور پیش کرتے تھے

بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا ۝	اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، (اب) ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ تیرے روبرو لاتے ہیں پس ہمیں سیراب کر دے۔

اس دعا پر تمام صحابہ نے سکوت کیا اور باوجود شہرت کے کسی نے بھی اس کی تردید نہیں کی اس بنا پر یہ دعا "اجماع اقراری" کی ایک نہایت بیّن مثال ہے۔ ایسی ہی دعا معاویہ رضؓ بن ابی سفیان نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں استسقاء کے موقعہ پر مانگی تھی۔ حالانکہ اگر وصال کے بعد بھی نبی صلعم کا وسیلہ چاہنا درست ہوتا تو صحابہؓ ضرور کہتے کہ رسول خدا کو چھوڑ کر عباسؓ بن عبدالمطلب اور یزید بن الاسود رضؓ وغیرہ کو ہم کیوں وسیلہ بنائیں، حالانکہ حضورؐ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور آپ کا وسیلہ خدا کی بارگاہ میں سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑا وسیلہ ہے؟ لیکن چونکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا اور دوسری طرف ہمیں معلوم ہے کہ حیات میں وہ محض آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بناتے اور وصال کے بعد دوسروں کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنانے لگے تو ثابت ہوگیا تو ثابت ہوگیا کہ جو وسیلہ ان کے نزدیک جائز تھا وہ دعا کا وسیلہ تھا نہ کسی کی ذات کا۔"

یہی نابینا والی حدیث تو وہ حضرت عمر رضؓ اور عام صحابہ رضؓ کے لیے حجت ہے کیونکہ نابینا سے یہی کہا گیا تھا کہ آنحضرت کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنائے نہ کہ آپ کی ذات خاص کو۔ لیکن اگر بالفرض کسی صحابی رضؓ نے آپ کی شفاعت کے بجائے آپ کی ذات کو وسیلہ بنانے کے لیے کہا اور پوری مسنون دعا کے بجائے اس کے صرف بعض ٹکڑوں کی تلقین کی، تو اس صورت میں بھی یہی کہا جائے گا کہ حضرت عمر رضؓ کا فعل سنّتِ نبویؐ کے موافق ہے اور اس صحابی کا فعل سنّت کے مخالف ہے اور یہ کہ جو حدیث اس نے بیان کی ہے خود اسی پر حجت ہے۔ واللہ اعلم!

باب (۳)

وسیلہ کی تیسری قسم

رہی تیسری قسم جسے وسیلہ کا نام دے دیا گیا ہے تو اس کی حمایت میں کوئی شخص رسول اللہ سے ایک لفظ بھی ایسا نقل نہیں کر سکتا جو علماء کے نزدیک حجت بن سکے، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا۔ اس تیسری قسم سے مراد وہ دعا ہے جس میں اللہ کو نبیوں و صالحین کی قسمیں دلائی جاتی ہیں یا ان کی ذات کو درمیان میں رکھ کر سوال کیا جاتا ہے۔ اس باب میں آپ سے کوئی ایک بات بھی نقل نہیں کی جا سکتی، نہ خود آپ کی قسم دلانے اور آپ کی ذات کے وسیلہ سے دعا کرنے میں اور نہ کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کے بارے میں۔ اور اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اکثر علماء نے اُسے ناجائز بتایا ہے۔ لہٰذا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہوا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اور اسے خدا اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ضروری ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی دلیل پیش کرے اور دوسرے متنازعہ فیہ مسئلوں کی طرح اس پر بحث کرے۔ یہ مسئلہ با جماع مسلمین ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کو سزا دی جائے بلکہ اس پر سزا دینے والا ظالم و جاہل ہے۔ کیونکہ اسے ناجائز کہنے والا کوئی نئی بات نہیں کہتا، وہی کہتا ہے جو بیشتر علماء کہہ چکے ہیں اور اس کے منکر کے پاس رسول اللہ یا صحابہ کرام سے کوئی ثبوت نہیں ہے جس کی اتباع واجب ہو، خصوصاً ایسی حالت میں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ کے سوا انبیاء، اولیاء کسی مخلوق کی بھی قسم کھانا روا نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اور جملہ علماء متفق ہیں کہ اللہ کے کسی نبی، ولی غرضیکہ کسی مخلوق کی بھی نذر جائز نہیں بلکہ ایسی نذر معشر کا نتیجہ ہے جسے پورا نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب اللہ اور دوسری مخلوقات کی بھی قسم درست نہیں اور اگر کھائی جائے تو نہ قسم واقع ہو گی نہ کفارہ پڑے گا حتیٰ کہ اگر رسول خدا کی قسم کھائی جائے تو وہ بھی واقع نہ ہو گی جیسا کہ بیان ہوا اور نہ جمہور علماء کے نزدیک اس میں کفارہ ضروری ہے۔ مالکؒ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ اور احمدؒ (بمطابق ایک روایت) کا یہی مسلک ہے۔ پس اگر مخلوق کی قسم کھانا اور مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا جائز نہیں تو اللہ جل شانہٗ کے بارے میں یہ کیسے جائز ہو گا؟"

رہی نبی کریمؐ کے واسطہ سے بغیر قسم دلائے دعا تو اکثر علماء نے اس کی بھی ممانعت کی ہے

آنحضرت اور خلفاء راشدین کی سنت صحیحہ بھی اسی کی مؤید ہے۔ اور یہ اس لیے کہ جو کوئی ایسا کرتا ہے تقرب و طاعت سمجھ کر کرتا ہے نیز یقین کرتا ہے کہ اس ذریعہ سے دعا قبول ہو جاتی ہے حالانکہ جو چیز اس طرح کی ہو وہ یا تو واجب ہوگی یا مستحب، اور مخفی نہیں کہ عبادات و ادعیہ میں واجب و مستحب وہی چیز ہو سکتی ہے جسے رسولِ کریمؐ نے امت کے لیے مقرر کیا ہے۔ لیکن جسے مقرر نہیں کیا وہ نہ واجب ہو سکتی ہے نہ مستحب، نہ تقرب و طاعت کا ذریعہ بن سکتی ہے نہ قبولیت دعا کا سبب۔ اس پورے موضوع پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ پس جو کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہے یعنی مخلوق کی ذات کے واسطہ سے دعا کو مستحب یا واجب سمجھتا ہے، وہ گمراہ ہے اور بدعت سیئہ کا مرتکب ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح، سنتِ نبویؐ اور سنتِ خلفاء راشدین سے مکمل طور پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ چیز ان کے ہاں مشروع نہ تھی۔

ایسے وسیلہ کے باب میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں

نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ سے اس طرح کا سوال ایک ایسا سوال ہے جو کسی ایسے سبب پر مبنی نہیں جو قبولیت دعا سے مناسبت رکھتا ہو اور یہ کہ وہ ایسی ہی دعا ہے جیسی کعبہ، کرسی، مسجد وغیرہ مخلوقات کے نام کے ساتھ دعا، اور معلوم ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ کو مخلوقات کی قسم دلانا جائز نہیں اسی طرح مخلوقات کے حوالہ سے اس سے دعا کرنا بھی درست نہیں، بلکہ اس سے روکا گیا ہے۔ نیز کسی کے لیے جائز نہیں کہ کسی مخلوق کی قسم کھائے، یا خدا کو کسی مخلوق کی قسم دلائے یا مخلوق کی ذات کے وسیلہ سے سوال کرے بلکہ اس کے برعکس ایسے اسباب سے دعا کرنا چاہیئے، جو قبولیتِ دعا سے مناسبت رکھتے ہیں جس طرح کہ مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اس کے جواز میں رسولِ کریمؐ سے کچھ بھی ثابت نہیں بلکہ جو کچھ روایت کیا جاتا ہے موضوع ہے۔ البتہ بعض اہلِ علم سے آثار و اقوال مروی ہیں جن میں سے بعض ثابت ہیں اور بعض غیر ثابت۔ مثلاً وہ حدیث جسے احمد و ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور جس میں ہے "بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا " پوری حدیث اس طرح ہے:

اَحْمَدُ عَنْ وَكِيعٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلْعَمْ قَالَ مَنْ قَالَ

جس نے نماز کے لیے باہر جاتے ہوئے کہا کہ اے اللہ میں تجھ سے اس حق کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلوں کا ہے اور اپنے

إذا خرج إلى الصلاة اللّٰهم إني أسألك بحق السائلين عليك وبحق ممشاي هذا فإني لم أخرج أشرًا ولا بطرًا ولا رياءً ولا سمعة خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك ...... أسألك أن تنقذني من النار وأن تدخلني الجنة وأن تغفر لي ذنوبي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت خرج معه سبعون ألف ملك يستغفرون له وأقبل الله عليه بوجهه حتى يقضي صلاته ۝

اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں نہ تکبر سے نکلا ہوں نہ دکھاوے اور شہرت کے خیال سے بلکہ صرف تیرے غضب سے بچنے اور تیری رضا کی جستجو میں نکلا ہوں، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کے عذاب سے بچا لے جنت میں داخل کر میرے گناہ معاف فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں" تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کی بخشش کی دعا کرتے ہیں اور اللہ اس کی جانب متوجہ رہتا ہے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے۔

یہ حدیث عطیۃ العوفی کی روایات میں سے ہے جو باجماع علماء ضعیف ہے۔ یہ ایک اور طریق سے بھی روایت کی گئی ہے مگر وہ طریق بھی ضعیف ہے۔ پھر اس کے الفاظ میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ اللہ پر سائلوں کا یہ حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور عابدوں کا یہ حق ہے کہ انہیں اجر عطا کرے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جسے باتفاق علماء خود اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہے۔ اس پر بھی تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ دعا دراصل اس دعا کی مانند ہے جو تین اشخاص نے اپنے اعمال کے واسطہ سے غار میں مانگی تھی۔ ایک نے والدین کی اطاعت کا حوالہ دیا، دوسرے نے اپنی عفت کا ذکر کیا، تیسرے نے اپنی بے داغ امانت داری کا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ نے ان اعمال کا حکم دیا ہے اور ان پر اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس یہ چیز ویسی ہی ہے جیسی خدا نے مومنین کی زبان سے نقل کی ہے کہ:

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝

اے ہمارے مولا ہم نے ایک پکارنے والے (محمدؐ) کو ایمان کے لیے پکارتے ہوئے سنا کہ اپنے رب کو مان لو پس ہم مان گئے۔ اے ہمارے مولا! تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہم کو نیک بختوں کے ساتھ موت دے۔

(آل عمران: ۱۹۳)

اور فرمایا۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ○

میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے پس تو ہم کو بخش اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(المومنون : ۱۰۹)

اور فرمایا۔

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ○ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ○ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

تو ان سے کہدے کہ میں تم کو اس سے اچھی چیز بتلاؤں جو لوگ پرہیز کرتے ہیں ان کے لیے اللہ کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیویاں ہوں گی اور خوشنودی خداوندی اور خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے خدا بیشک ہم نے مانا پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو عذابِ جہنم سے بچائیو۔

(آلِ عمران : ۱۵)

اور جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ وقتِ سحر دعا کیا کرتے تھے کہ۔

اَللّٰهُمَّ دَعَوْتَنِي فَأَجَبْتُ وَأَمَرْتَنِي فَأَطَعْتُ وَهٰذَا سَحَرٌ فَاغْفِرْ لِي ○

الٰہی! تو نے مجھے پکارا میں نے لبیک کہی تو نے مجھے حکم دیا میں نے اطاعت کی، یہ وقتِ سحر ہے مجھے معاف فرما۔

خدا کو قسم دلانا کیسا ہے؟

اصل اس بارے میں یہ ہے کہ اللہ کو کسی مخلوق کی قسم دلانا یا کسی مخلوق کی ذات کے ذریعہ سے دعا کرنا واجب ہوگا یا مستحب حرام ہوگا یا مکروہ، اور یا مباح ہوگا کہ جس کا نہ امر ہے نہ ممانعت۔ اگر کہا جائے کہ وہ واجب یا مستحب یا مباح ہے تو یا مخلوقات میں فرق کرنا پڑے گا اور یا کہا جائے گا کہ تمام یا بعض محترم مخلوقات کے ذریعہ سے ہے۔ بس جو کہتا ہے کہ یہ تمام مخلوقات کے ساتھ واجب یا مستحب یا

مباح ہے تو لازم آئے گا کہ تمام جن وانس اور شیاطین کے واسطہ سے بھی سوال کرے جس کا ظاہر ہے کوئی مسلمان بھی قائل نہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ نہیں، صرف محترم مخلوقات کو ہی وسیلہ بنانا چاہیئے، مثلاً وہ مخلوقات جن کی خود اللہ نے قسم کھائی ہے، تو اس سے لازم آئے گا کہ "وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ وَالذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ" اور "وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا، وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا، وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا، وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا" سب ہی کچھ دعاؤں کے لیے، نیز کے "الْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ" اور "وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ، وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ" اور "الذَّارِيَاتِ ذَرْوًا، فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا، فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا، فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا" اور "الطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ، وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ" اور "الصَّافَّاتِ صَفًّا" وغیرہ مخلوقات جن کی خود خدا تعالٰی نے اپنی کتاب میں قسم کھائی ہے! حالانکہ اس نے ان کی قسم محض اس لیے کھائی ہے کہ وہ اس کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی مخلوقات ہیں، اس کی ربوبیت، الوہیت، وحدانیت، علم، قدرت، مشیت، رحمت، حکمت، عظمت، عزت پر دلالت کرتی ہیں، پس وہ صاحب عظمت وجلالت ان کی قسم اس لیے کھاتا ہے کہ اس قسم میں اس کی اپنی بزرگی وعظمت ہے۔ لیکن ہمارے لیے از روئے نص واجماع ان کی قسم کھانا درست نہیں۔ بلکہ متعدد علماء نے مخلوقات کی قسم کے حرام ہونے پر خود صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے بلکہ یہ شرک ہے جس کی شدید ممانعت آئی ہے۔ مخلوقات کے حوالہ سے دعا کرنے سے لازم آتا ہے کہ ہر ذکر وانثی کا حوالہ دیا جائے، آندھیوں، بادلوں، چاند، سورج، ستاروں، رات دن، انجیر، زیتون، طور سینین، بلد امین، کعبہ، صفا، مروہ، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ سب کو وسیلہ بنایا جائے۔ نیز اس سے لازم آئے گا کہ ان مخلوقات کو بھی وسیلہ قرار دیا جائے جن کی خدا کے سوا پرستش کی گئی ہے مثلاً چاند، سورج، ستارے، ملائکہ، عزیر، مسیح وغیرہ مخلوقات۔

حالانکہ ظاہر ہے ان مخلوقات کے ذریعہ سے دعا کرنا یا اللہ کو ان کی قسم دلانا، شریعت محمدی میں عظیم ترین اور بدترین بدعات میں سے ایک بدعت ہے اور اس کی قباحت ہر خاص وعام پر ظاہر ہے۔ نیز اس طرح کی دعا سے لازم آئے گا کہ خدا کو ان منتروں جنتروں کی بھی قسم دلائی جائے جنہیں عامل اور جادوگر تعویذوں اور گنڈوں میں لکھتے ہیں۔ بلکہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ اگر

اللہ کو ان چیزوں کی قسم دلانا جائز ہے تو مخلوق کو دلانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، اور اس سے لازم آئے گا کہ یہ تمام ٹوٹنے، ٹوٹکے، جنتر منتر اور جنات کو جو قسمیں دلائی جاتی ہیں سب کی سب اسلام میں جائز ہوں، حالانکہ یہ بات کفر ہے اور اپنے قائل کو اسلام بلکہ تمام نبیوںؑ کے دین سے خارج کر دینے والی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ تمام محترم مخلوقات نہیں بلکہ بعض کے ذریعہ میں دعا کروں گا یا اللہ کو ان کی قسم دلاؤں گا، مثلاً صرف نبیوںؑ کی یا صرف کسی ایک نبیؐ کی، جیسا کہ بعضوں نے صرف انبیاء و صالحین کی قسم جائز قرار دی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعض مخلوقات اگرچہ سب سے اعلیٰ ہوں مگر پھر بھی اس بات میں تو برابر ہیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرنی چاہیئے، نہ کسی پر توکل کرنا چاہیئے، نہ کسی سے ڈرنا چاہیئے، نہ کسی کے لیے روزہ رکھنا چاہیئے، نہ کسی کو سجدہ کرنا چاہیئے، نہ کسی کی طرف رغبت کرنی چاہیئے اور نہ کسی کی قسم کھانی چاہیئے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا۔

مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ ۝	جسے قسم کھانا ہو صرف اللہ کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے۔

نیز فرمایا۔

لَا تَحْلِفُوا إِلَّا بِاللهِ ۝	اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ۔

اور سنن میں بھی ہے۔

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ ط	جس نے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائی مشرک ہوا۔

پس نصوص صریحہ سے ثابت ہے کہ کسی مخلوق کی بھی قسم کھانا جائز نہیں، اس میں کوئی استثناء نہیں، نہ فرشتوں کا نہ نبیوںؑ کا نہ صالحین کا نہ کسی خاص نبیؐ یا ولی کا۔

کیا شرک میں کوئی استثناء ہے؟

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے شرک کے بارے میں تمام مخلوقات کو ایک درجہ میں رکھا ہے اور ان میں ادنے و اعلیٰ کا فرق نہیں کیا، کہ اس مخلوق کو شریک بنانا جائز ہے اور اس کو نہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ	کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اس کو کتاب اور علم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے

لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ (آلِ عمران: ۷۹، ۸۰)

خدا کے ورے سے مجھے بھی خدا سمجھو ہاں تم کتاب اللہ کو پڑھ پڑھا کر اللہ لوگ بنو اور یہ حکم بھی نہ کرے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو اپنا مربّی بنالو۔ کیا مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر بتلائے گا!

اور فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝

تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو پکارو پھر وہ تم سے تکلیف نہ دور کر سکیں گے اور نہ پھیر سکیں گے۔ جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے ہیں کہ کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ تیرے پروردگار کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

بعض علماء سلف کا کہنا ہے کہ بعض اقوام حضرت مسیح، حضرت عزیر اور فرشتوں کو پکارا کرتی تھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو میرے بندے ہیں، میری رحمت کے امیدوار اور میرے عذاب سے خوفزدہ ہیں، تمہاری ہی طرح وہ بھی مجھ سے ڈرتے اور تقرب چاہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں گے اور خدا سے ڈرتے رہیں گے اور بچیں گے پس وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(النور: ۵۲)

یعنی اتباع خدا اور رسول دونوں کے لیے ہے، اور رسولؐ کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے، لیکن خشیت و تقوےٰ محض اللہ ہی کے لیے ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں،

حتیٰ کہ رسولؐ بھی نہیں۔ فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝

اور اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیئے ہوئے پر راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے بہت جلد اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو دیں گے بے شک ہم اللہ کی طرف ہی راغب ہیں۔

(التوبۃ : ۵۹)

اس آیت میں واضح کیا کہ انہیں مناسب تھا کہ خدا اور نبیؐ کے دیئے ہوئے پر خوش ہو جاتے اور کہتے۔

حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝

اللہ ہم کو کافی ہے بہت جلد اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو دیں گے بے شک ہم اللہ کی طرف ہی راغب ہیں۔

(التوبۃ : ۵۹)

اس میں خدا اور نبی کے دین پر رضامندی کا ذکر کیا ہے، کیونکہ نبیؐ ہی ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ ہے جس کے ذریعہ ہمیں اس کا امر و نہی، حلال و حرام، وعدہ و وعید کا پتہ چلتا ہے، پس حلال وہی ہے جسے خدا اور اس کے رسولؐ نے حلال کہا اور حرام وہی ہے جسے خدا اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے اور دین وہی ہے جس کا خدا اور اس کے نبیؐ نے حکم دیا ہے۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۝

اور جو کچھ رسول اللہ تم کو دیں وہ قبول کیا کرو اور جس سے روکے اس سے رک جایا کرو۔

(الحشر : ۷)

لہٰذا کسی کے لیے روا نہیں کہ اس مال کے سوا جسے اللہ اور اس کے نبیؐ نے حلال کیا ہے کسی مال کو ہاتھ لگائے، نیز مشترک مال مثلاً فئی و غنیمت و صدقات میں اتنے پر قناعت کرے جتنا خدا اور رسولؐ نے عطا کیا ہے۔ کیونکہ صرف وہی اس کا حق تھا، زیادہ طلب نہیں کرنا چاہیئے پھر فرمایا۔

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ؕ	اور انہوں نے کہا ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔

یہ نہیں کہا "وَرَسُوْلُہٗ" (یعنی اللہ اور رسول دونوں) ہمارے لیے کافی ہے کیونکہ "حسب" کے معنی ہیں "کافی" اور کافی بس اللہ ہی ہے جس نے اپنے بندوں کو ما سوائے سے بے نیاز کر دیا ہے، جیسا کہ فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿﴾	اے نبیؐ تجھے اور تیرے تابعدار مومنوں کو اللہ ہی کافی ہے۔

(الانفال : ۶۴)

یعنی تنہا وہی تیرے اور تیرے متبعین کے لیے کافی ہے۔ پس جو کوئی رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہے، ہادی، ناصر، اور رازق ہوتا ہے۔ پھر فرمایا۔

سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ﴿﴾	بہت جلد اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو دیں گے۔

(التوبۃ : ۵۹)

اس میں عطاء کو اللہ اور رسولؐ دونوں کی جانب منسوب کیا ہے لیکن "فضل" کا لفظ درمیان میں لا کر دونوں میں فصل کر دیا ہے کیونکہ حقیقی فضل محض اللہ ہی کا ہے۔ پھر فرمایا۔

"اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ" اس میں رغبت فقط اللہ ہی کی طرف بتائی ہے، نبیؐ یا کسی دوسری مخلوق کو اس میں اس کا شریک نہیں بتایا۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے شرک کی ممانعت میں تمام مخلوقات کو برابر قرار دیا ہے اور کسی مخلوق کے حق میں بھی خواہ وہ پیغمبر ہو یا فرشتہ جائز نہیں رکھا کہ اس کی قسم کھائی جائے اس پر بھروسہ کیا جائے، اس کی طرف رغبت کی جائے، اس سے ڈرا جائے، اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿﴾ وَلَا تَنْفَعُ	تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو ذرا پکار دو وہ نہ تو آسمانوں میں ذرہ جتنا اختیار رکھتے ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان دونوں میں کسی قسم کا ساجھا ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔ اللہ کے پاس

الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۔ | ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ مگر اسی کو جس کے لیے وہ اجازت بخشے۔

(سبا ۳۴: ۲۳)

اس میں خدا نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو غیر اللہ سے مانگتے ہیں، اور بتایا ہے کہ اللہ کی حکومت کے ساتھ نہ ان کی کوئی حکومت ہے اور نہ اس کی حکومت میں ان کی کوئی شراکت ہے، اور یہ کہ مخلوقات میں نہ کوئی اس کا معاون ہے نہ پشت پناہ۔ اس طرح اس نے غیر اللہ سے دلوں کا رشتہ توڑ دیا ہے، نہ رغبت روا رکھی ہے نہ خشیت، نہ پرستش نہ استمداد، غرض کوئی ایسی چیز باقی نہیں چھوڑی جس میں شرک کا معمولی شائبہ بھی ہو، ہاں ایک شفاعت رکھی ہے مگر اس کے متعلق بھی صاف فرما دیا ہے۔

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۔ | اللہ کے پاس ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی مگر اسی کو جس کے لیے وہ اجازت بخشے

(سبا: ۲۳)

اسی طرح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن جب مخلوق شفاعت کے لیے آدمؑ اور دوسرے اولوالعزم پیغمبروں مثلاً نوحؑ، ابراہیمؑ، موسےؑ، عیسےؑ (علیہم السلام) کے پاس آنے گی تو ان میں سے ہر ایک اپنے بعد والے نبیؑ کے پاس جانے کو کہے گا یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسےؑ کے پاس آئیں گے اور وہ کہیں گے "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کے تمام گناہ اللہ معاف کر چکا ہے" حضورؐ نے فرمایا۔ "چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا، اور اسے دیکھتے ہی .... سجدہ میں گر پڑوں گا اور اس کی حمد و ثنا کروں گا، یہ حمد و ثنا اس وقت مجھے معلوم نہیں، اسی وقت مجھے بتائی جائے گی پھر کہا جائے گا، "اے محمدؐ! سر اٹھا اور کہہ، سنا جائے گا، مانگ تجھے دیا جائے گا، شفاعت کر قبول کی جائے گی" فرمایا۔ "چنانچہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں اس حد کے اندر اندر بہشت میں داخل کروں گا الخ" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شافع اس لیے بتائیں گے کہ وہ ایک ایسا بندہ ہے جس کے تمام گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں، پھر خود محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں باوجود افضل ترین مخلوق معزز ترین شفیع، اور اللہ کی نظر میں بزرگ ترین ہستی ہونے کے صاف فرما دیا ہے کہ

نہ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کریں گے اور اپنے رب کی تعریف و ستائش کریں گے، لیکن شفاعت کے لیے اس وقت تک زبان نہ کھولیں گے جب تک اللہ کی طرف سے اجازت نہ دی جائے کہ "سر اٹھا! مانگ دیا جائے گا، شفاعت کر قبول کی جائے گی"! پھر صراحت کر دی کہ رب تعالےٰ آپ کے لیے ایک حد مقرر کر دے گا، جس کے اندر کے لوگوں کو آپ جنت میں داخل کریں گے۔ پس شفاعت بھی اسی کی قدرت و ارادے پر موقوف ہے، کوئی بھی بدون اس کی رضا و اجازت کے منہ نہیں کھول سکتا، کیونکہ معزز ترین شفیع اور بزرگ ترین مخلوق (جس کی شفاعت سنی جائے گی) وہی ہے جسے اس نے اس کی کمال بندگی، اطاعت رغبت اور اپنے اللہ کی پسند و مرضی پر عمل کی بنا پر سب پر فوقیت دی، پسند کیا، اور چن لیا ہے۔

پس جب غیر اللہ کی قسم، اس کی طرف رغبت و انابت، اس سے خوف و خشیت وغیرہ وہ احکام ہیں جو جملہ مخلوقات کے لیے عام ہیں تو کسی مخلوق کے لیے بھی جائز نہ ہوگا کہ اس کی قسم کھائی جائے، اس سے ڈرا جائے، اس پر بھروسہ کیا جائے، اگرچہ وہ مخلوق کتنی ہی افضل و اعلےٰ ہو۔ اس کے مستحق ملائکہ و انبیاء نہیں تو مشائخ و صالحین کیسے ہو سکتے ہیں؟"

غرض ان مخلوقات کے واسطہ سے دعا، جن کی اللہ نے قسم کھائی اور جنہیں بزرگی دی ہے اگر جائز ہے تو ان سب کے حوالہ سے جائز ہوگی، اور اگر جائز نہیں تو کسی ایک کے بھی حوالہ سے جائز نہ ہوگی۔ رہی محترم مخلوقات میں تفریق کہ ان کے حوالہ سے دعا کریں گے اور ان کے حوالہ سے نہیں، سو ویسی ہی تفریق ہے جیسی بعض لوگوں نے قسم کے بارے میں کی ہے کہ فلاں مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے اور فلاں نہیں۔ حالانکہ دونوں تفریقیں غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اسی طرح اگر یہ تفریق کی جائے کہ جن مخلوقات پر ایمان لانا لازمی ہے ان کی قسم کھائی جائے گی اور ان کے ذریعہ سے دعا کی جائے گی، اور جن پر ایمان لانا لازمی نہیں نہ ان کی قسم کھائی جائے گی نہ ان کے ذریعہ سے دعا کی جائے گی، تو اس صورت میں بھی کہا جائے گا کہ کیا فرشتوں، نبیوں، منکر نکیر، جنت کی حور و غلمان وغیرہ تمام چیزوں کی قسم کھاؤ گے اور ان کے واسطہ سے دعا کرو گے کیونکہ ان پر بلکہ ان تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جن کی نبی صلعم نے خبر دی ہے؟

ایسی کوئی تفریق نہ دعا میں ہو سکتی ہے نہ قسم میں۔ یہ سب ممنوع ہے جیسا کہ اکثر علماء

نے صراحت کردی ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت استفتاح کی حل بحث

رہی یہ آیت :-

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ	حالانکہ اس سے پہلے کفار پر فتح یابی چاہا کرتے تھے۔

(البقرہ : ۸۹)

تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہودی، مشرکوں سے کہتے تھے کہ "عنقریب اللہ ایک رسولؐ مبعوث فرمائیگا ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے جہاد کریں گے اور تمہیں قتل کریں گے" یہ نہیں تھا کہ وہ اللہ کو آپ کی ذات کی قسم دلاتے یا آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے، بلکہ یہ کہتے تھے کہ "اے اللہ! اس نبیؐ اُمی کو مبعوث فرما تاکہ ہم اس کی اتباع کریں اور اس کے ساتھ ہو کر ان مشرکین کو قتل و غارت کریں" مفسرین کے نزدیک یہی بات صحیح ہے اور اسی پر قرآن بھی دلالت کرتا ہے۔ فرمایا "وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ" استفتاح کے معنی ہیں استنصار یعنی فتح و نصرت چاہنا۔ آپ کے ذریعہ فتح و نصرت چاہنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ آپ مبعوث ہوں، آپ کا ساتھ دیں اور فتح حاصل کریں، نہ یہ کہ اللہ کو آپ کی قسمیں دلائیں اور آپ کی ذات کے واسطہ سے بیٹھ کر دعائیں کرتے رہیں۔ کیونکہ اگر صورتِ حال یہی ہوتی تو یہود جب کبھی اس طرح دعا کرتے یا قسم دلاتے تو فتح پاتے، حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے، بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو مبعوث فرمایا، تو جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے وہی حکمِ الٰہی سے دشمنوں پر غالب و فاتح ہوئے۔

اور بعض مفسرین نے جو یہ کہا ہے کہ یہودی آپ کی قسم دلاتے یا آپ کے واسطہ سے دعا کرتے تھے تو ایک شاذ قول ہے، اور اکثر و مشہور روایات کے سراسر خلاف ہے جن میں سے بعض کو ہم "دلائلِ نبوت" اور "کتاب الاستغاثہ" میں ذکر کر چکے ہیں، نیز کتبِ سیر و تفسیر بھی ان سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ ابو العالیہؒ وغیرہ کی روایت ہے کہ یہودی جب نبی کریمؐ کے ذریعہ مشرکوں پر فتح کی دعا کرتے تو یوں کہتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ ابْعَثْ هٰذَا النَّبِيَّ الَّذِيْ نَجِدُهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَنَا حَتّٰى نَغْلِبَ	الٰہی! اس نبیؐ کو مبعوث فرما کہ جسے ہم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہیں، تاکہ مشرکین پر غلبہ پائیں اور

الْمُشْرِكِيْنَ وَنَقْتُلُهُمْ ۔ | انہیں قتل کریں۔

لیکن جب آپ مبعوث ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ آپ ان کی قوم میں سے نہیں ہیں تو عربوں کی حسد کی وجہ سے منکر ہو گئے، حالانکہ خوب جانتے تھے کہ آپ خدا کے نبی ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔

پس جب وہ آگیا ان کے پاس جس کو پہچان چکے تو اس سے انکاری ہو گئے۔ پس اللہ کی لعنت ہوان کافروں پر۔

(البقرۃ : ۸۹)

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ان کی قوم کے لوگوں سے روایت کی ہے کہ "اللہ کی رحمت وہدایت کے ساتھ منجملہ اور باتوں کے جس بات نے ہمیں اسلام کی طرف راغب کیا، یہ تھی کہ ہم مشرک اور بت پرست تھے اور یہودی، اہل کتاب اور ہم سے زیادہ عالم تھے، ہمارے اور ان کے مابین برابر دشمنی چلی جاتی تھی، جب کبھی ہم انہیں شکست دیتے تو ہم سے کہا کرتے تھے "یاد رکھو! ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب ہے، وہ آئے گا، ہم اس کی معیت میں تمہیں عاد و ثمود کی طرح قتل کریں گے"! ہم ان سے بارہا یہ سنا کرتے تھے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی بنا کر بھیجا اور اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے فوراً لبیک کہی کیونکہ ہم نے جان لیا کہ یہودی ہمیں اس نبی کے گھمنڈ پر دھمکایا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے پیش قدمی کی اور ایمان سے شاد کام ہوئے، مگر خود انہوں نے کفر کیا، سورہ بقرہ کی یہ آیات ہمارے اور ان کے متعلق نازل ہوئی ہیں"

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ

اور جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس ایک کتاب پہنچی جس کو پہچان چکے ہیں جو ان کے ساتھ والی کو مانتی ہے۔ تو اس سے انکاری ہو گئے، حالانکہ اس سے پہلے کفار پر فتح پانی چاہا کرتے تھے۔ پس جب وہ آگیا ان کے پاس جس کو وہ پہچان چکے تھے تو اس سے

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝	انکاری ہو گئے۔ پس اللہ کی لعنت ہو ان کافروں پر۔

(البقرة : ۸۹)

نیز ابن ابی حاتمؒ وغیرہ (جنہوں نے مفسرین سلف کے اقوال جمع کئے ہیں) اس طرح کی روایات کے علاوہ اور کچھ ذکر نہیں کرتے، سلف میں سے کسی ایک شخص سے بھی منقول نہیں کہ یہود آپ کی ذات کے حوالے سے دعا کیا کرتے تھے۔ بلکہ سب نے یہی کہا ہے کہ وہ مشرکین سے کہا کرتے تھے یا اللہ سے دعا مانگا کرتے تھے کہ نبیؐ کو جلد مبعوث فرمائے۔ چنانچہ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت "وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ "وہ فتح طلب کیا کرتے تھے، کہتے تھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے، ہم ان کے معاون ہوں گے اور مشرکین کو قتل کریں گے حالانکہ وہ جھوٹے تھے، انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی۔" نیز اسی آیت کی تفسیر میں معمر عن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے عنقریب ایک نبیؐ ظاہر ہو گا مگر فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ جب وہ آگیا تو انہوں نے اسے نہ پہچانا بلکہ اس کے منکر ہو گئے۔" نیز بواسطہ ابن اسحاقؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ بعثت سے پیشتر یہودی اوس و خزرج پر رسول کریمؐ کے واسطہ سے فتح مانگا کرتے تھے، مگر جب اللہ تعالٰے نے آپ کو عرب میں مبعوث کیا تو منکر ہو گئے اور قصداً اپنے قول سے منحرف ہو گئے، اس پر معاذ بن جبل، بشر بن البراء بن معرور اور داؤد بن سلمہؓ نے جا کر کہا کہ "اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، ہم مشرک تھے اور تم محمدؐ کے ذریعہ ہم پر غلبہ مانگا کرتے تھے، ہم سے کہا کرتے تھے کہ وہ عنقریب پیدا ہو گا اور اس کی علامات بیان کیا کرتے تھے۔ اس پر سلام بن مشکم نضیری نے کہا "محمدؐ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم پہچانتے ہوں، وہ (موجودہ نبی۔ مترجم) نہیں ہیں جس کا ذکر ہم تم سے کیا کرتے تھے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرة : ۸۹)

نیز ربیع بن انس، عن ابی العالیہؒ سے روایت ہے کہ یہودی محمد صلعم کے ذریعہ مشرکین عرب

پر فتح طلب کیا کرتے تھے چنانچہ کہتے تھے "الٰہی! اس نبیؐ کو مبعوث فرما جس کا تذکرہ ہماری کتابوں میں ہے، تاکہ ہم مشرکین کو ستائیں اور قتل کریں" لیکن جب خدا نے محمدؐ کو بھیجا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ دوسری قوم سے ہیں تو عربوں سے حسد کی بنا پر اس نبیؐ سے منکر ہو گئے حالانکہ خوب جانتے تھے کہ آپ خدا تعالیٰ کے نبیؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

رہی وہ حدیث جو عبدالملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ روایت کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ یہود خیبر اور قبیلۂ غطفان میں جنگ ہوئی، جب بھی مقابلہ ہوتا یہودیوں کو ہزیمت اٹھانی پڑتی، آخر انہوں نے اس دعا کے ساتھ پناہ لی کہ

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا آخِرَ الزَّمَانِ أَلَا تَنْصُرُنَا عَلَيْهِمْ

اے اللہ! ہم تجھ سے اس محمدؐ نبی امی کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں جسے تو نے ہمارے لیے آخر زمانہ میں مبعوث کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ تو ہمیں ان کافروں پر فتح دے۔

چنانچہ وہ جب یہ دعا کرتے تو غطفان کو پیچھے دھکیل دیتے، لیکن جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو وہ لوگ منکر ہو گئے، اس پر یہ آیت اتری "وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ط

یہ حدیث حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں روایت کرنے کے بعد کہا ہے، کہ ہمیں اس کی تخریج پر ضرورت نے مجبور کیا ہے۔ یہ حدیث بھی منجملہ ان احادیث کے ہے جن کی وجہ سے اہل علم نے حاکم پر گرفت کی ہے کیونکہ اس کا راوی عبدالملک ضعیف ترین آدمی ہے اور علماء کے نزدیک متروک، بلکہ کذاب ہے۔ اس سے پیشتر یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ کی رائے اس کے متعلق بیان ہو چکی ہے۔

اس حدیث کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ باتفاق اہل تفسیر و سیر آیت " وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۝ " سب سے پہلے ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو جوارِ مدینہ میں تھے مثل بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر۔ انہیں لوگوں نے اوس و خزرج سے اتحاد کیا تھا اور پھر انہیں نے نبی کریمؐ سے ہجرت کے بعد معاہدہ کیا تھا انہوں نے جسے خود ہی توڑ بھی دیا اور ہلاک ہوئے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ نے

بنی قینقاع پر حملہ کیا پھر بنی نضیر پر فوج کشی کی کہ جن کے بارے میں سورۂ حشر نازل ہوئی پھر جنگ خندق کے بعد ہی بنی قریظہ پر دھاوا کیا۔ اس لیے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت یہود خیبر اور بنی غطفان کے متعلق نازل ہوئی ہے؟ یہ کسی ایسے جاہل کا کذب ہے جو اچھی طرح دروغ بافی بھی نہ کر سکا۔ پھر اس روایت میں کہا گیا ہے کہ یہود نے جب یہ دعا کی تو فتحمند ہو گئے۔ حالانکہ یہ بھی از سرتاپا جھوٹ ہے اور بجز اس کذاب کے کسی نے بھی ان کے متعلق یہ روایت نہیں کی ہے، حالانکہ اگر کبھی ایسا ہوا ہوتا تو بکثرت ثقہ راوی اسے روایت کرتے۔

پھر یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اس طرح کی روایت، اگرچہ اس سے آپ کی ذات کے حوالے سے دعا یا اللہ کو آپ کی قسم دلانا ظاہر ہو، ہرگز کسی حکم شرعی کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ اول تو وہ خود ہی ثابت نہیں، پھر آیت میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے اس کی تائید کا شبہ بھی ہوتا ہو، لیکن اگر وہ کسی طرح ثابت بھی ہو جائے تو بھی ضروری نہیں کہ ہمارے لیے مشروع ہو۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اگلی قوموں کے لیے جائز تھیں مگر ہمارے لیے جائز نہیں، مثلاً خود خدا نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے والدین اور بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا تھا اور یہ کہ فریق غالب نے اہل کہف کے متعلق کہا کہ۔

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾	ہم ضرور ان پر مسجد تعمیر کریں گے۔

(الکہف : ۲۱)

لیکن ہم مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے روکا گیا ہے۔ آیت میں تو صرف اتنا ہے کہ وہ کفار پر فتح مانگا کرتے تھے مگر جب آپ مبعوث ہوئے تو نہ پہچانا اور منکر ہو گئے۔ اس آیت میں "استفتاح" کے جو معنی ہیں وہی دوسری آیت

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ	اگر تم فتح چاہتے تھے تو لو فتح بھی تم نے دیکھ لی۔

(الانفال : ۱۹)

اور واضح ہے استفتاح کے معنی بجز طلب فتح و نصرت اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ فقراء و مہاجرین یعنی ان کی دعا کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے خود تصریح کر دی ہے:

وَهَلْ تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ إِلَّا	تمہیں روزی و نصرت صرف تمہارے کمزوروں یعنی

يُضْعِفَاۙ شُكُمْ بِصَلَاتِهِمْ وَدُعَائِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ ؕ	ان کی نماز، دعا اور اخلاص ہی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

آیت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ یہودی اللہ سے دعا کیا کرتے تھے کہ خاتم النبیین کے ذریعہ انہیں فتح دے، یعنی جلد اس نبیؐ کو مبعوث کرے تاکہ اس کے واسطے سے کفار پر غلبہ پائیں۔ نہ یہ کہ وہ اللہ کو اسی نبی کی قسمیں دلاتے یا اس کے طفیل مرادیں مانگتے تھے۔ اسی لیے فرمایا: "فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ"
اگر یہ معنی احادیث و آثار سے ثابت نہ بھی ہوتے جب بھی کسی کے لیے روا نہ تھا کہ آیت کو اس متنازعہ فیہ معنی پر بلا دلیل محمول کرے کیونکہ خود آیت میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو۔ پھر یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے خصوصًا جب کہ اس کے متعلق احادیث و آثار موجود ہیں۔

رہا اس روایت میں یہودیوں کی فتح یابی کا قصہ، تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ سراسر غیر معروف ہے کیونکہ یہودیوں کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے عربوں کو کسی وقت بھی شکست دی ہو بلکہ ہمیشہ خود ہی مغلوب ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے ان کے مختلف قبائل عرب کے مختلف قبائل سے اتحاد کر کے جتھے بناتے تھے، چنانچہ بنی قریظہ قبیلۂ اوس کے جتھے میں تھے اور بنو النضیر خزرج کے۔ پھر خود کلام اللہ میں ان کی شکست و ذلت کی شہادت موجود ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝	جہاں کہیں پائے جائیں گے ذلت میں دبے ہوئے ہوں گے مگر اللہ کی پناہ میں یا لوگوں کی آڑ میں۔ اور خدا کے غضب میں آئے ہوئے ہیں اور ان پر خواری برس رہی ہے کیونکہ اللہ کے حکموں سے انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے کہ بے فرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔

(آل عمران : ۱۱۲)

پس چونکہ یہودیوں پر ذلت و رسوائی کی مہر لگ چکی تھی اس لیے وہ تنہا نہ عربوں سے

آگے بڑھ سکتے تھے، نہ کسی نوع سے بلکہ ہمیشہ اپنے حلیفوں کی پناہ میں لڑائی کیا کرتے تھے ان پر ذلت کی مار اس وقت سے پڑی ہے جب سے انہوں نے عیسٰے علیہ السلام کی تکذیب کی۔ فرمایا۔

يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ	اے عیسٰی میں تجھے فوت کرنے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا، اور ان کافروں سے پاک کرنے والا اور تیرے تابعداروں کو منکروں پر قیامت تک غالب رکھنے والا ہوں۔

(آلِ عمران : ۵۵)

نیز فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۠	اے ایمان والو! تم سب اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ جیسے حضرت عیسٰے بن مریم نے کہا تھا کون میرا مددگار ہے۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان پر پختہ رہی اور ایک جماعت منکر رہی پھر ہم نے ایمانداروں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی تو وہ ان پر غالب آ گئے۔

(الصف : ۱۴)

نیز اس لیے بھی مورد عتاب ہوئے کہ وہ حضرت یحیٰی علیہ السلام اور دیگر نبیوں ؑ کے خون سے ہاتھ رنگ چکے تھے، جیسے کہ فرمایا۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۠	جہاں کہیں پائے جائیں ذلت میں دبے ہوئے ہوں گے مگر اللہ کی پناہ میں یا لوگوں کی آڑ میں اور خدا کے غضب میں آئے ہوئے ہیں اور ان پر خواری برس رہی ہے کیونکہ اللہ کے حکموں سے انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے،

(البقرۃ : ۶۱)

نظریۂ توحید

پس جب صحابہ کرام مثلاً حضرت عمرؓ وغیرہ آپ کی زندگی میں اور وصال کے بعد آپ کی قسم خود نہ کھاتے تھے نہ کسی اور کو دلاتے تھے، بلکہ صرف آپ کی سفارش و طاعت کو وسیلہ بناتے تھے تو فرشتوں، نبیوںؑ اور صالحین وغیرہ مخلوقات کو ان کی وفات کے بعد یا ان کی غیر حاضری میں پکارنا اور اُن سے دعائیں مانگنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟" خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے!

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ، أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ ، أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ط إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ٥

تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو پکارو پھر وہ تم سے تکلیف نہ دور کر سکیں گے اور نہ پھیر سکیں گے، جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے تھے کہ کون زیادہ مقرب ہے اور اسی کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ تیرے پروردگار کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ لوگ فرشتوں و نبیوںؑ مثلاً عیسےٰ و عزیر وغیرہ کو پکارا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس سے ممانعت کر دی اور بتایا ہے کہ یہ لوگ بھی خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اس کا قرب چاہتے ہیں، اور یہ کہ وہ دعا کرنے والوں کی مصیبت کو ہٹا سکتے ہیں نہ دور کر سکتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ، وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ٥

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اس کو کتاب اور علم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کے واسطے مجھے ہی خدا سمجھو، ہاں تم کتاب اللہ کو پڑھ پڑھا کر اللہ لوگ بنو۔ اور یہ حکم بھی نہ کرے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوںؑ کو اپنا مربی بنا لو کیا مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر بتلائے گا؟

(آل عمران: ۷۹، ۸۰)

اسی لیے نبی کریمؐ نے شدید ممانعت فرمادی کہ آپ کی قبر نہ مسجد بنائی جائے نہ زیارت گاہ، چنانچہ مرض الموت میں فرمایا۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۤئِهِمْ مَسَاجِدَ (يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا) ط

یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوںؑ کی قبروں کو مسجدیں بنالیا (ان کے فعل قبیح سے ڈراتے تھے۔

اور فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۤئِهِمْ مَسَاجِدَ (مؤطا)

خدایا میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کریں، ان لوگوں پر اللہ سخت غصے ہوا جنہوں نے اپنے نبیوںؑ کی قبروں کی مساجد بنالیا ہے۔

نیز فرمایا۔

لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ ط

میری ویسی تعریف نہ کرو جیسی نصاریٰ نے عیسے بن مریمؑ کی کی، میں تو محض بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

اور فرمایا۔

لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاۤءَ اللّٰهُ وَشَاۤءَ مُحَمَّدٌ بَلْ مَا شَاۤءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاۤءَ مُحَمَّدٌ ۝

یوں مت کہو کہ جو اللہ اور محمدؐ چاہے بلکہ ایسے کہو جو اللہ چاہے اور پھر (اس کے بعد) جو محمدؐ چاہے۔

ایک بدو نے آپ سے کہا۔

مَا شَاۤءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ ۝

جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔

اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

اَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا بَلْ قُلْ مَا شَاۤءَ وَحْدَهٗ ۝

کیا تو مجھے اللہ کا شریک بناتا ہے؟ بلکہ یہ کہ جو تنہا چاہے۔

اور اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اعلان فرمادیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۤءَ اللّٰهُ

تو کہدے میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع وضرر کا اختیار نہیں رکھتا ہاں جو خدا چاہے

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ ۚ

اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا بھلا کر لیتا اور مجھے کبھی تکلیف نہ پہنچتی۔

(الاعراف ۱۸۸)

اور فرمایا۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ

تو جس کو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا لیکن خدا ہی جس کو چاہے ہدایت پر لائے۔

(القصص ۵۶)

اور۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ

تجھے کوئی اختیار نہیں۔

(آل عمران ۱۲۸)

یہ ہے توحید! حالانکہ آپ اللہ کی نظر میں سید کائنات اور افضل ترین انسان ہے۔ طبرانی رہ نے "معجم کبیر" میں روایت کی ہے کہ ایک منافق مومنوں کو اذیت دیا کرتا تھا، حضرت ابوبکر رض نے کہا، چلو اس منافق سے رسول خدا کی پناہ مانگیں۔ آپ نے سنا تو فرمایا۔

إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللَّهِ ۚ

مجھ سے نہیں بلکہ صرف اللہ ہی سے پناہ حاصل کی جا سکتی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے صرف پانچ روز پیشتر فرمایا۔

إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَٰلِكَ ۚ

جو تم سے پہلے تھے قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، خبردار تم قبروں کو مساجد نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں۔

نیز صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔

لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا ۔

نہ ہی قبروں پر بیٹھو نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

صحیحین میں ابوسعید رض اور ابوہریرہ رض اور دوسرے طرق سے روایت ہے کہ فرمایا۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِي هَٰذَا، وَالْمَسْجِدِ

کجاوے نہ باندھے جائیں مگر صرف تین ہی مسجدوں کے لیے ہے، میری یہ مسجد، مسجد حرام،

الْحَرَامَ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۝ | اور مسجد اقصیٰ ۔

امام مالکؒ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے قبر نبویؐ پر آنے کی نذر مانی ہے انہوں نے جواب فرمایا، اگر قبر کا ارادہ ہے تو نہ آئے لیکن اگر مسجد کا ارادہ ہے تو آئے" پھر حدیث" لا تشد الرحال " روایت کی۔ قاضی عیاض رح نے اسے مبسوط میں ذکر کیا ہے

بندوں پر خدا کا حق

اگر کوئی شخص کسی مخلوق کی قسم کھاتا ہے تو اس کی قسم لغو ہے۔ اس بارے میں انبیاء و ملائکہ کسی کو بھی مستثنےٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح انبیاء اور مومنین کے حقوق ہیں اسی طرح اللہ کا بھی حق ہے جس میں اسے کسی کی بھی شراکت گوارا نہیں۔ اور وہ حق یہ ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بنایا جائے جیسا کہ حدیثِ معاذ رضؓ میں گذر چکا ۔ اور اللہ کی بندگی یہی ہے کہ عبادت اسی کے لیے خالص ہو، توکل اسی پر ہو، رغبت و انابت اسی کی طرف ہو، اس کی محبت و خشیت میں، اس سے دعا و استمداد میں کسی کو بھی اس کا شریک اور ساتھی نہ بنایا جائے۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے حضورؐ نے فرمایا۔

" مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللهِ دَخَلَ النَّارَ " | جو اس حالت میں مرے گا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو بھی پکارتا ہے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

کسی نے پوچھا سب سے بڑا گناہ کیا ہے ؟ ارشاد فرمایا۔

اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ ۝ | یہ کہ تو خدا کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالےٰ اپنی کتاب حمید میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۝ | یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ شرک کو معاف کر دے اس کے سوا جس کو چاہے گا، بخش دے گا۔

(النساء ۰ ۴۸)

اور فرمایا۔

(۱) فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ | پس تم دیدہ دانستہ اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ

(البقرۃ : ۲۲)

(۲) وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ؈

اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ متعدد معبود نہ بناؤ حقیقی معبود بس ایک ہی ہے۔ پس مجھ (خدا) ہی سے ڈرو۔

(النحل : ۵۱)

(۲) فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ؈

پس مجھ (خدا کی) ہی عبادت کرو۔

(العنکبوت : ۵۶)

اور فرمایا۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ، وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ؈

پس جب تو بکلی فارغ ہوجائے زیادہ محنت کیجیو اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوجائیو۔

(الم نشرح : ۸،۷)

اور سورہ فاتحہ میں ام الکتاب ہے فرمایا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؈

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

(فاتحہ)

اور فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؈

بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے سوا اور معبود بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے چاہیئے۔ اور جو مومن ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔

(البقرہ : ۱۶۵)

اور فرمایا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ؈

پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ (خدا) ہی سے ڈرو۔

(المائدہ : ۴۴)

اور فرمایا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

جو لوگ اللہ کے احکام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے تھے۔ اور اللہ کے سوا کسی اور کسے نہ ڈرتے تھے۔

(الاحزاب : ۳۹)

اسی لیے جب مشرکین حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ڈرانے لگے تو انہوں نے فرمایا۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ؟ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؟ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا۔ اس نے کہا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت کی ہے اور میں تمہارے ساجھیوں سے نہیں ڈرتا لیکن جو پروردگار چاہے۔ میرے پروردگار کو ہر چیز کا علم ہے کیا تم نصیحت نہیں پاتے، بھلا میں تمہارے ساجھیوں سے کیونکر ڈروں تم تو بے دلیل اللہ کا ساجھی بنانے سے نہیں ڈرتے، پس وہ دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ امن کا مستحق ہے اگر تم کو علم ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو بے راہی سے بچاتے رہے انہی کو امن ہو گا اور وہی راہ راست پر ہیں۔

(الانعام : ۸۲)

شرک سب سے بڑا ظلم ہے

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ جب آیت۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام : ۸۲) نازل ہوئی تو صحابہ رض بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے "ہم میں کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ؟ حضور ﷺ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا ذَالِكَ الشِّرْكُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝

وہ شرک ہے جیسا کہ اللہ کے نیک بندے (لقمان) نے کہا "اے میرے لڑکے اللہ کے ساتھ شرک نہ کر کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(لقمان : ۱۳)

اور فرمایا۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کریں گے اور خدا سے ڈرتے رہیں گے اور بچیں گے پس وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(النور : ۵۲)

اس میں خدا اور رسولؐ دونوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کیونکہ رسولؐ کی اطاعت بعینہٖ خدا کی اطاعت ہے۔ لیکن خشیت و تقویٰ کو صرف اللہ ہی کے لیے خاص رکھا ہے کیونکہ یہ سوائے اس کے کسی اور کے لیے روا نہیں۔

اور فرمایا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ

پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ (خدا) ہی سے ڈرو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے بدلے میں فروخت نہ کرو۔

(المایدہ : ۴۴)

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

سو اس (شیطان) کے دوستوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔

(آل عمران : ۱۷۵)

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُونَ ۚ

اور اگر یہ لوگ اللہ اور رسولؐ کے دیئے ہوئے پر راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے بہت جلد اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسولؐ ہم کو دیں گے بیشک ہم اللہ کی طرف راغب ہیں۔

(التوبہ : ۵۹)

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

اور جو اللہ کا رسولؐ تم کو حکم کرے اس کو اپنا لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ۔

(الحشر : ۷)

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضؓ سے آیت "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اس وقت کہا جب آگ میں ڈالے گئے تھے اور محمد (صلعم) نے اس وقت کہا جب لوگوں نے آکر مشہور کیا "

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝

کہ سب لوگ تمہارے مارنے کو جمع ہوئے ہیں تو تم ان سے ڈرتے رہو تو ان کو ایمان میں ترقی ہوئی اور بولے اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

(آلِ عمران : ۱۷۳)

اور فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے نبیؐ تیرے لیے اور تیرے تابعداروں کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

(الانفال : ۶۴)

اس کے معنی تمام سلف وخلف کے نزدیک یہی ہیں کہ تنہا اللہ ہی آپ کے لیے اور آپ کے متبعین اہل ایمان کے لیے کافی ہے، جیسا کہ مدلل بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ اس طرح کہ انبیاء ہی خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور اس کا امر و نہی اور وعدہ و وعید پہنچاتے ہیں۔ پس حلال وہی ہے جسے خدا اور اس کے نبیؐ نے حلال کہا ہے اور حرام وہی ہے جسے خدا اور اس کے نبی نے حرام قرار دیا ہے اور دین وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر کر دیا ہے۔

اللہ اور رسولؐ کی محبت

اس بنا پر ہمارے لیے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کریں، اور اس کے رسولؐ کی اتباع کریں، اللہ اور اس کے رسولؐ کو خوش رکھیں۔ فرمایا۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

(النساء : ۵۹)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؕ

جو شخص خدا کے رسولؐ کی تابعداری کرتا ہے وہ اللہ کی تابعداری کرتا ہے۔

(النساء : ۸۰)

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞

حالانکہ اللہ اور اس کا رسولؐ راضی کیئے جانے کے زیادہ حقدار ہیں اگر ایماندار ہیں۔

(التوبۃ : ۶۲)

اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی بند اور بیویاں اور کنبے اور برادری کے لوگ اور تمہارے مال واسباب جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے خسارہ سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسند ہیں تو صبر کرو جب تک کہ خدا اپنا حکم بھیجے۔

(التوبۃ : ۲۴)

صحیحین میں حضرت انس رضؓ سے منقول ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ ؕ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّنْ سِوَاهُمَا وَمَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَّرْجِعَ فِى الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ

تین باتیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائیگا: جسے اللہ اور اس کا رسولؐ ماسوا سے زیادہ پیارا ہوگا، جو کوئی کسی سے محض اللہ کے لیے محبت کرے گا، کفر سے نکل آنے کے بعد اس میں لوٹنے کو ویسا ہی ناپسند کرے گا جیسا کہ آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

اے رسول! ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ

لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۔

اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو، اور اس کو صبح شام پاکی سے یاد کرو۔

(الفتح ۸، ۹)

توحید باری تعالےٰ

پس خدا اور اس کے نبیؐ پر ایمان ہونا چاہیئے، نبیؐ کی عزت و احترام اور نصرت و حمایت ہونی چاہیئے، صبح و شام صرف اللہ ہی کی تسبیح ہونی چاہیئے کیونکہ یہ عبادت ہے۔ اور عبادت صرف اسی کے لیے سزاوار ہے، نماز صرف اُسی کے لیے ہونی چاہیئے، روزہ صرف اسی کی رضا کے لیے ہونا چاہیئے، حج صرف اُسی کے گھر کا ہونا چاہیئے، شدِّ رحالؔ صرف تین مساجد ہی کی طرف ہونا چاہیئے، کیونکہ انبیاء نے انہیں اللہ کے حکم سے بتایا ہے، نذر صرف اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیئے، قسم صرف اللہ ہی کی کھانی چاہیئے، دعا صرف اللہ ہی سے کرنی چاہیئے، اور پکار صرف اللہ ہی کی ہونی چاہیئے۔ ان باتوں میں اللہ کو کسی کی بھی شرکت پسند نہیں، کیونکہ یہ صرف اسی کے لائق ہیں۔

حیوانات و نباتات، سورج، چاند، بارش غرضکہ اپنی تمام مخلوقات کے پیدا کرنے میں اس نے کسی مخلوق کو بھی واسطہ قرار نہیں دیا بلکہ اس نے خود ہی انہیں بھی اور ان کے اسباب کو بھی پیدا کیا ہے۔ کوئی مخلوق بھی معدوم کو موجود نہیں کر سکتی، کیونکہ وجود کے لیے اسباب کا مہیا ہونا اور رکاوٹوں کا دور ہونا ضروری ہے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی طاقت سوائے اللہ کے اور کسی میں بھی نہیں، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ لیکن تبلیغ و رسالت کا معاملہ الگ ہے، اس نے اسے سرانجام دینے کے لیے واسطہ بنایا ہے اور وہ واسطہ خود اس کا نبیؐ ہوتا ہے جو اس کے حکم سے اس کے احکام بندوں تک پہنچاتا ہے۔

رہا بندوں کے دلوں میں ہدایت پیدا کرنا تو اس کی طاقت نبیؐ کو بھی نہیں، ہدایت محض اللہ ہی کے فضل سے آتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ فرمایا۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ

تم جس کو چاہو ہدایت نہیں کر سکتا لیکن خدا ہی جس کو چاہے ہدایت پر لائے۔

(القصص ۵۶)

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد ط والی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ ط	اگر تو ان کی ہدایت کی خواہش بھی کرے تو اللہ جس کو گمراہ کر چکے اس کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

(النحل : ۳۷)

یقیناً انبیاء کی دعا، شفاعت، استغفار، ایک ایسی چیز ہے جو نافع ہے، مگر اس شرط سے کہ مستحق کے لیے ہو، ورنہ اگر نبیؐ کفار و منافقین کے لیے دعا کرنے لگے تو اس کی دعا کچھ بھی فایدہ نہیں دے گی۔ جیسا کہ فرمایا۔

سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط	اے نبیؐ ان کے حق میں برابر ہے کہ تو بخشش مانگے یا نہ مانگے خدا ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

(المنافقون : ۶)

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ انبیاء ہم تک ہمارے اللہ کا امر و نہی اور وعدہ و وعید پہنچانے والے ہیں تو ہم پر فرض ہو گیا کہ ان کی لائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق اور ان کے دیئے ہوئے تمام احکام کی اطاعت کریں۔ نیز ہم پر فرض ہوا کہ تمام انبیاء کی تصدیق کریں اور کسی کو بھی اس سے الگ نہ کریں۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک کو بھی ملعون کرنے والا کافر و مرتد ہے اس کا قتل جائز ہے۔ لیکن باوجود اس تمام تصدیق و طاعت و تعظیم کے جب توحید کا مسئلہ سامنے آئے گا تو ہمیں صاف کہنا پڑے گا کہ جو حق اللہ کے ہیں ان میں انبیاء بھی اس کے ساجھی نہیں، انہیں اللہ کا شریک نہ بنایا جائے گا، تو ان پر توکل و تکیہ نہ کیا جائے گا، ان سے پناہ نہ طلب کی جائے گی، ان کی قسم اللہ کو نہ دلائی جائے گی، ان کی ذات کو وسیلہ نہ بنایا جائے گا، بلکہ ان کے ایمان، ان کی محبت و اطاعت ان کی تعظیم و تکریم ان کے اعدا کی دشمنی، ان کی لائی ہوئی ہدایت کی تصدیق ان کی حلال کی ہوئی چیزوں کی تحلیل اور ان کی حرام کی ہوئی چیزوں کی تحریم کو نجات کا وسیلہ قرار دیا جائے گا۔

اس طرح وسیلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے اس عمل کو قبولیت دعا کا وسیلہ بنائے جیسا کہ غار میں پناہ لینے والے تین اشخاص نے کیا تھا کہ اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ قرار دے کر دعا کی اور دوسرے یہ کہ اپنے عمل کو اللہ کے ثواب، جنت اور خوشنودی کا وسیلہ بنائے، کیونکہ بات مسلّم و معلوم ہے کہ اعمال صالحہ جن کا نبی کریمؐ نے حکم دیا ہے، دنیوی و اخروی سعادت و سرفرازی کا مکمل وسیلہ ہیں۔ اس کی مثال ویسی ہے جیسی مومنین کے اس

قل میں بیان کی گئی ہے کہ:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝

اے ہمارے مولا! ہم نے ایک پکارنے والے (محمدؐ) کو ایمان کے لیے پکارتے ہوئے سنا کہ اپنے رب کو مان لو پس ہم مان گئے اے ہمارے مولا! تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہم کو نیک بختوں کے ساتھ موت دے۔

(آلِ عمران: ۱۹۳)

اس میں مومنوں نے دعا سے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے تاکہ وسیلہ بن سکے۔ اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے پس تو ہم کو بخش اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(المومنون: ۱۰۹)

اس کی مثالیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔

اسی طرح نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ دو طرح پر ہوگا، ایک یہ کہ آپ سے درخواست کی جائے اور آپ دعا و شفاعت فرمائیں جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا اور جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا اور جیسا کہ قیامت کے روز ہوگا کہ مخلوق، آدمؑ و نوحؑ، ابراہیمؑ خلیل موسےٰ کلیم، اور عیسےٰ روح اللہ (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) کے بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے آخر میں حاضر ہوگی، اور آپؐ شفاعت کریں گے۔ اور دوسرے یہ کہ آپ سے درخواست کے ساتھ خدا سے دعا کی جائے کہ آپ کی شفاعت و دعا قبول فرمائے جیسا کہ حدیثِ اعمیٰ میں ہے کہ اس نے آپ سے دعا و شفاعت چاہی، آپ نے اسے منظور کیا، اور دعا و شفاعت کی، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ خود بھی دعا کرے کہ اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے۔ لیکن اگر یہ صورت نہ ہو یعنی آپ سائل کے حق میں دعا نہ کر رہے ہوں تو پھر

آپ کی دعا سے وسیلہ ایک معدوم شے سے وسیلہ ہو گا۔ آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ اسی وقت وسیلہ ہے جب آپ دعا کریں، ورنہ وہ وسیلہ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح سے استسقاء میں حضرت عمرؓ کی دعا ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ اور مسلمانوں نے حضرت عباسؓ کی دعا کو وسیلہ بنایا مگر ساتھ ہی خود بھی دعا کی تھی۔ اس طرح نبیؐ کی اتباع اور آپ کی شفاعت دونوں وسیلوں کے لیے ضروری ہوا کہ خود وسیلہ چاہنے والا بھی ساتھ ساتھ دعا کرے، ورنہ وہ وسیلہ نہ ہو گا۔ وسیلہ کی یہ چار قسمیں ہیں اور سب کی سب مشروع، اہل علم و ایمان میں سے کوئی بھی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔

اسلام کے دو جزو

دین اسلام دو بنیادوں پر قائم ہے ایک "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور دوسرے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنایا جائے، یعنی کسی مخلوق سے ویسی محبت نہ کی جائے جیسی اللہ سے کی جاتی ہے، کسی مخلوق سے ویسی امید نہ لگائی جائے جیسی اللہ کی ذات سے لگائی جاتی ہے، کسی سے اس طرح ڈرا نہ جائے جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے، کیونکہ ان باتوں میں کسی مخلوق کو بھی خالق کے برابر رکھنا، اللہ کے مثل بنانا اور اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانا ہے اگرچہ ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھے کہ اللہ ہی نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب بھی اس بات کے قائل تھے کہ خدا ہی نے کائنات پیدا کی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ	اگر تو ان کو پوچھے کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ نے

(الزمر : ۳۸)

لیکن باوجود اس اقرار کے بھی مشرک تھے اور اللہ کے ساتھ دیگر معبود بنا رکھے تھے فرمایا۔

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ	تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ تو کہہ کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔

(انعام : ۱۹)

اور فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے سوا اور معبود بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے خدا سے چاہیئے۔ اور جو مومن ہیں وہ سب سے زیادہ دل لگاؤ اللہ سے رکھتے ہیں۔

(البقرۃ : ۱۶۵)

وہ مشرک ہو گئے نہ اس لیے کہ اپنے معبودوں کو اللہ کے ساتھ خالق مانتے تھے بلکہ اس لیے کہ وہ اُن سے اللہ کی سی محبت کرتے تھے کیونکہ وہ خالق تو محض اللہ ہی کو تسلیم کرتے تھے اور اس صفت میں کسی کو بھی اس کا شریک نہ بناتے تھے جیسا کہ فرمایا۔

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ

جن لوگوں کو انہوں نے اللہ کا ساجھی بنا رکھا ہے کیا انہوں نے بھی خدا جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے کہ مخلوقات ان پر مشتبہ ہو گئی ہیں۔

(الرعد : ۱۶)

یہ استفہام انکاری ہے یعنی انہوں نے ایسے شریک نہیں بنائے جنہوں نے (ان کے خیال میں بھی) اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی، بلکہ صاف اقرار کرتے رہے کہ ان کے معبودوں نے ہرگز کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی۔ یہ تو انہوں نے نہیں کیا البتہ انہیں اپنا شفیع اور واسطہ قرار دیا اور اسی لیے اللہ کے نزدیک مشرک ٹھہرے۔ فرمایا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع دیں اور نہ نقصان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں تو کہہ کیا تم اللہ کو ان کی باتوں کی خبر بتلاتے ہو جن کو وہ آسمانوں اور زمینوں میں نہیں جانتا۔ وہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بلند ہے۔

(یونس : ۱۸)

اور صاحبِ یٰسین نے کہا۔

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ، إِنِّي إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ط

(کہا) میرا کیا عذر کہ میں اس خدا کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اس کی طرف تم بھی رجوع ہو۔ کیا میں اس کے سوا اوروں کو بھی معبود بناؤں حالانکہ خدائے رحمان اگر مجھ کو کسی قسم کا ضرر پہنچانا چاہے تو ان کی تو سفارش بھی میرے کسی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں گے کچھ شک نہیں کہ میں فوراً ہی صریح گمراہی میں جا پڑوں گا۔ یقیناً میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں پس تم میری سنو۔

(یٰس: ۲۲ تا ۲۵)

یہ اسلام کی پہلی بنیاد ہے، اور دوسری بنیاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی بندگی اسی طریق سے کریں جس طریق پر اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ہمیں بتادی ہے۔ پس اس کی عبادت صرف واجبات و مستحبات ہی سے ہونا چاہیئے، رہا مباح تو اگر اس سے نیت، طاعت الٰہی ہو تو وہ بھی مستحب میں داخل ہے۔ دعا بھی منجملہ عبادات کے ہے اس لیے صرف اللہ ہی سے ہونی چاہیئے۔ جو کوئی مردہ یا غیر حاضر مخلوقات سے دعا کرتا، پناہ مانگتا اور فریاد کرتا ہے، تو چونکہ اس فعل کا نہ اللہ نے حکم دیا نہ اس کے رسول ؐ نے اسے واجب یا مستحب بتایا، اس لیے وہ بدعت ہے، اس کا مرتکب بدعتی کے ساتھ شرک کرنے والا اور غیر سبیل المومنین پر چلنے والا ہے اس طرح جو کوئی کسی مخلوق کی ذات کے واسطہ سے دعا کرتا یا خدا کو مخلوقات کی قسم دلاتا ہے وہ بھی ایک ایسی بدعت کا مرتکب ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ اگر ایسا شخص اس بدعت کے مخالف کی مذمت کرتا یا اُسے سزا دینا چاہتا ہے تو ظالم و جاہل ہے۔ اگر اس کے جواز کا حکم دیتا ہے تو ایک ایسا حکم دیتا ہے جو خدا کے دین کے بالکل خلاف اور باجماع مسلمین مردود ہے، اس کے حکم کی تعمیل اور اس کی مدد کے بجائے اس سے توبہ طلب کرنی چاہیئے، کیونکہ وہ خود سزا پانے کے لائق ہے۔ یہ سب باتیں تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہیں کسی نے بھی ان میں نزاع نہیں کیا؛ نہ ائمہ اربعہ نے اور نہ دوسرے علماء نے۔ ان امور پر مفصل بحث ہم ضخیم کتابوں میں کر چکے ہیں، جن میں ایک مستقل کتاب

خاص اس بحث پر ہے کہ حکام کے لیے کن مسائل میں حکم دینا جائز ہے اور کن مسائل میں نہیں۔ یہاں اس کو دہرانے کا موقع نہیں کیونکہ اس وقت ہمارا موضوع توحید اور اس کے متعلقات ہیں۔

باب (۴)

سنہ ۱۱۷ھ میں جب میں مصر میں تھا تو رسول اللہ کو وسیلہ بنانے کے متعلق میرے سامنے ایک استفتاء پیش کیا گیا تھا، جس کا میں نے مفصل جواب لکھا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یہاں درج کر دیا جائے، کیونکہ توحید اور اس کے متعلقات، شرک اور اس کے سدِ باب پر بحث جتنی مفصل اور متنوع ہوگی، اتنا ہی فایدہ زیادہ اور نورٌ علی نور ہوگا، واللہ المستعان۔

استفتا اور اس کا جواب درج ذیل ہے۔

استفتاء

علماء کرام ائمہ دین سے درخواست ہے کہ یہ مسئلہ بیان فرمائیں کہ انبیاء کو وسیلہ بنانے اور ان سے شفاعت چاہنے کی کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز ؟

جواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ،

مسئلہ شفاعت اور مذہب اہلِ سنت

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ قیامت کے دن مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے، مگر بعد اس کے کہ مخلوق آپ سے شفاعت کی درخواست کرے، نیز اللہ آپ کو اس کی اجازت دیدے۔ اس بارے میں اہلِ سنت والجماعت وہی کہتے ہیں جس پر صحابہؓ کا اجماع تھا اور جسے متعدد احادیث ثابت کر رہی ہیں، یعنی یہ کہ نبی صلعم اپنی اُمت کے گنہگاروں حتیٰ کہ اہلِ کبائر کی بھی شفاعت کریں گے، نیز تمام مخلوق کے لیے بھی شفاعت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو کئی قسم کی شفاعتیں حاصل ہیں بعض خاص ہیں جن میں کوئی بھی شریک نہیں، اور بعض عام ہیں جو دوسرے نبیوں، صالحین کو بھی حاصل ہیں، مگر ان میں بھی آپ کا حصہ سب سے زیادہ اور بہتر ہے کیونکہ آپ مخلوقات میں سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہیں۔ آپ کے مناقب و محاسن خواص اتنے ہیں کہ یہاں بیان نہیں ہو سکتے، انہیں میں ایک مقامِ محمود ہے جس پر تمام اگلے پچھلے رشک کریں گے۔

شفاعت کی حدیثیں بہت ہیں اور متواتر ہیں۔ متعدد حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں اور بہت سی سنن و مسانید میں ملتی ہیں۔ لیکن وعیدیہ (خوارج کا ایک فرقہ ہے) اور معتزلہ کہتے ہیں کہ آپ صرف مومنین کے لیے ہی شفاعت کریں گے اور یہ کہ شفاعت صرف رفع درجات کے لیے ہوگی ان میں سے بعض تو شفاعت کے قطعی طور پر منکر ہیں۔

حضورؐ کی حیات میں صحابہ کی دعا کے لیے درخواست

تمام علماء متفق ہیں کہ صحابہؓ آپ کی حیات اور موجودگی میں آپ سے شفاعت چاہتے اور آپ کو وسیلہ بناتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ، عباس بن عبدالمطلبؓ کے واسطہ سے بارش کے لیے یوں دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا اَجْدَبْنَا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا ط

الٰہی جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے حضور اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور تو سیراب کر دیتا تھا، آج ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں تو ہمیں سیراب کر دے۔

نیز بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ نبی کریمؐ بارش کے لیے دعا مانگ رہے ہوتے اور میں چہرۂ انور پر نظریں جماتے شاعر کا یہ شعر دل میں پڑھتا ہوتا ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ | ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

گورے رنگ والا جس کے مبارک چہرہ سے بادلوں سے پانی چاہا جاتا ہے یتیموں کا سہارا ہے اور بیواؤں کا والی۔

آپ دعا ختم کر کے منبر سے اترنے بھی نہ پاتے کہ پرنالے چلنے لگتے۔ سابق حدیث میں حضرت عمرؓ کا قول "

"ہم اپنے نبیؐ کو وسیلہ بناتے تھے"

تمام احادیث استسقا میں بطور تفسیر و تشریح کے آیا ہے، اور اس سے مقصود طلب شفاعت ہے، یعنی یہ کہ صحابہؓ آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کرتے تھے اور اللہ

سے التجا کرتے تھے کہ آپ کی دعا و شفاعت قبول فرما لے۔ خود ہم بھی آپ کو ، ہمارے ماں باپ قربان ! اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے ہیں ، اللہ تعالے قبول فرمائے !"

اسی طرح جب شام میں قحط پڑا تو معاویہ بن ابی سفیانؓ نے یزید بن الاسود رضہ الجرشی کو دعا میں وسیلہ بنایا ، انہوں نے کہا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَشْفِعُ (اَوْنَتَوَسَّلُ) بِخِيَارِنَا يَا يَزِيْدُ اِرْفَعْ يَدَيْكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا وَدَعَا النَّاسُ حَتّٰى سُقُوْا ٥

الٰہی ، ہم اپنے شرفاء کی سفارش (یا وسیلہ) لائے ہیں ۔ اے یزید اپنے ہاتھ اٹھا ۔ چنانچہ یزید نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی نیز تمام مسلمانوں نے دعا کی اور پانی برسنے لگا ۔

اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ بارش کے لیے دینداروں اور نیکو کاروں کے واسطہ سے دعا کی جائے اور اگر وہ اہل بیت میں سے ہوں تو بہتر ہے ۔

حقیقتِ توسل اس استشفاع و توسل کی حقیقت صرف دعا چاہنا ہے ، چنانچہ جس سے شفاعت یا دعا کی درخواست کی جاتی ہے وہ دعا کرتا ہے ، اور لوگ اس کے ساتھ مل کر دعا کرتے ہیں ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب حضورؐ کے زمانہ میں قحط پڑا تو ایک بدو حاضر ہوا اور کہنے لگا " یا رسول اللہ ، مال و متاع تباہ ہو گیا اور راستے بند ہو گئے آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہمیں اس مصیبت سے بچائے " چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی ۔

اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا

الٰہی ہمیں بچا ، ہمیں بچا ، ہمیں بچا ۔

حدیث میں ہے کہ آسمان بالکل صاف تھا ، کہیں ایک ٹکڑا بھی بادل کا نہ تھا کہ اچانک سمندر کی جانب سے بادل اٹھا اور بارش شروع ہو گئی ، پورا ایک ہفتہ گذر گیا اور کسی نے سورج نہ دیکھا ۔ جب حالت یہ ہوئی تو وہی یا کوئی اور بدو حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا " اے رسول خدا ! تمام راستے بند ہو گئے اور مکانات گر پڑے ، دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اس سے بچائے "

آپ نے پھر ہاتھ اٹھائے اور دعا کی ۔

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ ٥

اے اللہ ! ہم پر نہیں ہمارے ارد گرد ، الٰہی جھاڑیوں ، جنگلوں ، کھیتوں اور وادیوں پر ۔

فوراً بادل اس طرح پھٹا جس طرح کپڑا پھٹتا ہے اور دیکھتے دیکھتے آسمان صاف ہوگیا۔ یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں مشہور ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرمؐ سے درخواست کی۔

إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ ۔	ہم آپ کی سفارش اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے سامنے لاتے ہیں۔

اللہ کو کسی مخلوق کے سامنے سفارشی نہیں بنایا جا سکتا

یہ سن کر آپ نے سبحان اللہ سبحان اللہ، کہنا شروع کیا یہاں تک کہ خوف سے صحابہ رضؓ کے چہرے متغیر ہو گئے پھر فرمایا۔

وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا تَقُولُ؟ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُسْتَشْفَعُ بِهِ عَلَى أَحَدٍ مِنْ خَلْقِهِ شَأْنُ اللّٰهِ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ ۔	نادان تو سمجھتا بھی ہے جو کچھ کہہ رہا ہے اعلا کی سفارش اس کی کسی مخلوق کے روبرو نہیں کی جا سکتی، اللہ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ اور صحابہ رضؓ کے محاورے میں کسی شخص سے شفاعت چاہنے کا مطلب اس کی دعا سے شفاعت چاہنا تھا نہ کہ اس کی ذات سے ....

کیونکہ اگر ذات سے شفاعت و وسیلہ مراد ہوتا تو اللہ کے واسطہ سے مخلوق سے سوال، مخلوق کے واسطہ سے اللہ سے سوال کرنے سے اولیٰ تھا، مگر چونکہ اس کا مطلب یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس لیے نبی صلعم نے۔

نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ ۔	اللہ کو آپ کے سامنے سفارشی بناتے ہیں،

کو ناپسند فرمایا اور

نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ ۔	آپ کی سفارش اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

پر اعتراض نہیں کیا۔ اور یہ اس لیے کہ جس ذات سے دعا مقصود ہوتی، شفیع اس سے درخواست کرتا ہے کہ سائل کی حاجت روائی کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا اپنے بندہ سے التجا نہیں کر سکتا کہ سائل کی مراد پوری کر دے۔ رہا شاعر کا یہ کہنا کہ۔

شَفِيعِي إِلَيْكَ اللّٰهُ لَا رَبَّ غَيْرُهُ ÷ وَلَيْسَ إِلَى رَدِّ الشَّفِيعِ سَبِيلٌ

تیرے پاس میرا سفارشی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی رب نہیں، اور اس سفارشی کی سفارش رد کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

اسی طرح بعض "اتحادیہ" (ایک گمراہ فرقے کا نام ہے) کی یہ روایت کہ رسول اللہ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی سفارش پیش کی گئی، تو یہ سب غلط اور گمراہی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سے درخواست نہیں کرتا، خود اس سے التجائیں کی جاتی ہیں اور اسی سے دعائیں ہوتی ہیں، اور وہی حاجت روائی کرتا ہے۔ اطاعت صرف اسی کی اطاعت ہے اور کسی کی نہیں۔ البتہ چونکہ خود اس نے اپنے انبیاء کی بھی اطاعت فرض کر دی ہے، اس لیے ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ان کی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہے۔ کیونکہ نبی، اللہ کا پیغام پہنچاتے اور اس کے امر و نہی سے باخبر کرتے ہیں، اس لیے جو ان کی اطاعت کرتا ہے، خدا کی اطاعت کرتا ہے اور جو ان سے بیعت کرتا ہے، خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہے۔ فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ؕ	اور رسول ہم اس لیے بھیجتے ہیں کہ ہمارے حکم سے لوگ اس کی تابعداری کریں۔

(النساء : ۶۴)

اور فرمایا۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ؕ	جو شخص خدا کے رسول کی تابعداری کرتا ہے وہ اللہ کی تابعداری کرتا ہے۔

(النساء : ۸۰)

اولوالامر کی اطاعت مشروط

اسی طرح علماء اور حکومت میں سے اولوالامر کی اطاعت بھی ضروری ہے مگر صرف اسی وقت جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ فرمایا۔

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي عُسْرِهِ وَيُسْرِهِ وَمَنْشَطِهِ وَمَكْرَهِهِ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ ؕ	جب تک اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے مسلمان پر تنگی و فراخی، تکلیف و راحت ہر حال میں اطاعت واجب ہے، لیکن جب اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ضروری ہے نہ اطاعت کرنا۔

اور فرمایا۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ؕ | خالق کی نافرمانی کی صورت میں کسی مخلوق کی بھی اطاعت جائز نہیں۔

شفاعت کی مقبولیت ضروری نہیں

رہا سفارش کرنے والا تو وہ ایک سائل ہے اور سفارش میں اس کی اطاعت واجب نہیں اگرچہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب بریرہ رضؓ آزاد ہو گئی، اور اسے اختیار مل گیا کہ اپنے خاوند کے ساتھ رہے یا الگ ہو جائے، تو اس نے خاوند کو الگ کر دیا جس سے وہ نہایت رنجیدہ ہوا اور رات دن آہ و فغاں کرنے لگا، رسول اللہ صلعم کو اس کی حالت پر ترس آیا اور بریرہ رضؓ سے فرمایا کہ جدا نہ کرے، اس پر اس نے پوچھا۔ " اَتَأْمُرُنِي " (کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا " لَا اِنَّمَا اَنَا شَافِعٌ " نہیں میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں۔ دیکھو عورت نے فوراً پوچھا کیا آپ حکم دیتے ہیں؟ اور آپ نے جواب دیا کہ حکم نہیں دیتا بلکہ سفارش کرتا ہوں، تو چونکہ مسلمانوں کے ہاں یہ مسلّم تھا کہ رسول اللہ کا حکم واجب الامتثال ہے نہ کہ آپ کی شفاعت و سفارش، اس لیے جب بریرہ رضؓ نے آپ کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا تو اُسے ذرا بھی ملامت نہ کی۔ جب نبی کریمؐ کی شفاعت کا یہ حال ہے تو اور مخلوقات کی شفاعت کیا حیثیت رکھتی ہے؟ پھر اللہ جلّ شانہ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلےٰ ہے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کے سامنے سفارشی بن کر جائے اور اس کے سامنے کوئی بغیر اس کی اجازت شفاعت کی جرأت کر سکے۔ فرمایا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ | اور کہتے ہیں رحمان نے اولاد بنائی ہے وہ پاک ہے۔ بلکہ یہ تو اس کے معزز بندے ہیں اس کے سامنے بات بھی نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے فرمودہ پر عمل کرتے ہیں۔ وہ ان سے پہلے اور پچھلے واقعات بھی جانتا ہے اور وہ سفارش بھی نہیں کرتے مگر جس کے حق میں خدا پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے کانپتے ہیں اور جو کوئی ان میں کا کہیں کہہ دے کہ میں بھی خدا سے ورے ایک معبود ہوں

فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝	تو اس کو ہم جہنم کی سزا دیں۔ اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(الانبیاء : ۲۶ تا ۲۹)

رسول اللہ کی شفاعت کے مستحق کون لوگ ہیں؟

سابق حدیث بتاتی ہے کہ نبی صلعم کی شفاعت خدا تعالےٰ کے روبرو پیش کی جا سکتی ہے، یعنی آپ کو دنیا و آخرت میں شفیع بنانا جائز ہے آخرت میں آپ کی شفاعت یہ ہوگی کہ اللہ تعالےٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ کرے اور انہیں جنت میں داخل کرے، نیز آپ اپنی امت کے اہل کبائر اور بعض ایسے لوگوں کے لیے بھی شفاعت فرمائیں گے جو دوزخ کے مستحق ہونگے کہ ان پر رحم کیا جائے اور بعض جو دوزخ میں جا چکے ہونگے نکال لیے جائیں گے۔

جمہور علماء و ائمہ متفق ہیں صالحین اور ثواب کے مستحقین کے لیے آپ شفاعت فرمائیں گے لیکن بہت سے بدعتی، خارجی اور معتزلی اہل کبائر کے لیے حضورؐ کی شفاعت کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کے لیے آپ بالکل شفاعت نہ کریں گے، کیونکہ ان کے خیال میں اہل کبائر کی مغفرت نہ ہوگی اور نہ دوزخ میں جانے کے بعد وہ نکالے جائیں گے۔ ان کے برعکس صحابہؓ و تابعین، ائمہ اسلام اور تمام اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آپ اہل کبائر کے لیے بھی شفاعت کریں گے اور یہ کہ مومنین میں سے کوئی بھی جہنم میں ہمیشہ کے لیے نہ رہے گا بلکہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ ایک نہ ایک دن عذاب سے رہائی پائے گا۔

دعا و شفاعت کی درخواست زندگی میں ہی درست ہے

لیکن یہ استسقاء (پانی مانگنا) استشفاع (شفاعت چاہنا) اور توسّل (وسیلہ بنانا) آپ سے ہو یا کسی دوسرے سے صرف زندگی ہی میں ہو سکتا ہے، یعنی یہ کہ حیات مبارک میں آپ سے دعا کی التجا کی جاتی اور آپ دعا کر دیتے۔ صحابہؓ آپ کو جو وسیلہ بناتے تھے تو اس کا مقصود ہے کہ آپ کی دعا وسیلہ ہوتی ہے، اور شفاعت بھی دعا ہے۔

اس کے برعکس آپ کی موجودگی یا عدم موجودگی یا وصال کے بعد آپ کی ذات سے وسیلہ

چاہنا، مثلاً اللہ کو آپ کی یا کسی اور نبیؐ کی ذات کی قسم دلاتا، یا ان کی دعاؤں کو چھوڑ کر صرف ان کی ذات کے واسطہ سے دعا کرنا، تو یہ بات صحابہ رضؓ و تابعین میں مشہور نہ تھی، بلکہ ان کا عمل اس کے برعکس تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضؓ بن الخطاب رضؓ، معاویہ بن ابی سفیان رضؓ اور ان کے ساتھ کے تمام صحابہ رضؓ و تابعینؒ نے جب قحط پڑا، تو دعا میں ان لوگوں کو وسیلہ بنایا جو زندہ تھے مثلاً عباس بن عبدالمطلب اور یزید بن الاسود، اور ایسی سخت تکلیف میں بھی نہ رسول اللہ کو وسیلہ بنایا نہ آپ سے دعا کی التجا کی، نہ آپ کی قبر مبارک پر جا کر نہ کہیں اور، بلکہ آپ کے بجائے زندہ لوگوں کو لیا، اور حضرت عمر رضؓ نے اپنی دعا میں اس فعل کی تشریح یہ کہہ کر دی کہ "اے اللہ ہم تیرے سامنے اپنے نبیؐ کا وسیلہ لایا کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا اب ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لائے ہیں، ہمیں سیراب کر" حضرت عمر رضؓ اور صحابہ رضؓ نے حضرت عباس رضؓ کے وسیلہ کو رسول اللہ کے وسیلہ کا بدل قرار دیا کیونکہ اب وفات کے بعد آپ سے اس طرح وسیلہ چاہنے کی کوئی مشروع صورت باقی نہ رہی تھی، اور اگر ہوتی تو ان کے لیے آسان تھا کہ سیدھے حضورؐ کی قبر پر چلے جاتے اور اس طرح کی کوئی دعا کرتے جس طرح کی بعض لوگ کیا کرتے ہیں، مثلاً کہتے کہ اے اللہ ہم تجھے تیرے نبیؐ کا واسطہ دیتے یا تیرے نبیؐ کی حرمت سے سوال کرتے ہیں۔

رسول اللہ کی جاہ و حرمت کا واسطہ

بعض جاہل یہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا "جب دعا کرو تو میرے جاہ و حرمت کا حوالہ دیا کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا جاہ بہت بڑا ہے" یہ حدیث سراسر جھوٹی ہے اور مسلمانوں کی کسی ایسی کتاب میں موجود نہیں جو محدثین کے ہاں معتبر ہو بلکہ کسی محدث نے بھی اسے روایت نہیں کیا اور نہ کسی نے اس کی تصدیق کی ہے یہ بالکل درست ہے کہ نبی کریمؐ کا جاہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمام انبیاء و مرسلین کے جاہ سے بلند تر ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے بتایا ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السّلام وجیہ ہیں۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا

اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ بننا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی تو خدا نے ان کی بیہودہ گوئی سے اس کو پاک کیا اور وہ خدا کے نزدیک ایک بڑی عزت والا تھا۔

(الاحزاب: ۶۹)

اور فرمایا۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ○	جب فرشتے نے مریم سے کہا کہ خدا تجھے اپنے ایک علم کی خوشخبری دیتا ہے اس کا نام مسیح بن مریم ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں بڑی عزت والا اور مقرب بندوں سے ہوگا۔

(آل عمران : ۴۵)

پس جب موسیٰ و عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجیہ ہیں تو پھر نبی کریمؐ کی جاہ کا کیا پوچھنا ہے کہ آپ سید ولدِ آدم ہیں صاحبِ مقام محمود ہیں کہ جس پر تمام اگلے پچھلے رشک کریں گے، کوثر و حوض کے پانے والے ہیں کہ جس کے آبخورے آسمان کے ستاروں کی طرح ان گنت ہوں گے اور جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور ایسا ہوگا کہ جو ایک مرتبہ پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، قیامت کے دن شفاعت کریں گے جب کہ تمام مرسلین اس سے شرما جائیں گے، آدمؑ و نوحؑ، ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) میں سے کوئی بھی اس کے لیے آگے نہ بڑھے گا تو اس وقت آگے بڑھیں گے اور شفاعت کریں گے پھر آپ ہی صاحبِ لواء ہیں۔ کہ جس کے نیچے آدم اور ان کی تمام اولاد ہوگی، جب انبیاء جمع ہوں گے تو آپ ہی ان کے امام ہوں گے اور جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو آپ ہی ان کے خطیب ہوں گے، آپ کا جاہ خدا کی نظر میں تمام انبیاءؑ سے زیادہ ہے کیونکہ آپ سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

لیکن اس کے باوجود یاد رکھنا چاہیئے کہ مخلوق کا جاہ اللہ کے نزدیک ویسا نہیں ہوتا جیسا خود دوسری مخلوق کی نظر میں ہوتا ہے، کیونکہ دربارِ خداوندی میں بغیر اس کی اجازت کے کسی میں بھی لب کشائی اور شفاعت کی ہمت نہ ہوگی۔ فرمایا۔

إِن كُلُّ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ إِلَّآ ءَاتِى ٱلرَّحْمَٰنِ عَبْدًا ○ لَّقَدْ أَحْصَىٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○	تمام آسمانوں اور زمینوں والے رحمان کے سامنے غلامانہ حاضر ہوں گے۔ اس نے سب کو گھیر رکھا ہے اور گنا ہوا ہے۔

(مریم : ۹۳ تا ۹۴)

نیز فرمایا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ؕ

نہ تو مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار ہے اور نہ مقرب فرشتوں کو جو کوئی اللہ کی بندگی سے عار سمجھے یا تکبر کرے سو اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل اچھے کیے ان کو پورا بدلہ دے گا اور زائد بھی اپنے فضل سے عطا کرے گا۔ اور جنہوں نے اس کی بندگی سے عار اور تکبر کیا ہو گا ان کو دردناک عذاب سے معذب کرے گا۔ خدا کے سوا مددگار کسی کو پا دیں گے اور نہ ہی کوئی ان کا ساتھی ہو گا۔

(النساء: ۱۷۲ تا ۱۷۳)

اس کے برخلاف مخلوق دوسری مخلوق کے پاس بغیر اجازت بھی سفارش کر سکتی ہے کیونکہ وہ حصولِ مطلوب میں اس کی شریک ہے لیکن اللہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ

تو کہہ کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا کچھ سمجھے بیٹھے ہو ان کو ذرا پکارو وہ نہ تو آسمانوں میں ذرہ جتنا اختیار رکھتے ہیں نہ زمینوں میں اور نہ دونوں میں کسی قسم کا ساجھا ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے، اللہ کے پاس ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی مگر اسی کی جس کے لیے وہ اجازت بخشے۔

(سبا: ۲۲ تا ۲۳)

قبر پرستی کا آغاز

بکثرت احادیث موجود ہیں کہ رسول اللہ نے قبروں کو مسجد قرار دینے سے روکا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ پھر خود نبی قبر کو بھی عبادت گاہ بنانے کی ممانعت کر دی۔ اور یہ اس لیے کہ انسانوں میں سب سے

پہلے شرک قوم نوحؑ میں پیدا ہوا جیسا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ آدم اور نوح (علیہ السلام) کے درمیان دس صدیاں گذریں کہ سب لوگ اسلام پر تھے۔ صحیحین میں روایت ہے نبی صلعم نے فرمایا کہ نوحؑ کی حالت اللہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ان نے آپس میں کہا۔

لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۝

کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور کہا کہ نہ ود کو چھوڑنا نہ سواع کو نہ یغوث کو نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔ انہوں نے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا ہے۔

(نوح : ۲۳)

متعدد علماء سلف نے کہا ہے کہ اس آیت میں جو اسماء آئے ہیں وہ قوم نوحؑ کے صالح لوگوں کے نام تھے جب وہ مر گئے تو ان کی قوم ان کی قبروں کی تعظیم کرنے لگی اور جب اس طرح ایک مدت گذر گئی تو ان کی پوجا کرنے لگے۔ امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ پھر یہ معبود سرزمین عرب میں لائے گئے۔

صحابہ کا عمل حجّت ہے

چونکہ صحابہ کرام اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے قبروں کو مسجد قرار دینے کی ممانعت کر کے شرک کی بیخ کنی کر دی ہے اگرچہ نماز پڑھنے والا خدا ہی کے لیے نماز پڑھتا ہو اس لیے وہ ایسا نہ کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہؓ کو معلوم تھا کہ نبی کریمؐ سے وسیلہ چاہنا آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت و محبت و موالات سے اور آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے۔ اس لیے وہ آپ کی ذات کو وسیلہ نہ بناتے تھے۔ پس جب صحابہؓ نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی اور نہ اس طرح کی دعائیں مانگیں، حالانکہ وہ ہم سے زیادہ عالم تھے اور خوب جانتے تھے کہ خدا اور اس کا رسولؐ کون سی بات پسند کرتا ہے، اس نے کن دعاؤں کی تلقین کی ہے اور کون سی دعائیں قبولیت کے لائق ہیں۔ بلکہ انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ وغیرہ کو وسیلہ بنایا جو رسول خدا کی نسبت کم درجہ تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ وصال کے بعد آپ کو وسیلہ بنانا ممکن نہ رہا تھا اگر ممکن ہوتا تو صحابہؓ آپؐ کو چھوڑ کر ہرگز کسی دوسرے کو وسیلہ نہ بناتے۔

نہ تربت کو میری صنم تم بنانا

امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ ؕ

الٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی پوجا کی جائے خدا ان لوگوں پر سخت غضبناک ہے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا۔

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ ؕ

میری قبر کو زیارت گاہ نہ بنالینا بلکہ جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو کیونکہ درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ یُحَذِّرُ مَا فَعَلُوْا قَالَتْ عَائِشَةُ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَاُبْرِزَ قَبْرُهٗ وَلٰكِنْ کُرِهَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا ؕ

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا۔ راوی کہتا ہے آپ نے ایسا کرنے سے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں، اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلی جگہ میں بنائی جاتی مگر مسجد بن جانے کے خوف سے یہ ناپسند کیا گیا۔

صحیح مسلم میں حضرت جندب سے روایت ہے کہ نبی کریم ؐ نے وصال سے صرف پانچ روز پیشتر فرمایا۔

اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَی اللّٰهِ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ مِنْکُمْ خَلِیْلٌ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِیْ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا ، فَاِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاکُمْ عَنْ ذٰلِكَ

میں اس بات سے اپنی برأت کا اعلان کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص میرا خلیل ہو، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ یہ اس لیے کہ اللہ نے مجھے اسی طرح خلیل بنا لیا ہے جس طرح ابراہیم ؑ کو بنایا تھا۔ جو لوگ تم سے پہلے تھے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا کرتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا۔

لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ ۔

مجھے اس طرح نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسٰے بن مریمؑ کو بڑھا دیا ہے، میں تو صرف ایک بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

ترمذی نے ایک حدیث صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أَتَوَسَّلُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ لِيَقْضِيَهَا لِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

الٰہی میں تیرے حضور تیرے نبی محمد الرحمۃ کا وسیلہ لاتا ہوں، اے محمد! اے رسول اللہ میں اپنی اس حاجت میں تجھے اپنے رب کے سامنے وسیلہ بناتا ہوں تاکہ وہ اسے پورا کر دے اے اللہ میرے لیے رسول اللہ کی سفارش منظور کر۔

حدیث اعمٰی پر تبصرہ

نیز ترمذی و ابن ماجہ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک اندھا رسول اللہ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا دعا کیجئے کہ اللہ مجھے اچھا کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر کر جو تیرے حق میں زیادہ بہتر ہے؟ اس نے کہا نہیں، دعا کیجئے۔ چنانچہ آپ نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ، اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

الٰہی میں تیرے نبی محمد موصوف بالرحمۃ کے ذریعہ تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے رسول خدا! اے محمد میں تیرے واسطے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہو جائے، اے خدا میرے حق رسول اللہ کی سفارش منظور فرما۔

امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں یہی حدیث روایت کی ہے اور دعا اس طرح نقل کی ہے کہ نابینا نے کہا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ فَتُقْضٰى لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ وَشَفِّعْهُ فِیَّ ؕ	خدایا میں تیرے نبی محمدؐ موصوف بالرحمۃ کے ذریعہ اپنی اس حاجت میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہو جائے۔ اے اللہ میری سفارش رسول اللہ کے حق میں اور رسول اللہ کی میرے حق میں قبول فرما۔

اس حدیث میں آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ثابت ہے۔ جس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ حیات اور ممات ہر حالت میں آپ سے وسیلہ طلب کرنا جائز ہے اور یہ کہ اندھا اور صحابہ رضؓ آپ کی حیات میں آپ کی ذات سے وسیلہ چاہتے تھے، یعنی اللہ کو آپ کی قسم دلاتے یا آپ کی ذات کے واسطے سے دعا کرتے تھے، اور یہ کہ آپ کو وسیلہ بنانے کے لیے یہ لازمی نہیں ہے کہ آپ بھی دعا کریں یا اطاعت کی جائے، بلکہ ان کے خیال میں خدا صرف یہ کہہ دینے سے مراد پوری کر دیتا ہے کہ ہم نبی کریمؐ کو وسیلہ بناتے ہیں خواہ آپ موجود ہوں یا وفات پا چکے ہوں، علاوہ ازیں خواہ آپ دعا کریں یا نہ کریں، خواہ آپ کی اطاعت کی جائے یا نہ کی جائے۔ حالانکہ یہ خیال باطل اور شریعت اور قانونِ الٰہی دونوں کے مخالف ہے۔

پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ نابینا کا واقعہ ایک مثال ہے اور اس طرح کے تمام حالات میں حجت ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں شرعاً و عقلاً بڑا فرق ہے کہ رسول اللہ نے دعا کی یا نہیں کی، اگر دعا کی تو اس کا حکم جدا ہے، دونوں صورتیں ایک جیسی نہیں ہیں کہ ایک کو دوسری پر قیاس کر لیا جائے۔ نابینا والی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ نبی صلعم نے اس کے حق میں شفاعت کی تھی اور اسی لیے نابینا کو دعا میں یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ۔

اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ ؕ	اے خدا رسول اللہ کی دعا میرے حق میں قبول فرما۔

پھر اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا۔

اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ ؕ	اگر تو چاہے تو صبر کر اور چاہے تو میں تیرے لیے دعا کروں۔

اس نے کہا بلکہ دعا کیجیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی تھی

آپ نے اسے حکم دیا کہ نماز پڑھے اور خود بھی اپنے حق میں دعا کرے اور کہے۔

" فشفعه فی " | میرے حق میں رسول خدا کی دعا قبول فرما۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس کا دعا میں کہنا کہ۔

اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ | تیرے نبی محمد کے ذریعہ سے تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔

کے معنی یہ تھے کہ تیرے نبی محمد کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتا ہوں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ "خدایا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے رسول کا وسیلہ لاتے تھے اور سیراب کر دیتا تھا" پس یہ دونوں حدیثیں ایک ہی قسم کی ہیں اور ایک ہی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ کہ رسول اللہ کی حیات میں صحابہ کرام آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بناتے تھے۔ یہ نہ تھا کہ آپ کی ذات کو واسطہ قرار دیتے ہوں یا وفات کے بعد بھی آپ سے وسیلہ طلب کرتے ہوں۔ بلکہ وفات کے بعد وہ آپ کی جگہ اور لوگوں کو وسیلہ بناتے تھے۔ حالانکہ اگر زندگی اور موت دونوں صورتوں میں آپ سے وسیلہ یکساں ہوتا اور آپ کے دعا کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہ ہوتا تو وہ کسی حال میں بھی آپ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف توجہ نہ کرتے۔ اسی طرح اگر وہ نابینا آپ کو وسیلہ بناتے جس کے لیے آپ نے دعا نہیں کی، اس نابینا کی طرح ہوتا جس کا ذکر حدیث میں ہے تو تمام نابینا صحابہؓ یا ان میں سے کوئی وہی ایسا کرتے۔ لیکن جب ان میں سے کسی نے بھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس عمل کیا تو معلوم ہوا کہ جس چیز کو انہوں نے ترک کر دیا وہ مشروع نہیں ہے اور جس پر عمل کیا وہ مشروع ہے، کیونکہ وہی لوگ سابقون الاولون ہیں، مہاجرین و انصار اور تابعین لہم باحسان ہیں، ہم سے زیادہ خدا اور رسول کو پہچانتے تھے، ہم سے زیادہ خدا اور رسول کے حقوق جانتے تھے اور ہم سے زیادہ سمجھتے تھے کہ کونسی دعا جائز ہے، کون سی ناجائز ہے اور کون سی غیر مفید ہے۔ حالانکہ وہ سخت سے سخت آفات میں پڑے اور ان سے خلاصی پانے کے لیے سب ہی حیلے کیے مگر یہ بات کبھی نہ کی۔ اسی لیے فقہاء نے اپنی کتابوں میں استسقاء کے متعلق وہی لکھا ہے جو صحابہؓ نے کیا تھا اور جو انہوں نے نہیں کیا اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

اور یہ اس لیے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ سے وسیلہ چاہنا آپ سے دعا کی

التجا کرنا تھا جو جائز تھا۔ چنانچہ مسلمان آپ کی زندگی میں ہمیشہ آپ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کی وفات ہو گئی۔ تو صحابہ رضؓ نے آپ سے کبھی دعا کی التجا نہیں کی نہ آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر اور کسی اور کی قبر پر۔ جیسا کہ بہت سے لوگ صالحین کی قبروں پر جا کر اپنی مرادیں مانگتے اور اللہ کو ان کی قسمیں دلاتے ہیں۔

دوسروں سے دعا کی درخواست

بلکہ ہر مومن سے دعا طلب کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اگر حدیث صحیح ہو تو خود نبی کریمؐ نے حضرت عمر رضؓ سے جب وہ عمرہ کے لیے جانے لگے فرمایا۔

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ ۔ بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھلانا۔

اسی طرح حکم دیا کہ اویس رضؓ قرنی سے بخشش کی دعا چاہنا اگرچہ دعا چاہنے والا اویس رضؓ سے کہیں افضل تھا۔ بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا۔

"إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا ذَالِكَ الْعَبْدُ فَمَنْ سَأَلَ اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا کہ وہ کہتا ہے اس کے بعد مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک درجہ ہے اور اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندے کے شایانِ شان ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت مقرر ہوئی۔

حالانکہ آپ کا امت سے اپنے لیے دعا چاہنا، مخلوق سے حاجت طلب کرنا نہ تھا بلکہ امت کو ایک تعلیم تھی جس سے اسے دین میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ہم ایک دفعہ آپ پر درود بھیجتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ہم پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور اگر ہم آپ کے لیے "وسیلہ" کی دعا کرتے ہیں، قیامت کے دن آپ کی شفاعت ہمارے لیے واجب ہو جاتی ہے۔ پھر جتنا اجر اپنی حسنات پر ہمیں ملتا ہے اتنا ہی آپ کو بھی حاصل ہوتا ہے بغیر اس کے

کہ ہمارے اجر میں ذرہ برابر کمی ہو، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔

مَنْ دَعَا إِلَى الْهُدَىٰ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ ذَالِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا ؏	جس نے کسی ہدایت کی طرف بلایا تو اُسے ان لوگوں کے ثوابوں کی طرح ثواب ملے گا جنہوں نے اس کی اتباع کی بغیر اس کے کہ خود ان کے اجروں میں کچھ بھی کمی کی جائے۔

صحابہ و سلف صالح حضورؐ کو ثواب نہ بخشتے تھے

اور ظاہر ہے آپ ہی نے امت کو ہر نیکی کی طرف دعوت اور ہر عمل صالح کی تعلیم دی ہے اس لیے آپ کی امت جو کچھ بھی کرتی ہے اس کا ثواب اسی کے برابر آپ کو بھی مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضؓ اور سلف صالح نہ اپنے اعمال کا ثواب آپ کو ہدیہ کرتے تھے، نہ آپ کی طرف سے حج کرتے، صدقہ دیتے قرآن پڑھتے تھے، کیونکہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو کچھ بھی مسلمان انجام دیتے ہیں، انہیں کے برابر ان کا ثواب آپ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے عام اس سے کہ ہدیہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ لیکن والدین کا معاملہ دوسرا ہے۔ انہیں اپنی اولاد کے تمام اعمال کا ثواب حاصل نہیں ہوتا اس لیے انہیں ثواب بخشا جاتا ہے۔

امت سے حضورؐ کا اپنے لیے دعا چاہنا

اور معلوم ہے کہ رسولِ خدا اپنے رب کے اس حکم کے تابع تھے کہ:۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ	جب فارغ ہو جائے تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔

پس ظاہر ہے کہ آپ غیر اللہ کی طرف ہرگز رغبت نہ رکھیں گے۔ پھر صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ ، هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ	میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ داغواتے ہیں نہ شگون بد لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کا ایک وصف یہ بھی قرار دیا ہے کہ وہ جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور ظاہر ہے پھونک دعا کی قسم سے ہے۔ اسی لیے آپ اگرچہ خود اپنے اور دوسروں پر پھونک ڈالا کرتے تھے مگر کسی اور سے کبھی اس کی خواہش نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ حقیقت صاف ہوجاتی ہے کہ آپ کا امت سے اپنے لیے دعا چاہنا، مخلوق کے مخلوق سے سوال کرنے کی قسم میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ہے کہ سوال نہ کرنے والا سائل سے برتر ہے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمام بنی آدم کے سید اور آقا ہیں، پھر آپ کیونکر مخلوق سے کوئی التجا کریں گے۔

غیر حاضر کے لیے دعا

غیر حاضر کی غیر حاضر کے لیے دعا زیادہ قبولیت کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

أَعْظَمُ الدُّعَاءِ إِجَابَةً دُعَاءُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ۔"

سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا اس شخص کی دعا ہے جو ایسے شخص کے حق میں دعا کرتا ہے جو موجود نہیں۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا۔

مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوا لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ بِدَعْوَةٍ إِلَّا وَكَّلَ اللهُ مَلَكًا كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِدَعْوَةٍ، قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمِيْنَ! وَلَكَ بِمِثْلِهِ۔"

جو کوئی اپنے بھائی کے حق میں اس کی عدم موجودگی میں کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کردیتا ہے جو اپنے بھائی کے لیے اس کی ہر دعا پر کہتا ہے آمین! اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔

اور یہ اس وجہ سے کہ مخلوق، مخلوق سے وہی چیز طلب کرسکتی ہے جس کی وہ طاقت رکھتی ہے اور ظاہر ہے مخلوق کو اللہ سے دعا کرنے کی طاقت حاصل ہے، اسی لیے اس سے دعا کی درخواست فرمانا اور ان چیزوں میں مخلوق سے مدد مانگنا جائز ہے جن کی اسے طاقت حاصل ہے۔

مخلوق سے کونسا سوال جائز ہے اور کونسا ناجائز

اس کے برعکس وہ اشیاء جن کی طاقت سوائے خدا

سے کسی کو نہیں تو ان میں صرف اسی برتر ہستی کی طرف رجوع کرنا چاہیے (انبیاء، وملائکہ وغیرہ کی طرف ان میں رجوع ناجائز ہے۔ پس اللہ کو چھوڑ کر کسی مخلوق سے بھی یہ کہنا جائز نہیں کہ معاف کر دو، سیراب کرو، کافروں پر فتح دو، ہدایت دو کیونکہ یہ اور اس طرح کی جو باتیں ہیں ان کا اختیار صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی کو حاصل ہے۔ اسی بنا پر طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے کہ عہدِ نبویؐ میں ایک منافق مومنوں کو بہت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تنگ آ کر کہا "چلو اس منافق کے شر سے رسول خدا کی پناہ حاصل کریں" آپ نے سنا تو فرمایا۔

"إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللهِ"	مجھ سے پناہ مانگنا ٹھیک نہیں پناہ صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے۔

قرآن میں ہے کہ۔

"إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ"	جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی۔

(الانفال : ۹)

حضرت موسےٰ کی دعا میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَإِلَيْكَ الْمُسْتَعَانُ وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ"	الٰہی تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، تجھی سے ہر طرح کا شکوہ ہے، تجھی سے مدد مانگی جاتی ہے، تجھی سے فریاد کی جاتی ہے، تجھی پر بھروسہ ہے اور ہر طرح کی طاقت و قوت تیری ہی جانب سے ہے۔

ابو یزید بسطامیؒ کا قول ہے "مخلوق کا مخلوق سے پناہ مانگنا ایسا ہی ہے جیسے ڈوبتا ڈوبتے سے پناہ مانگے" ابو عبداللہ القرشی کا مقولہ ہے "مخلوق کا مخلوق سے پناہ مانگنا ویسا ہے جیسا قیدی، قیدی سے فریاد کرے" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ، أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	تو کہہ کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم اختیار والے سمجھتے ہو ان کو پکارو پھر وہ تم سے تکلیف نہ دور کر سکیں گے اور نہ پھیر سکیں گے جن

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝	لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں۔ وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے تھے کہ کون زیادہ مقرب ہے اور اسی کی رحمت کی امید رکھتے تھے۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ تیرے پروردگار کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل ۵۶ ، ۵۷)

ایک جماعت سلف نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ لوگ فرشتوں اور نبیوں کو پکارتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو میرے ہی بندے ہیں تمہاری طرح وہ بھی میری رحمت کی امید کرتے میرے عذاب سے ڈرتے اور مجھ سے تقرب کی تمنا رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ملائکہ وانبیاءؑ کے پکارنے اور ان سے دعا طلب کرنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ خود اسی نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ ملائکہ ہمارے لیے دعائیں کرتے اور بخشش مانگتے ہیں، مگر باوجود اس کے ہمارے لیے جائز نہیں رکھا کہ ان سے اس کی درخواست کریں۔ اسی طرح انبیاء وصالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ زندوں کے حق میں دعا کیوں نہ کرتے ہوں، اگرچہ اس بارے میں کتنے ہی آثار واقوال موجود کیوں نہ ہوں، لیکن کسی کے لیے روا نہیں کہ ان سے یہ چیز طلب کرے، خصوصاً جب کہ سلف صالح میں سے کسی ایک شخص نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا، کیونکہ یہ ان کے شرک اور ان کی عبادت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ان کی حیات میں ان سے اس طرح کی التجا کرنے سے شرک کا خطرہ نہیں ہے اور اس لیے وہ جائز ہے۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ملائکہ یا انبیاء وصالحینؒ اپنی موت کے بعد زندوں کے لیے جو کچھ دعائیں کرتے ہیں تو قانونِ قدرت کے ماتحت کرتے ہیں اور برابر کرتے رہیں گے، خواہ ان سے دعا طلب کی جائے یا نہ کی جائے۔ سائل کی التجا ان کے لیے بالکل بے معنی ہے، کیونکہ سائل کی مراد پوری کرنے کا حکم اس دارالتکلیف میں ہے جس سے بعد الممات وہ قدرتاً مستغنی ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اس کو کتاب اور علم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا سے ورے مجھے ہی خدا سمجھو بلکہ کتاب اللہ کو پڑھ پڑھا کر اللہ لوگ بنو اور یہ حکم بھی نہ کرے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو اپنا مربی بنا لو۔ کیا مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر بتلائے گا!"

(آل عمران: ۷۹، ۸۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں فرما دیا ہے کہ جو کوئی ملائکہ اور انبیاء کو رب بنائے گا۔ وہ کافر ہے۔ اور فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۝

تو کہہ کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا کچھ سمجھے بیٹھے ہو ان کو ذرا پکارو وہ نہ تو آسمانوں میں ذرہ جتنا اختیار رکھتے ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان دونوں میں کسی قسم کا ساجھا ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے، اللہ کے پاس ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی مگر اسی کو جس کے لیے وہ اجازت بخشے۔

(سبا: ۲۲، ۲۳)

اور فرمایا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۝

کون ہے جو بلا اجازت اس کے پاس سفارش کرے۔

(البقرۃ: ۵)

اور فرمایا۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اس کی جناب میں بغیر اذن کوئی بھی سفارش

إِذْنِهٖ ۝ | نہیں ہو سکتا ۔

(یونس : ۳)

اور فرمایا ۔

مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ ط | اس کے سوا نہ تو کوئی تمہارا مددگار ہے نہ سفارشی ۔

(السجدۃ : ۴)

اور فرمایا ۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ | اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع دیں اور نہ نقصان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں تو کہو کیا تم اللہ کو ان باتوں کی خبر بتلاتے ہو جن کو وہ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا وہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بلند ہے ۔

(یونس : ۱۸)

اور صاحب یٰسٓ کی زبانی کہلوایا ۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۔ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ | اور مجھے کیا عذر ہے کہ میں اس خدا کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم بھی رجوع ہو ۔ کیا میں اس کے سوا دوسروں کو بھی معبود بناؤں حالانکہ خدائے رحمان اگر مجھ کو کسی قسم کا ضرر پہنچانا چاہیں ان کی تو سفارش بھی میرے کسی کام نہ آئے گی، اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں گے ۔ کچھ شک نہیں کہ میں تو فوراً ہی صریح گمراہی میں جا پڑوں گا ۔ یقیناً میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں ۔ پس تم میری سنو ۔

(یٰسٓ : ۲۲ تا ۲۵)

اقسام شفاعت

شفاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس کی اللہ نے تردید کی ہے اور وہ وہی ہے جس کے مشرکین عرب قائل تھے، اور جسے اس امت کے جاہل مانتے ہیں۔ اور دوسری شفاعت وہ ہے شفاعت کرنے والا خدا کے اذن سے کرتا ہے، اور یہ اللہ کے نیک بندوں کے لیے ثابت ہے۔ چنانچہ جب سید الشفعاء (حضرت محمد صلعم) سے قیامت کے روز مخلوق شفاعت کے لیے درخواست کرے گی تو آپ پروردگار کے حضور حاضر ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ فرمایا۔

فَاَحْمَدُ رَبِّیْ بِمَحَامِدَ یَفْتَحُھَا عَلَیَّ لَا اُحْسِنُھَا الْاٰنَ فَیُقَالُ اَیْ مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔"

میں اپنے رب کی ایسی صفات سے تعریف کروں گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں، اسی وقت مجھ پر کھولی جائیں گی، پھر کہا جائے گا اے محمدؐ، اپنا سر اٹھا اور کہہ سنا جائے گا، مانگ دیا جائے گا، شفاعت کر قبول کی جائے گی۔

چنانچہ اذن ہوگا تو آپ شفاعت کریں گے (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً)

آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی درخواست

اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ آپ کو وسیلہ بنانے اور آپ سے شفاعت چاہنے یعنی سائل کے حق میں آپ کی دعا کے جواز سے لازم نہیں آتا کہ آپ کی ذات کے بعد یا عدم موجودگی میں بھی یہ بات (یعنی آپ کو وسیلہ بنانا یا آپ سے دعا کی درخواست کرنا) جائز ہو جائے حالانکہ آپ نے سائل کے لیے دعا نہیں کی، بلکہ اس نے اللہ تعالے کو آپ کی قسم دلائی یا آپ کی ذات کے واسطے سے دعا کی ہے حالانکہ صحابہ کرام نے ان دونوں صورتوں میں تفریق کی ہے۔ اور یہ اس لیے کہ آپ کی حیات میں جو کوئی آپ سے وسیلہ چاہتا تھا آپ اس کے لیے دعا کرتے تھے، اور معلوم ہے کہ آپ کی دعا تمام دعاؤں سے افضل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہیں، پس جس کے حق میں آپ نے دعا و شفاعت کی اسے وہ افضل سے افضل دعا حاصل ہوگئی جو مخلوق، مخلوق کے لیے کر سکتی ہے، اور وہ کسی طرح بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا جس کے حق میں آپ نے دعا و شفاعت نہیں کی ہے۔ جو کوئی ان دونوں کو برابر سمجھتا اور آپ کی زندگی میں وسیلہ

چاہنے اور وفات کے بعد وسیلہ چاہنے کو یکساں قرار دیتا ہے وہ سخت گمراہ ہے۔

پھر یہ کہ آپ کی زندگی میں آپ سے دعا کی درخواست کرنے، آپ کی دعا سے وسیلہ چاہنے اور خود آپ کے دعا کرنے سے کسی مضرت و شرک کا خطرہ نہیں ہے بلکہ وہ بالکل خیر ہی خیر ہے، کیونکہ کسی نبی کی بھی اس کی زندگی اور موجودگی میں پوجا نہیں کی گئی، بلکہ ہر نبی برابر شرک کی بیخ کنی کرتا اور اپنی عبادت اور درجۂ شرک تک پہنچنے والی تعظیم سے روکتا رہا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے نبی صلعم کو سجدہ کیا تو آپ نے فوراً منع کر دیا۔ نیز ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

لَا تَقُوْلُوْا: مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ مُحَمَّدٌ ط	یوں مت کہو کہ جو اللہ اور محمدؐ چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور پھر محمدؐ چاہے۔

لیکن آپ کی وفات کے بعد فتنہ اور شرک کا ڈر ہے جیسا کہ مسیحؑ اور عزیرؑ (علیہا السلام) وغیرہ کے بارے میں ہو چکا ہے۔ اسی لیے فرما دیا۔

• لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ »	مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسٰے بن مریمؑ کو بڑھا دیا ہے، میں تو محض ایک بندہ ہوں، لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور رسولؐ کہا کرو۔

اور فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ ط	الٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پوجی جائے۔

نیز فرمایا۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا ط »	یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا، اس لئے سے آپ نے ڈرایا ہے۔

دو بنیادی اصول غرض ہمارے پاس دو عظیم الشان اصول ہیں جو دین کی جڑ ہیں۔ ایک یہ کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی عبادت صرف اسی طور پر کریں جس طور پر خود اس نے بتایا ہے، یعنی کوئی بدعی اور

من گھڑت عبادت نہ کریں۔ یہی دونوں بنیادیں ہیں جنہیں کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ استوار کرتا ہے۔ فضیل بن عیاض رح نے ایک مرتبہ کہا۔

"اَخْلَصُهٗ وَ اَصْوَبُهٗ ۔"	سب سے زیادہ خالص اور سب سے زیادہ درست۔

لوگوں نے پوچھا حضرت یہ اَخْلَصُهٗ وَاَصْوَبُهٗ "کیا ہے؟" فرمایا، اگر عمل خالص ہوا اور صواب (درست) نہ ہوا تو غیر مقبول ہے، اور اگر صواب ہوا مگر خالص نہ ہوا تو بھی غیر مقبول ہے .... عمل اسی وقت مقبول ہے، جب بیک وقت خالص اور صواب ہو۔ خالص کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ کے لیے ہو اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ سنت نبوی کے مطابق ہو"۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝	پس جو کوئی اپنے پروردگار کی ملاقات کا امیدوار ہے وہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

(الکہف : ۱۱۰)

امیر المومنین حضرت عمر دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِيْ كُلَّهٗ صَالِحًا وَّاجْعَلْهُ لِوَجْهِكَ خَالِصًا وَّلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِيْهِ شَيْئًا ۝	یا خدایا! میرے پورے عمل کو صالح کر دے اور اسے خالص اپنے لیے خالص کر لے اور اس میں کسی اور کا کوئی حصہ بھی نہ رہنے دے۔

اور قرآن میں ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۝	کیا ان لوگوں کے شریک ہیں جنہوں نے ان کو دین میں ایسے کاموں کی اجازت دے رکھی ہے جن کی بابت خدا نے حکم نہیں بھیجا۔

(الشوریٰ : ۲۱)

بدعت کیا ہے؟

اور صحیحین میں حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ط

جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ بات مردود ہے۔

دوسری روایت بخاری میں ہے۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ ط

جس کسی نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ کام مردود ہے۔

اور بخاری وغیرہ کتب صحاح میں ہے کہ فرمایا۔

اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَكَ فِیْهِ غَیْرِیْ ..... فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ وَهُوَ کُلُّهٗ لِلَّذِیْ اَشْرَكَ ط

میں شرک سے سب سے زیادہ مستغنی ہوں جس کسی نے اپنے عمل میں میرے سوا کسی کو شریک کیا تو میں اس سے بری ہوں اور وہ پورا کا پورا اس کے لیے ہے جسے شریک بنایا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا حجر اسود سے معاملہ

اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ عبادات کی بنیاد توقیف پر ہے، یعنی جو اور جس طریقہ پر عبادت مقرر کی گئی ہے اسی پر رہنا چاہیئے۔ چنانچہ بخاری، مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُكَ لَمَّا قَبَّلْتُكَ ط

واللہ میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول اللہ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا۔

اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کے رسولؐ کی پیروی، اطاعت، محبت، موالات سے اپنے دل منور کریں اور یہ کہ خدا اور اس کا نبی ماسوا سے زیادہ پیارے ہوں، نیز وعدہ کیا ہے کہ رسولؐ کی اتباع و محبت سے ہمیں اللہ کی محبت و ولایت حاصل ہوگی، فرمایا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ

اے پیغمبرؐ تو کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے پیچھے چلو خدا تم سے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط | محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

(آلِ عمران : ۳۱)

اور فرمایا۔

اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا " | اگر تم رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

(النور : ۵۴)

اور فرمایا۔

" وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ط " | جو لوگ خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلیں گے خدا ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ہمیشہ کے لیے ان ہی میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

(النساء : ۱۳)

وغیرہ بکثرت آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔
اس باب میں کسی کے لیے درست نہیں کہ اس دائرہ سے تجاوز کرے جو شریعت اور کتاب و سنت نے بتا دیا ہے اور جس پر سلف صالح برابر قائم رہے۔ نیز ہر شخص کو وہی کہنا چاہیئے جس کا علم رکھتا ہے اور جو نہیں جانتا اس پر خاموش رہنا چاہیئے۔ اللہ کے بارے میں بغیر علم کچھ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اس نے یہ سب باتیں حرام کر دی ہیں۔

رسول اللہ کی دعائیں

صحیح حدیثوں میں ان چیزوں کا ذکر موجود ہے جن کے حوالہ سے رسول اللہ صلعم دعا کرتے تھے، مثلاً ابو داؤد وغیرہ میں ہے کہ فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ | میں تجھ سے اس لیے مانگتا ہوں کہ تیرے لیے ہر طرح کی ستائش ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو منان ہے، آسمانوں اور زمین کا

ذَا الْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ۔" | خالق ہے اے شان و شوکت والے اے حیّ، اے قیوم!"

نیز ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ" | میں تجھ سے اس لیے مانگتا ہوں کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے، بے نیاز ہے کہ جس نے نہ کسی کو جنا ہے نہ اسے کسی نے جنا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

غیر اللہ کی قسم شرک ہے

تمام علماء متفق ہیں کہ سوائے اللہ کے کسی کی قسم کھانا روا نہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے مخلوقات مثلاً "کعبہ، ملائکہ یا کسی پیر یا بادشاہ کی قسم کھائی تو وہ قسم لغو ہوگی اور اسے تحریماً یا تنزیہاً ممنوع قرار دیا جائے گا کیونکہ بخاری شریف میں ہے کہ فرمایا۔

مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ۔" | جسے قسم کھانی ہو تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

ترمذی میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

• مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ۔" | جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

علماء سلف میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ مخلوق کی قسم جائز ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کی قسم کے بارے میں امام احمدؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ درست ہے۔ لیکن یہ ایک ضعیف اور شاذ قول ہے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے میں کوئی عالم بھی اس کا قائل نہیں۔ بلکہ جمہور علماء مثلاً مالکؒ و شافعیؒ و ابوحنیفہؒ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ وہ قسم صحیح نہیں جیسا کہ امام احمدؒ سے بھی ایک دوسری روایت میں مذکور ہے۔ اور یہی درست ہے۔

صرف اللہ سے پناہ مانگو

اسی طرح مخلوقات سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں۔ پناہ محض خدا اور اس کے اسماء و صفات ہی سے مانگنی چاہیئے

اسی لیے امام احمدؒ وغیرہ علماءِ سلف نے کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے پر منجملہ اور دلائل کے ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ نبی کریمؐ نے :

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ" | اللہ کے کلمات تامات کی پناہ مانگتا ہوں۔

فرماکر کلام اللہ سے پناہ مانگی ہے حالانکہ مخلوقات سے پناہ مانگنا جائز نہیں، حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا۔

"لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ شِرْكًا ۝" | جھاڑ پھونک میں کوئی ہرج نہیں جب تک کہ شرک نہ ہو۔

اس سے اس جھاڑ پھونک کی حرمت ثابت ہوتی ہے، جس میں شرک ہو، مثلاً جن میں جنوں اور شیطانوں وغیرہ سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

"وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا" (الجن : ۶) | اور انسان جنوں کی پناہ لیا کرتے تھے، پھر وہ جن ان کو نقصان پہنچاتے۔

اسی لیے علماء نے ان تمام شرکیہ ٹونوں ٹوٹکوں اور تعویذات سے منع کردیا ہے جو مرگی یا دوسرے امراض میں لوگ استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ ایسے تمام تعویذات سے بھی منع کیا گیا ہے جن کے معنی سمجھ میں نہ آتے ہوں کیونکہ ممکن ہے ان میں شرک موجود ہو۔ پس واضح ہوا کہ سوائے خدا کے کسی کی بھی قسم کھانا یا دلانا جائز نہیں۔

توسّل کا مفہوم

اور جو کوئی اللہ سے کسی مخلوق کے وسیلہ سے سوال کرتا ہے تو اس کا یہی معنی ہوسکتا ہے کہ یا تو اسے مخلوق کی قسم دے رہا ہے، یا اس مخلوق کی دعا سے وسیلہ چاہتا ہے۔ یا خود مخلوق کی ذات کو واسطہ بناتا ہے، پہلی صورت یعنی اللہ کو مخلوق کی قسم دینا درست نہیں۔ دوسری صورت یعنی انبیاء و صلحاء کی حیات میں ان کی دعا سے وسیلہ چاہنا درست ہے نیز ہر ایسے سبب کو دعا میں وسیلہ بنانا جائز ہے جو قبولیتِ دعا کا ذریعہ ہے، جیسا کہ غار والے تین اشخاص نے اپنے عملِ صالح کو وسیلہ بنایا تھا، اور جیسا کہ رسول خدا صلعم پر ایمان، آپ کی اطاعت و محبت و موالات کو جو قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔ رہی تیسری صورت یعنی مرسلین و صالحین کی ذات کے حوالہ سے دعا تو یہ غیر مشروع ہے۔ بہت سے علماء نے اس سے روکا ہے اگرچہ

بعض نے اجازت بھی دی ہے، لیکن پہلا قول اصح ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔ اور یہ اس لیے کہ مخلوق کی ذات کے واسطہ سے دعا، ایک ایسی بنیاد پر دعا ہے جو مقبولیت کا سبب نہیں اس کے برعکس سائل کا اپنے نیک اعمال کی وجہ سے دعا کرنا یا صالحین کی دعا کو وسیلہ بنانا قبولیت کا سبب ہے اور جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ۚ	مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف قرب تلاش کرو۔

(المائدۃ : ۳۵)

اور فرمایا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ	جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے پاس قرب چاہتے تھے۔

(بنی اسرائیل : ۵۷)

اور "وسیلہ" "اعمالِ صالحہ" ہی کا دوسرا نام ہے۔

کونسا وسیلہ نافع نہیں

لیکن اگر ہم اپنے عملوں یا صلحا کی دعاؤں کو وسیلہ بنانے کے بجائے خود ان کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں تو واضح ہے یہ وسیلہ ہمارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا کیونکہ وہ قبولیت دعا کا سبب ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چیز نہ صحیح طور پر رسول اللہ سے مروی ہے اور نہ سلف صالح سے۔ البتہ منسک المروزی میں امام احمدؒ سے ایک دعا منقول ہے، جس میں نبی کریمؐ کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے۔ مگر ممکن ہے اس سے مقصود آپ کی قسم کا جواز ہو جیسا کہ ان سے ایک روایت میں منقول ہے۔ لیکن امت کے علماء کبار اسی طرف گئے ہیں کہ خدا کو مخلوق کی قسم دلانا یا مخلوق کی ذات کو وسیلہ بنانا ناجائز ہے۔

انبیاء کی عظمت وجاہ کیسے نافع ہو سکتی ہے

یقیناً انبیاء کا مرتبہ اللہ کے ہاں بہت ارفع ہے جیسا کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق آیات گزر چکیں، لیکن ان کے درجات کی رفعت و بلندی خود ان کے لیے ہے نہ کہ ہمارے لیے وہ ان کے لیے نافع ہے نہ ہمارے لیے۔ ہاں ہمیں ان کی حرمت وجاہ سے اس وقت نفع پہنچ سکتا ہے جب ہم اتباع کریں

اور ان سے محبت رکھیں۔ چنانچہ اگر ہم اللہ سے اس کے رسول پر اپنے ایمان اور اس کی محبت وموالات واطاعت کے ذریعہ دعا کریں تو یہ قبولیت دعا کا سب سے بڑا سبب ہے۔ لیکن ایمان واطاعت کو چھوڑ کر صرف ان کی ذات کو وسیلہ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ حقیقت میں وسیلہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ انسان جب کسی کو کسی کے پاس وسیلہ بناتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یا تو اس سے سفارش چاہتا ہے، مثلاً جس سے کوئی غرض مطلوب ہے اس کے باپ، بھائی، دوست سے کہتا ہے کہ میری سفارش کردو، اور یہ درست ہے۔ اور یا وسیلہ بنانے سے مقصود قسم دلانا ہوتا ہے اور معلوم ہے کہ اللہ کو مخلوق کی قسم بلکہ مخلوق کو مخلوق کی قسم دینا بھی جائز نہیں۔ اور یا پھر وسیلہ ایسے سبب کو بناتا ہے جو حصول مطلوب کا ذریعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ	اور خدا اور قطع رحم سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو۔

(النساء : ۱)

جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔

یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ کو مخلوق کی قسم دینا یا خود مخلوق کی قسم کھانا قطعاً ممنوع ہے، تو رہا ان لوگوں کی شفاعت کو وسیلہ بنانا جنہیں شفاعت کی اجازت دی گئی ہے، تو جائز ہے۔ نابینا نے آنحضرت صلعم سے وہی درخواست کی تھی جو صحابہ رضؓ استسقاء وغیرہ میں کیا کرتے تھے، یعنی دعا چاہی تھی، اسی لیے حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ ؕ	الٰہی! میرے بارے میں حضورؐ کی شفاعت قبول فرما۔

پس حدیث میں جو کچھ ہے اس کے جواز پر تمام علماء متفق ہیں اور وہ ہماری بحث سے خارج ہے۔

ایک آیت کی تحقیق

رہی آیت وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ (النساء ۱) کی تو اس کی قرأت میں اختلاف ہے۔ جمہور قراء نے "اَلْاَرْحَامَ" کو منصوب (زبر سے)

پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کا خوف کرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داری کا خیال کرو۔ اللہ کے نام پر سوال کرنے میں اللہ کی قسم دلانا اور اس کے نام پر عہد کرنا داخل ہے۔ ....

....

.... لیکن بعض قراء نے "و الارحامِ" کو مجرور (زیر سے) پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سے ڈرو جس کے اور رشتہ داری کے نام پر ایک دوسرے سے باہم سوال کرتے ہو۔

اس قراءت کی بنا پر سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عرب ایک دوسرے کو اللہ اور رشتہ کا واسطہ دیا کرتے تھے۔ آیت میں اسی واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔ بنابریں کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں رشتہ داری سے سوال کرنے کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ اس کے جواز پر دلیل ہے تو "

اَسْئَلُكَ بِالرَّحِمِ " | میں تجھے رشتہ کا واسطہ دیتا ہوں۔

کہنے سے قسم لازم نہیں آتی بلکہ سرے سے یہاں قسم کے معنی ہی نہیں ہیں۔ ہاں رشتہ داری کے حقوق کی یاد دہانی ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ جائز ہے کیونکہ رشتہ داروں کے انسان پر حقوق ہوتے ہیں جن کا ادا کرنا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے جب ان کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر، اپنے باپ اور ان کے بھائی جعفر کا حق یاد دلا کر کچھ مانگتے تھے تو آپ فوراً دے دیتے تھے کیونکہ جعفر کے آپ پر حقوق تھے جن کا ادا کرنا واجب سمجھتے تھے۔ لیکن اس میں قسم دلانا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر عبداللہ کا مقصود قسم دلانا ہوتا تو جعفر کے بجائے اللہ کی قسم دلاتے۔

کسی حق کی بنا پر اللہ سے سوال کرنا

اسی طرح کی وہ حدیث بھی ہے جسے ابن ماجہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے لیے جاتے وقت یہ دعا سکھائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَّلَا	الٰہی میں تجھ سے اس حق کے واسطہ سے مانگتا ہوں جو تجھ پر سائلوں کا ہے اور اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں بدارادہ

بَطَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً وَّلٰكِنْ خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِيْ مِنَ النَّارِ، وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ ذُنُوْبِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۝

سے نکلا ہوں، نہ تکبر سے، نہ دنیا اور شہرت کے خیال سے بلکہ اس لیے نکلا ہوں تاکہ تیرے غصّہ سے بچوں اور تیری رضا حاصل کروں، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے جہنم سے بچا، میرے گناہ معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

اس حدیث کی اسناد میں عطیۃ العوفی رز راوی موجود ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہو تو اس کی دو توجیہیں ہیں۔

ایک یہ کہ اس میں سائلوں کے حق اور خدا کی فرمانبرداری کی راہ میں چلنے والوں کے حق سے سوال کیا گیا ہے۔ جو درست ہے کیونکہ سائلوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ ان کی حاجت پوری کرے اور اس کی راہ میں چلنے والوں کا حق یہ ہے کہ انہیں اجر عطا کرے۔ اور یہ حق وہ ہے جسے خود اس ذات برتر نے اپنے اوپر واجب کیا ہے کیونکہ کسی مخلوق کو بھی یہ منصب حاصل نہیں کہ خدا پر کوئی بات فرض کر سکے، خود قرآن میں ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۝

تمہارے پروردگار نے رحم کرنا اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔

(الانعام: ۵۴)

اور:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔

(الروم: ۴۷)

اور:

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ

سچا وعدہ اس نے تورات اور انجیل اور قرآن میں کیا ہوا ہے اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔

(التوبۃ: ۱۱۱)

کیا اللہ پر بندوں کا کوئی حق ہے؟

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

حَقُّ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهٖ أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ۔

اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی پرستش کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

اور حدیث قدسی میں ہے۔

يَا عِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا۔

اے میرے بندو میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام ٹھہرایا ہے، لہذا آپس میں ظلم نہ کرو۔

پس جب سائلوں اور عابدوں کا حق یہ ہے کہ ان کی دعا قبول ہو اور انہیں ثواب ملے تو ایسے حق کے حوالہ سے دعا کرنا درست اور نافع ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں نبی اکرم کا پناہ مانگنا ہے کہ

أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔

الٰہی تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی اور تیری سزا سے تیری بخشش کی پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تیری تعریف شمار سے باہر ہے تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

پس جس طرح اللہ کی مغفرت سے کہ جو خود اسی کا فعل ہے پناہ مانگنا درست ہے اسی اس کے دوسرے فعل یعنی ثواب کے حوالہ سے دعا کرنا بھی جائز ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالے سے دعا کرنا اور خاص اسی کی رضا کے لیے عمل کرنا بندے کی مراد پوری ہونے کا سبب و ذریعہ ہے۔ پس وہ بالکل رسول اللہ اور امت کے نیک لوگوں کی دعاؤں سے وسیلہ چاہنے کی طرح ہے۔ اور یہ اوپر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ نبی صلعم یا صالحین کو ذریعہ بنانے سے مقصود یا تو اللہ کو ان کی قسم دینا ہوگا، یا

انہیں سبب قرار دینا ہوگا۔ اس وجہ سے اگر حدیث کے لفظ۔

بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ ط	اس حق سے سوال کرتا ہوں جو سائلوں کا تجھ پر ہے۔

سے غرض قسم دینا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر اللہ کو کسی کی قسم دینا جائز ہے تو وہ خود اسی کی قسم ہے۔ لیکن اگر اس سے مقصود اس حق کو قبولیت دعا کا سبب قرار دینا ہے تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ خود اللہ ہی نے اسے سبب قرار دے دیا ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ اس سے دعا کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔ اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام صورتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان میں سے کسی صورت میں بھی مخلوق کے طفیل بغیر اس کی دعا اور ہمارے نیک عمل کے سوال کرنا ثابت نہیں ہے۔

اگر سائل کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ میں تجھ سے فرشتوں کے حق سے یا نبیوں کے حق یا صالحین کے حق سے سوال کرتا ہوں، تو پھر اس کے لیے یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ میں ان لوگوں کے حق کی تجھے قسم دیتا ہوں۔ لیکن اگر وہ اسے جائز نہیں رکھتا کہ مخلوق کو مخلوق کی قسم دلائے تو پھر اللہ کی جناب میں ایسی قسمیں کیونکر جائز رکھتا ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس قول سے میری مراد قسم دینا نہیں بلکہ ان کے حق کو قبولیت دعا کا سبب بنانا ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ ان شیوخ کی شخصیات میں کوئی ایسا سبب موجود نہیں ہے جو تیری حاجت پوری ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ ان کے وسیلہ سے فائدہ حاصل کرے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ یا تو اپنے اندر بھی وہ بات پیدا کر جو اجابت دعا کا سبب ہے مثلاً فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لا، اور یا پھر اس کے ساتھ خود ان کی طرف سے تیرے حق میں کوئی ایسی بات صادر ہو جو مراد پوری ہونے کا ذریعہ ہے، مثلاً وہ تیرے لیے دعا کریں۔ لیکن بہت سے لوگ بزرگوں کی ذات کو وسیلہ ٹھہراتے یا اللہ کو ان کی قسم دلانے اور خود کھانے کے عادی بن چکے ہیں چنانچہ ان کی زبانوں پر اس طرح کی قسمیں چڑھی ہوئی ہیں۔

"وَحَقِّكَ عَلَى اللّٰهِ" "وَحَقِّ هٰذِهِ الشَّيْبَةِ عَلَى اللّٰهِ!"	اللہ پر تیرے حق کی قسم! اللہ تعالیٰ پر اس بڑھاپے کے حق کی قسم!

کیسا سوال جائز ہے؟

جب سائل کہتا ہے۔

اَسْئَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ اَوْ بِجَاهِهٖ ؕ

فلاں کے حق یا مرتبے سے درخواست کرتا ہوں۔

اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس پر اپنے ایمان اور اس کی محبت کی بنا پر سوال کرتا ہوں تو یہ جائز ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی یہ نیت نہیں ہوتی۔ سائل کا اس طرح دعا کرنا کہ اے اللہ میں تجھ پر اور تیرے نبیؐ پر اپنے ایمان اور محبت کے ذریعہ سے دعا کرتا ہوں، نہایت بہتر دعا ہے جیسا کہ قرآن میں مومنین کی دعا بتائی گئی ہے کہ۔

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ" ؕ

اے ہمارے مولا! ہم نے ایک پکارنے والے (محمدؐ) کو ایمان کے لیے پکارتے ہوئے سنا اپنے رب کو مان لو۔ پس ہم مان گئے، اے ہمارے مولا! تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہم کو نیک بختوں کے ساتھ موت دے۔

(آلِ عمران: ۱۹۳)

اور فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ؕ

جو کہتے ہیں اے ہمارے خدا بیشک ہم نے مانا پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو عذاب جہنم سے بچائیو۔

(آلِ عمران: ۱۶)

اور،

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِىْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ؕ

میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے پس تو ہم کو بخش اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(المومنون: ۱۰۹)

اور،۔

"رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝" | اے ہمارے خدا ہم تیری اتاری کتاب کو مانتے ہیں اور رسول کے تابع ہیں پس تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ رکھ۔

(آلِ عمران، ۵۳)

حضرت ابن مسعودرضؓ دعا کرتے تھے۔

"اَللّٰهُمَّ اَمَرْتَنِيْ فَاَطَعْتُ وَدَعَوْتَنِيْ فَاَجَبْتُ وَهٰذَا السَّحَرُ فَاغْفِرْ لِيْ" | خدایا! تو نے حکم دیا میں نے اطاعت کی، تو نے بلایا میں نے لبیک کہی، یہ وقتِ سحر ہے پس مجھے بخش دے۔

اسی قسم سے ان تین اشخاص کا بھی قصہ ہے جو بارش سے بچنے کے لیے غار میں چھپ گئے تھے، مگر اس کے منہ پر چٹان آگئی اور واپسی ناممکن ہو گئی اس وقت انھوں نے اپنے نیک اعمال کی بناپر دعا کی اور اللہ تعالےٰ نے قبول فرمالی۔

مردہ زندہ ہو گیا

ابوبکررحؒ بن ابی الدنیا نے اپنے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضؓ نے کہا "ہم ایک انصاری کی بیمار پرسی کے لیے گئے، جو سخت بیمار تھا، ہماری موجودگی ہی میں اس نے دم توڑ دیا، ہم نے اس پر چادر پھیلادی اور اس کی عمر رسیدہ ماں سے گھوم کر کہا "اے بی بی! اپنی مصیبت پر صبر کر!" اس نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا میرا بچہ فوت ہو گیا؟" جواب ملا "ہاں" اور زیادہ بےچین ہو کر بولی "کیا تم سچ کہتے ہو؟" ہم نے کہا "ہاں ہاں" اس نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور دعا کی "الٰہی! تو جانتا ہے میں اسلام لائی اور تیرے رسولؐ کی طرف ہجرت کر کے آئی تاکہ تو ہر مشکل میں میری دستگیری فرمائے، اے میرے آقا! یہ مصیبت مجھ پر نہ ڈال!" پھر ہم نے چادر الٹ دی اور وہ زندہ و تندرست ہو گیا یہاں تک کہ ہم نے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر گھر لوٹے۔"

حضرت داؤد کی دعا

ابونعیم رحؒ نے اپنی کتاب "الحلیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد نے دعا میں کہا میں اپنے باپ دادا: ابراہیم و اسحاق و یعقوبؑ کے حق کا تجھے واسطہ دیتا ہوں، اس پر اللہ تعالےٰ نے وحی کی کہ اے داؤد تیرے باپ دادا کا مجھ پر کیا حق ہے جو تو مجھے یاد دلاتا ہے۔ یہ چیز اگرچہ دلیل شرعی نہیں اور نہ اسرائیلیات قابلِ حجت ہیں مگر ان سے مدد لینا صحیح ہے۔

اصطلاح صحابہ کرام سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ زندہ آدمی سے جس طرح ان تمام چیزوں کا سوال جائز ہے جن کی وہ طاقت رکھتا ہے ، اسی طرح اس سے دعا کی بھی خواہش جائز ہے ، لیکن غیر حاضر یا مردہ سے کچھ مانگنا ٹھیک نہیں نبی کریمؐ کو "وسیلہ" بنانے اور آپ کے "ذریعہ" سے اللہ سے سوال کرنے کے الفاظ میں اجمال واشکال ہے ۔ صحابہؓ کے محاورہ میں تو اس کے معنی یہ تھے کہ آپ سے دعا وشفاعت کی التجا کرتے اور آپ کی دعا وشفاعت کو وسیلہ قرار دیتے تھے ۔ اور معلوم ہے کہ یہ سب اعظم ترین اسباب ہے ۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اپنی اصطلاح الگ بنالی ہے ، وہ ان الفاظ کو ان معانی میں استعمال نہیں کرتے جن میں اصحاب رسول کرتے تھے ، بلکہ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کو آنحضرت صلعم کی قسم دلائیں اور آپ کی ذات کو وسیلہ بنائیں ۔ حالانکہ اللہ کو مخلوقات میں سے کسی کی بھی قسم دلانا درست نہیں بلکہ خود مخلوق کے لیے بھی ان کی قسم کھانا روا نہیں ہے ۔ اس بنا پر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اے اللہ میں تجھے تیرے فرشتوں کی یا تیرے کعبہ کی یا تیرے نیک بندوں کی قسم دلاتا ہوں ، جیسا کہ خود کسی انسان کے لیے بھی ان کی قسم کھانا درست نہ ہوگا ۔ کیونکہ قسم صرف اللہ اور اس کے اسماء وصفات ہی کی کھائی جا سکتی ہے ۔ اسی لیے سنت یہ ہے کہ اللہ سے دعا اس کے اسماء وصفات کے حوالہ سے کی جائے مثلاً کہا جائے ۔

أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ وَأَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

اسی طرح یہ دعا ہے ۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ وَبِاسْمِكَ الْأَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْأَعْلٰى وَبِكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ ۔ "	الٰہی میں تجھ سے تیرے عرش پر عزت کی گرہ تیری کتاب میں سے منتہائے رحمت ، اور تیرے اسم اعظم اور تیرے مرتبۂ اعلیٰ اور تیرے کلماتِ تامات کے حوالہ سے دعا کرتا ہوں ۔

لیکن اس دعا کے جواز میں بھی علماء کا اختلاف ہے ۔ شیخ ابوالحسن قدوری اپنی کتاب "شرح الکرخی" میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ رہ نے کہا کسی کے لیے جائز نہیں کہ دعا میں سوائے خدا

کے کسی کو بھی وسیلہ بنائے اور میرے نزدیک یہ کہنا مکروہ ہے کہ

بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ أَوْ بِحَقِّ خَلْقِكَ — تیرے عرش میں سے عزت کی گرہوں یا تیری مخلوق کے حق کے واسطہ سے مانگتا ہوں۔

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں چونکہ "مَعْقِدُ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِهِ" خود خدا ہے اس لیے میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا البتہ انبیاء، الکعبہ، مشعر الحرام وغیرہ کے حق سے دعا کو مکروہ سمجھتا ہوں۔" قدوری کہتے ہیں "مخلوق کے حوالہ سے دعا نا جائز ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق ہی نہیں ہے" اس سے واضح ہوا کہ ابو حنیفہ و ابو یوسفؒ وغیرہ علماء غیر اللہ کے واسطہ سے دعا کو ممنوع سمجھتے ہیں۔

خدا نے مخلوقات کی قسمیں کیوں کھائی ہیں

اگر پوچھا جائے کہ جب خود اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے تو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مخلوق کو مخلوق کی قسم نہیں کھانا چاہئے یہ کیوں جائز نہ ہو کہ اللہ کو اس کی مخلوقات کی قسم دی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے مخلوقات کی جو قسمیں کھائی ہیں تو اس سے خود اس کی حمد و ثنا اور اس کی نشانیوں کی یاد دہانی مقصود ہے لیکن ہمارا اُسے مخلوقات کی قسم دلانا شرک ہے اگر ہم اس ذریعہ سے کچھ لینا یا روکنا یا خبر کی تصدیق یا تکذیب چاہتے ہیں۔ اور جو کوئی کسی مخلوق کے ذریعہ سے کسی سے مانگتا ہے تو اس سے مقصود یا قسم دینا ہوگا جو جائز نہیں اور کفارہ، قسم دینے والے پر ہے نہ اس پر جسے قسم دی گئی جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے اور یا مقصود قسم نہ ہوگی تو اس صورت میں وہ محض ایک سوال ہوگا اور کفارہ کسی پر بھی عاید نہیں ہوگا۔

قسم کی ایک اور صورت

اس سے ظاہر ہوا کہ مخلوق کے واسطہ سے سوال کرنے والا یا تو مخلوق کی قسم کھاتا ہے اور یہ نا جائز ہے۔ یا مخلوق کو محض ذریعہ و وسیلہ بناتا ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اگر کوئی کہے "یا اللہ أَفْعَلُ كَذَا" تو کسی پر بھی کفارہ نہیں۔ لیکن اگر کہے "میں تجھے یہ کرنے کی قسم دلاتا ہوں" یا "بخدا! تجھے یہ کرنا ہوگا" تو اگر مخاطب اس کی قسم پوری نہ کرے تو کہنے والے پر قسم کا کفارہ ہے۔ رہا اللہ کو ویسی قسم دلانا جیسی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ دلایا کرتے، مثلاً الٰہی! میں تجھے ایسا کرنے کی قسم دیتا ہوں" تو یہ ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ نے

نے فرمایا۔

رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ ۔	بہت سے گرد آلود پراگندہ بالوں والے پرانے کپڑے پہننے والے ایسے ہیں کہ اگر خدا کو قسم دلادیں تو وہ ان کی قسم پوری کردے ۔

نیز انس رضہ بن النضیر اور ربیع رضہ کے قصہ میں ہے کہ فرمایا۔

إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ ۔	اللہ کے بعض ایسے بندے ہیں جو اگر خدا کو قسم دلادیں تو وہ پوری کردے ۔

بہتر دعائیں مسنون دعائیں ہیں

مخلوق کو چاہیئے کہ صرف وہ ماثور دعائیں مانگا کرے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ ان کی افضلیت مسلّم ہے اور یہی ان لوگوں کا راستہ ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے گروہ میں اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ اور یہ اوپر گذر چکا ہے، کہ عوام الناس جو یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ "جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو میرے مرتبہ وعزت کے وسیلہ سے دعا کرو" تو ایک محض باطل حدیث ہے، نہ کسی اہل علم نے اسے روایت کیا ہے اور نہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے۔ البتہ ہر دعا میں آپ پر درود پڑھنا مزدو مشروع ہے۔ اسی لیے علماء نے جب استغفار وغیرہ کی دعا ذکر کی تو ساتھ ساتھ آپ پر درود کا بھی ذکر کرتے گئے لیکن یہ ان میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کیا کہ درود کی طرح ہر دعا میں آپ کو وسیلہ بنانا بھی لازمی ہے یا یہ کہ غیر اللہ سے دعا کرنا یا مدد طلب کرنا چاہیئے۔ سلف صالح اور علماء میں سے کسی کے متعلق منقول نہیں کہ اس نے مردوں یا غیر حاضر زندوں سے دعا مانگی ہو یا اس کی اجازت دی ہو۔ ہاں بعض متاخرین سے یہ مروی ہے مگر وہ ائمہ علم مجتہدین میں سے نہیں کہ ان کا قول وفعل قابل اعتناء ہو۔ نیز بعض متقدمین سے بھی منقول ہے کہ وہ رسول اللہ کے مرتبہ یا حق کے ذریعہ سے دعا کرتے تھے مگر یہ بات نہ تو اس زمانہ میں مشہور تھی نہ سنت ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے بلکہ سنت میں اس کے خلاف دلائل موجود ہیں جیساکہ ابو حنیفہ رح وابو یوسف رح وغیرہ سے منقول ہے۔

ابو محمد بن عبدالسلام فقیہ کے فتاویٰ میں ہے، خدا کی بارگاہ میں کسی مخلوق کو بھی وسیلہ

بنانا جائز نہیں۔ سوائے نبی صلعم کے اگر نابینا والی حدیث صحیح ثابت ہو جائے۔ لیکن جیسا تم پڑھ چکے ہو نابینا والی حدیث سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ خدا کو مخلوق کی قسم دینا یا رسول اللہ صلعم کی ذات کو وسیلہ قرار دینا جائز ہے بلکہ اس میں صرف آپ کی دعا سے وسیلہ چاہنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر دعا کے مشروع دعا مور یہ طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے دعا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ نبی کریم پر درود، اجابت دعا کا سب سے بڑا سبب ہے جو کتاب وسنت و اجماع امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ط يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ط	خدا اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

(الاحزاب : ۵۶)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ط	جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔

اور فضالہ بن عبید رض سے روایت ہے کہ رسول خدا نے ایک شخص کو اللہ کی ثنا اور اس کے رسولؐ پر درود بھیجے بغیر دعا کرتے دیکھا تو فرمایا۔

عَجِلَ هٰذَا ط	اس نے جلد بازی سے کام لیا۔

پھر اسے بلایا اور اس سے یا کسی دوسرے سے فرمایا۔

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِحَمْدِ رَبِّهِ ثُمَّ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَآءَ ط	جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اپنے رب کی حمد سے آغاز کرے پھر نبیؐ پر درود بھیجے پھر اس کے بعد جو چاہے مانگے۔

یہ حدیث احمد و ابوداؤد و نسائی و ترمذی نے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	جب مؤذن کو سنو تو جیسا وہ کہتا ہے ویسا ہی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ درود

عَلَيَّ ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ ‘‘	بھیجتا ہے، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک ایسا درجہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندے کے شایانِ شان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

سنن ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ موذن ہم سے زیادہ فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

قُلْ كَمَا يَقُولُونَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ سَلْ تُعْطَهْ ۔	جیسا وہ کہتے ہیں تو بھی کہہ، جب اذان ختم ہو جائے تو دعا کر قبول ہو گی۔

مسند احمد میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جس نے اذان سن کر کہا۔

’’ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَائِمَةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَارْضَ عَنِّي رِضًا لَا سَخَطَ بَعْدَهُ ‘‘	اے خدا رب اس دعوۃ قائمہ اور صلاۃ نافعہ کے، محمدؐ پر درود بھیج اور آپ سے ایسا راضی ہو کر پھر کبھی ناراض نہ ہو۔

تو اللہ اس کی دعا قبول کرے گا۔ احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ ۔	اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔

ابوداؤد میں سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

’’ سَاعَتَانِ تُفْتَحُ فِيهِمَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَقَلَّ مَا تُرَدُّ عَلٰى دَاعٍ دَعْوَتُهُ۔ عِنْدَ حُضُوْرِ النِّدَاءِ وَالصَّفِّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ‘‘	دو وقت ایسے ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور کم ہی کسی کی دعا رد کی جاتی ہے، بیماری کے وقت اور راہِ خدا میں (جہاد کے لیے) صف باندھ کر کھڑے ہونے کے وقت۔

مسند احمد و ترمذی وغیرہ میں ابی بن کعبؓ سے منقول ہے کہ جب رات کا چوتھائی حصہ گذر جاتا تو حضورؐ اٹھتے اور فرماتے۔

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ"	اے لوگو! اللہ کو یاد کرو زلزلہ آگیا اور اس کے پیچھے دوسرا زلزلہ ہے، موت اپنی سب حالتوں کے ساتھ آگئی!۔

ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ سے عرض کی کہ میں آپ پر بہت درود بھیجتا ہوں، فرمائیے اپنے درود میں سے کتنا آپ کے لیے کردوں؟ فرمایا۔

مَا شِئْتَ ۔	جتنا چاہو۔

میں نے کہا "چوتھائی؟" فرمایا"

مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ط	جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

میں نے کہا "تو آدھا؟" فرمایا"

مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ط	جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

میں نے کہا "دو تہائی حصے؟" فرمایا"

ما شئت وان زدت فهو خير لك ٥	جتنی چاہو اور اگر زیادہ کردو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

اس پر میں نے عرض کی تو میں اپنی تمام صلاتیں آپ ہی کے لیے خاص کیے دیتا ہوں۔ فرمانے لگے یہ

اِذًا يَكْفِيْكَ اللّٰهُ مَا اَهَمَّكَ مِنْ اَمْرِ دُنْيَاكَ وَاٰخِرَتِكَ"	تو پھر اللہ تجھے دنیا و آخرت کی پریشانیوں سے سبکدوش کردے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ الفاظ فرمائے "

"اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ ذَنْبُكَ ۔	تو پھر تجھے بے فکر کردے گا اور تیرے گناہ معاف کردے گا۔

صلٰوۃ کے معنی ہیں "دعا" قرآن میں ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ | ان کے حق میں دعا کر کیونکہ تیری دعا ان کے لیے تسلی کا باعث ہے۔

(التوبۃ : ۱۰۳)

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى" | یا اللہ ابواوفی کے خاندان پر تیری رحمت ہو۔

ایک عورت نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! میرے اور میرے خاوند کے لیے دعا کیجئے" فرمایا:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ ۭ | تجھ پر اور تیرے شوہر پر اللہ کا درود۔

ابی والی حدیث میں چونکہ سائل کا مقصود یہ تھا کہ میں جلب خیر اور دفع شر کے لیے دعائیں مانگا کرتا ہوں، بتائیے ان میں سے آپ کے لیے کتنی کر دوں؟ اس لیے آپ برابر یہی فرماتے رہے کہ جتنی چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، چنانچہ جب اس نے کہا کہ میں اپنی تمام دعائیں آپ ہی کے لیے خاص کیے دیتا ہوں تو فرمایا: تو خدا تجھے دین و دنیا کے افکار سے نجات دے گا۔ اور ظاہر ہے یہ وہ بڑی سے بڑی اور زیادہ سے زیادہ چیز ہے جس کے لیے دعا کی جا سکتی ہے۔ علماء اسلام نے شرعی دعائیں بیان کر دی ہیں اور بدعی دعاؤں سے اعراض کیا ہے لہٰذا ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کی اتباع کریں۔

اس باب میں تین درجے ہیں: ایک یہ کہ غیر اللہ کو پکارا جائے جو مر چکا ہے یا غیر حاضر ہے عام اس سے کہ کوئی نبی ہو یا ولی۔ مثلاً کہے "اے فلاں، مجھے پناہ دے، یا تیری دہائی ہے، یا دشمن کو مغلوب کر دے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس سے بخشش و توبہ چاہے جیسا کہ بہت سے جاہل مشرک کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کی قبر کی جانب رخ کر کے نماز پڑھے اور سمجھے کہ یہ نماز قبلہ رو نماز سے بہتر ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یہ قبر، خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ، عوام کا قبلہ! اور یہ کہ اس کی زیارت کے لیے سفر، حج کے سفر کی طرح ہے، اور یہ کہ اس کی زیارت کے لیے چند دفعہ کا سفر ایک حج کا ثواب رکھتا ہے بلکہ بہت سے غالی تو ایک مرتبہ کی زیارت کو متعدد حجوں سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔

یہ چیز سراسر شرک ہے اگرچہ بہت سے لوگ اس کے مرتکب کیوں نہ ہوں۔
دوسرا درجہ یہ ہے کہ نبیوں یا نیک لوگوں میں سے جو فوت ہو گئے ہیں یا غیر حاضر ہیں ان سے کہا جائے، اللہ سے میرے لیے دعا کرو یا اپنے پروردگار سے ہمارے لیے درخواست کرو۔ جیسا کہ عیسائی مریم وغیرہ سے درخواستیں کرتے ہیں۔ اس چیز میں کسی عالم کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز ہے اور ایک ایسی بدعت ہے جس کا سلف امت میں سے کوئی بھی مرتکب نہیں ہوا۔ ہاں اہل قبور پر سلام بھیجنا اور انہیں مخاطب کرنا روا ہے چنانچہ نبی صلعم صحابہؓ کو تعلیم دیتے تھے کہ جب قبروں پر جائیں تو کہیں۔

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَھُمْ"	اس جگہ بسنے والے مسلمانو اور مومنو تم پر سلامتی ہو، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، خدا ہمیں اور تمہیں بخشے، ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد فتنہ میں نہ ڈالنا اور ہمیں اور انہیں بخش دینا۔

ابو عمر بن عبد البرؒ نے نبی کریمؐ سے روایت کی ہے کہ فرمایا۔

مَا مِنْ رَجُلٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ الرَّجُلِ کَانَ یَعْرِفُہٗ فِی الدُّنْیَا فَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ رُوْحَہٗ حَتّٰی یَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ	جب آدمی کسی ایسے شخص کی قبر پر سے گذرتا ہے جسے دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کرتا ہے تو خدا اس کی روح اسے لوٹا دیتا ہے تاکہ اس کے سلام کا جواب دیدے۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ	جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجے گا تو خدا میری روح لوٹا دے گا تا کہ اس کے سلام کا جواب دے سکوں۔

یہ مشروع ہے لیکن مردہ سے دعا چاہنا یا اور کوئی خواہش کرنا مشروع نہیں۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب قبر نبویؐ پر جاتے تو یہ کہہ کر فوراً ہٹ جاتے:

" اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَہٗ " | اے رسول اللہ آپ پر سلام، اے ابوبکرؓ آپ پر سلام، اے باپ آپ پر سلام۔

عبداللہ بن دینار رہ سے منقول ہے، کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ حجرہ میں کھڑے ہیں اور رسول اللہ پر درود بھیج رہے ہیں اور ابوبکر کے لیے دعا کر رہے ہیں اسی طرح حضرت انس رہ وغیرہ کی بابت منقول ہے کہ وہ نبی کریمؐ پر سلام بھیجتے اور جب دعا کرنا چاہتے تو قبلہ رو ہو جاتے تھے۔ کسی ایک صحابی کے متعلق بھی مروی نہیں کہ اس نے حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگی ہو۔ بلاشبہ بعد کے بہت سے فقہاء و صوفیہ اور عوام نے اس معاملے میں لغزش کھائی مگر کوئی ایک ایسا امام بھی اس طرف نہیں گیا جس کی رائے تسلیم کی جاتی ہو اور جسے امت میں مقبولیت کا رخ حاصل ہو۔

ائمہ اربعہ:۔ مالکؒ و ابو حنیفہ رہ و شافعیؒ و احمدؒ اور دوسرے ائمہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ زائر جب نبی کریمؐ کو سلام کر چکے اور اپنے لیے دعا کرنا چاہے تو قبلہ رخ ہو جائے۔ پھر سلام کے متعلق اختلاف ہے کہ کس طرح کیا جائے۔ مالکؒ و شافعی و احمد کا مذہب ہے کہ حجرہ کی جانب منہ کر کے سلام کرنا چاہیئے اور امام ابو حنیفہ رہ کا قول ہے کہ سلام کے وقت حجرہ کی طرف منہ بھی نہ کرے۔ پھر اس باب میں ان کے مذہب میں دو قول ہیں کہ آیا حجرہ کو پشت دے کر سلام کرے یا بائیں جانب رکھے۔ یہ سلام کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے مگر دعا میں سب متفق ہیں کہ قبلہ رخ ہونا چاہیئے۔

امام مالکؒ والی روایت پر تنقید

یہی وہ حکایت جو امام مالکؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ ان سے جب خلیفہ منصور نے حجرہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگنے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کی اجازت دی اور کہا۔

" ھُوَ وَسِیْلَتُکَ وَوَسِیْلَۃُ اَبِیْکَ اٰدَمَ ؑ " | وہ یعنی نبی کریمؐ تیرا اور تیرے باپ آدمؑ کا وسیلہ ہیں۔

تو یہ امام مالکؒ پر ایک صریح بہتان ہے۔ اس کا سلسلۂ روایت مجہول ہے اور وہ ان کے مذہب کی کتب اور ان سے مستند روایات کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ اسمٰعیل بن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ سے روایت ہے کہ جب ان سے

ان لوگوں کے متعلق پوچھا گیا جو حجرہ کے سامنے دیر تک کھڑے ہوتے اور اپنے لیے دعا کرتے ہیں تو انہوں نے اس فعل کی شدید مذمت کی اور کہا یہ ایک ایسی بدعت ہے جسے سلفِ امت یعنی صحابہ رضہ و تابعین رح میں سے کسی نے بھی نہیں کیا اور فرمایا "

" اس امت کا آخر بھی اُسی سے درست ہو گا جس سے اس کا اوّل درست ہوا ہے "

امام مالکؒ نے جو کچھ کہا ہے وہی صحیح ہے کیونکہ صحابہ رضہ و تابعین کی سوانح سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیز ان میں نہ تھی حالانکہ اگر دعا کے وقت حجرہ کی جانب منہ کرنا جائز ہوتا تو وہ اس سے یقیناً باخبر ہوتے اور اس پر سب سے پہلے عامل ہوتے۔ دعا صرف اللہ ہی سے کی جاتی ہے اس لیے دعا کے وقت حجرہ کی طرف منہ کرنے سے اسی طرح ممانعت کی گئی۔ جس طرح نماز کے وقت حجرہ یا قبر کی طرف رخ کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "

" لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا "	نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔

لہٰذا اس حدیث صحیح کے بموجب قبروں کی جانب منہ کرکے نہ نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ دعا کرنا، قبروں میں کوئی تخصیص یا امتیاز نہیں، انبیاء اور غیر انبیاء سب کی قبریں اس حکم میں برابر ہیں۔

اس بارے میں جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نماز کے لیے قبر پر جانا اور قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ یہ ایک قبیح بدعت اور معصیت ہے، اسی طرح دعا کے لیے قبروں پر جانا خواہ انبیاء کی قبریں ہوں یا صالحین کی درست نہیں پس جب قبر کی طرف نماز اور قبر کے پاس دعا جائز نہیں تو خود میت اور صاحب قبر سے دعا مانگنا یا دعا کی درخواست کرنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہو گا۔ اس بنا پر میت سے اس طرح کی درخواستیں کرنا کہ اللہ سے دعا کرو یا یہ مانگو اور وہ مانگو نا جائز ہے۔ اور کسی حال میں بھی اس کی اجازت نہیں۔ ہاں البتہ اگر وہ زندہ ہوتا تو یہ بات درست ہوتی۔ کیونکہ زندگی میں وہ مکلف تھا اور اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے سائل کا سوال پورا کرنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا مگر وفات کے بعد مکلف نہیں رہا بلکہ تمام قیود سے آزاد ہو گیا۔ یہی وہ بات

کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں یا یہ کہ شبِ معراج میں انبیاءؑ نے نبی صلعم کے پیچھے نماز ادا کی یا یہ کہ اس عالم میں بھی صالحین ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کے مکلف ہیں، بلکہ محض اپنی خوشی اور تقدیرِ الٰہی سے کرتے ہیں تاکہ ان کی روح لطف و مسرت حاصل کرے۔

لہٰذا میت سے سوال کرنا سراسر بے فائدہ ہے کیونکہ وہ اس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا، جو کچھ اللہ نے مقدر کر دیا ہے اس پر مردے عمل کرتے ہیں اور جو نہیں کیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے خواہ انہیں کتنا ہی بلند آواز سے پکارا جائے۔ جیساکہ ملائکہ کے بارے میں ہے کہ صرف حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں۔

"وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ، لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ."

اور کہتے ہیں رحمان نے اولاد بنائی ہے وہ پاک ہے بلکہ یہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ اس کے سامنے بات بھی نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے فرمودہ پر عمل کرتے ہیں۔

(الانبیاء: ۲۶، ۲۷)

نبی اکرمؐ کی حیات میں کسی چیز کے جائز ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ وفات کے بعد بھی جائز ہو، کیونکہ مثلاً آپ کے گھر میں نماز ادا کرنا درست تھا، اسے مسجد بنانا جائز تھا۔ لیکن وفات کے بعد جب آپ اس میں دفن ہو گئے تو ایسا کرنا ممنوع ہو گیا، چنانچہ فرمایا۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا فَعَلُوْا وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَاُبْرِزَ قَبْرُهٗ وَلٰكِنْ كُرِهَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا .

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ آپ نے ایسا کرنے سے ڈرایا ہے، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلی جگہ بھی بنائی جاتی مگر یہ ناپسند کیا گیا کہ وہ مسجد بنا لی جائے۔

اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد ٹھہرا لیا کرتے تھے خبردار تم قبروں کو ہرگز مسجد نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

یا مثلاً یہ کہ آپ کی زندگی میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز بلکہ افضل ترین عمل تھا۔ لیکن وفات کے بعد جائز نہیں کہ آپ کی قبر کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح زندگی میں آپ سے درخواست کی جا سکتی تھی کہ حکم دیں، فتوے صادر کریں، فیصلہ فرمائیں لیکن اب وفات کے بعد یہ جائز نہیں رہا۔

قبر نبوی کی زیارت

امام مالکؒ وغیرہ علماء نے تو اس بارے میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ "میں نے قبر نبوی کی "زیارت" کی" کیونکہ یہ لفظ وارد نہیں ہے اور قبر اطہر کی زیارت سے متعلق جتنی احادیث بھی روایت کی گئی ہیں سب کی سب ضعیف بلکہ بالکل باطل اور جھوٹی ہیں۔ پھر یہ لفظ (یعنی "زیارت") متاخرین کے عرف میں دو معنی کے لیے استعمال ہونے لگا ہے اور اس سے اکثر "بدعی زیارت" مراد لی جاتی ہے جو شرک کی قسم سے ہے مثلاً اس ارادہ سے قبر کی زیارت کہ خود اس سے دعا کی جائے یا اس کے واسطہ سے اللہ سے دعا کی جائے یا اس کے پاس دعا کرنے کو بہتر سمجھا جائے۔

اور شرعی زیارت یہ ہے کہ نماز جنازہ کی طرح میت کی قبر پر محض اللہ کی رضا کے لیے جائے۔ اس پر سلام بھیجے، اس کے حق میں دعا کرے۔ یہی زیارت مشروع ہے لیکن چونکہ بہت سے لوگ لفظ زیارت سے پہلے معنی، یعنی بدعی زیارت، مراد لیتے ہیں اس لیے امام مالکؒ نے یہ کہنا ہی مکروہ قرار دیا کہ "میں نے حضور کی قبر مبارک کی زیارت کی" کیونکہ اس میں ابہام و اشتباہ ہے اور دو معنی بھی نکلتے ہیں، جو بدعتیوں اور مشرکین میں مقبول ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے "اے اللہ! میں تجھ سے فلاں شخص کے حوالہ سے یا اس کی عزت و مرتبت کے ذریعہ سے درخواست کرتا ہوں۔ تو اس کے بارے میں اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے نیز یہ بھی مذکور ہو چکا کہ یہ چیز صحابہؓ میں مشہور نہ تھی بلکہ انہوں نے حضور کے وصال کے بعد آپ کے بجائے حضرت عباسؓ اور دوسرے لوگوں کی دعاؤں کو وسیلہ قرار دیا تھا۔

اب واضح ہو گیا کہ لفظ "توسّل"، "وتوجّہ" دو معنی پر مشتمل ہے: ایک وہ جو صحابہؓ مراد

لیتے تھے اور ایک وہ جو صحابہؓ مراد نہیں لیتے تھے۔ اس کے معنیٰ ان کے محاورہ میں یہی تھے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا وشفاعت کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

ایک موضوع روایت

رہی وہ حدیث جو بہت سے مشائخ اپنے مریدوں سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔

اِذَا اَعْيَتْكُمُ الْاُمُوْرُ فَعَلَيْكُمْ بِاَهْلِ الْقُبُوْرِ (اَوْ) فَاسْتَغِيْثُوْا بِاَهْلِ الْقُبُوْرِ	جب کسی مصیبت میں پھنسو تو اہل قبور کی طرف رجوع کرو یا اہل قبور سے مدد طلب کرو۔

تو یہ ایک باطل اور جھوٹی حدیث ہے، تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے، نہ کسی محدث نے اسے روایت کیا ہے اور نہ یہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے۔ بلکہ اس کا جھوٹ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

"وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۚ"	اس زندہ جاوید پر توکل کر جو کبھی نہیں مرے گا اور اسی کی تعریف کے ساتھ تسبیح پڑھتا رہو اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے پورا خبردار ہے۔

(الفرقان : ۵۸)

بلکہ نبی صلعم نے وہ چیز بھی ناجائز قرار دے دی ہے جو اس سے قریب تھی، یعنی قبروں کا مسجد بنانا اور وہاں دعا وغیرہ کی غرض سے جانا بلکہ اسکے مرتکب پر لعنت ہے اور ایسے لوگوں کی مشابہت سے روکا ہے کیونکہ یہ شرک کی جڑ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ	اور ان بڑے لوگوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور کہا کہ نہ ود کو چھوڑنا نہ سواع کو نہ یغوث کو نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔

(نوح : ۲۳)

یہ لوگ (ود، سواع، یعوق، یغوث، نسر) قوم نوح میں نیک لوگ تھے، جب مرے تو لوگ ان کی قبروں کی تعظیم کرنے لگے، پھر ان کی تصاویر بنائیں اور اس کے بعد ان کے بت گھڑ کر پرستش کرنے لگے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضہ وغیرہ علماءِ سلف

کا قول اوپر ذکر ہوا ہے۔

تمام انبیاء کا دین یہ شرک جس سے نبی کریمؐ نے روکا ہے دوسرے تمام نبیوں کے ادیان میں بھی حرام ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مردوں سے دعا کرنے اور شرک کی اور تمام قسموں سے منع کیا اور کہا اس سے اللہ ناراض ہوتا اور سزا دیتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے

"ہم نبیوںؑ کا دین ایک ہی ہے!"

اور قرآن میں ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ

تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی بابت نوحؑ کو ہدایت کی تھی اور تو بذریعہ وحی تمہاری طرف حکم بھیجا ہے اور جس کی ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو ہدایت کی تھی۔ یہ کہ دینِ الٰہی کو قائم رکھو۔ اور اس میں متفرق نہ ہو جس مطلب کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو۔ وہ ان مشرکوں پر ناگوار ہے۔

(الشوریٰ : ۱۳)

اور فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۭ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ، فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

اے رسولو! حلال طیب غذا کھایا کرو، اور نیک عمل کیا کرو بے شک میں تمہارے کاموں پر مطلع ہوں اور یہ جماعت تمہاری ہی پارٹی کے ہیں تم ایک ہی گروہ ہو اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ پس تم مجھ سے ڈرتے رہو لوگوں نے آپس میں پھوٹ ڈالی جو کچھ کسی فریق کے پاس تھا اور ہے اسی کے ساتھ خوش وخرم

فَرِحُوْنَ ۝ | ہیں۔"

(المؤمنون: ۵۱ تا ۵۳)

اور فرمایا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝	پس تو ایک طرف ہو کر اپنے آپ کو خالص دین کی طرف لگائے رکھ۔ اللہ کی بنائی ہوئی سرشت جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کر اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی مناسب نہیں۔ یہی مضبوط طریق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ تم اسی کی طرف رجوع ہو کر اس تعلیم کے پابند رہنا اور اس سے ڈرتے رہنا اور نماز قائم رکھنا۔ اور ان مشرکوں سے کبھی نہ بننا جنہوں نے اپنے دین میں تفرق ڈالا۔ اور گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر ایک فریق کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔

(الروم: ۳۰ تا ۳۲)

یہی "اسلام" ہے اور یہی وہ دینِ فطرت ہے جس کے سوا اور کوئی دین اللہ کو پسند نہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث دوسرے مقامات پر کی جا چکی ہے۔

باب (۵)

جب واضح ہوگیا کہ خدا اور اس کے نبیؐ نے جو چیز (یعنی شرک) خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین، اشرف المخلوقات، افضل الشفعاء صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ممنوع نہیں کی وہ آپ سے کم درجہ اولیاء و صلحاء کے حق میں بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ چنانچہ کسی کو نہ اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے گا، نہ اس کی قبر کی پرستش کی جائے، نہ اللہ کو چھوڑکر اسے زندگی میں اور موت کے بعد پکارا جائے گا۔

اس بنا پر کسی کے لیے جائز نہیں کہ کسی ولی یا بزرگ کو اس کی غیر حاضری یا وفات کے پیچھے پکارے اور کہے "اے میرے آقا! مجھے فتح نصیب کر، میری دستگیری کر، مجھ سے مصیبت دور کر، مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں" وغیرہ امور جو شرک ہیں اور جنہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے، اور جن کی حرمت، دینِ اسلام میں بالکل صاف وواضح ہے۔

شیطان کی فریب کاریاں

رہے وہ مکاشفات واحوال جن کا ظہور قبر پرستوں پر قبروں کے پاس ہوتا ہے، تو ان سے کسی کو دھوکہ نہ کھانا چاہیئے، کیونکہ وہ اکثر من گھڑت باتیں اور افسانے ہوتے ہیں، اور اگر ان میں کوئی حقیقتہً ہوتا بھی ہے تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ اس طرح کہ شیطان کبھی صاحبِ قبر کی صورت میں ظاہر ہوتا اور ان گمراہوں کی گمراہی پختہ کرنے کے لیے ان سے کلام کرتا ہے اور ان کی بعض حاجات پوری کر دیتا ہے۔ یہ سادہ لوح سمجھتے ہیں کہ وہ خود بزرگ ہے جو اپنی کرامت سے اس طرح زندہ ہو کر سامنے آگیا ہے حالانکہ وہ نہ بزرگ ہوتا ہے نہ اس کی کرامت بلکہ شیطان ہوتا ہے جو ان کی گمراہی بڑھانے کے لیے بھیس بدل کر آتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ شیطان اسی طرح مشرکین کو بہکاتا ہے۔ بت پرستوں پر بھی ایسے ہی حالات ظاہر ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے

بتوں کی کرامت سمجھ بیٹھتے ہیں۔

مجھے اس قسم کے بہت سے واقعات معلوم ہیں، چنانچہ میں نے خود ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے میری اور دوسرے بزرگوں کی، ہماری عدم موجودگی میں، دہائی دی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے اور ان بزرگوں کو ہوا میں اڑکر آتے اور ان کی مشکل دور کرتے دیکھا۔ لیکن میں نے انہیں بتا دیا کہ یہ سب شیطان کی فریب کاریاں ہیں، وہی میری اور دوسرے بزرگوں کی صورت میں آیا تھا تاکہ غیر موجود یا فوت شدہ بزرگوں کے پکارنے میں ان کی حوصلہ افزائی کرے اور گمراہی کو اور زیادہ پکا کردے۔ اسی قسم کے واقعات عیسائیوں کو بھی پیش آتے ہیں جو اپنے بزرگوں کو پکارتے اور ان سے فریادیں کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں بھی نظر آتا ہے کہ اپنے جس شیخ کو انہوں نے پکارا تھا، آگیا اور ان کی مراد پوری کرگیا۔ حالانکہ یہ سب شیطان کے شعبدے ہوتے ہیں۔

یہ لوگ جو متوفی انبیاءؑ، صالحینؒ، مشائخ اور اہل بیت وغیرہ سے رجوع کرتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے مکاشفات ان پر بھی ہوجائیں۔ چنانچہ اگر کسی کو اس میں کامیابی ہوجاتی ہے تو اسے اپنے اس مشرکانہ فعل کی کرامت ومعجزہ سمجھنے لگتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو اس بزرگ کی قبر پر جسے وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے کوئی آواز سنائی دیتی یا کوئی شکل دکھائی دیتی یا اوپر سے کھانا یا روپیہ وغیرہ اترتے نظر آتا ہے تو اسے اس شیخ کی ولایت وکرامت سمجھنے لگتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے غور نہیں کرتا کہ یہ سب شیطان کی کارروائی ہے جو اسے گمراہ کرنے کی فکر میں ہے اور جس کے ذریعہ وہ بت پرستی عام کرچکا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی ہے۔

"وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۝"	اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائیو۔ بہت سے لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا۔

(ابراہیم: ۳۵، ۳۶)

حالانکہ ظاہر ہے خود پتھر کسی کو گمراہ نہیں کرسکتا، البتہ اس کے ساتھ کوئی اور سبب

موجود ہوتا ہے جو گمراہ کرتا ہے۔ کوئی بت پرست بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ بتوں نے آسمان وزمین پیدا کیئے ہیں بلکہ وہ انہیں اللہ کے ہاں اپنا صرف سفارشی اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

نادانستہ طور پر شیطان کی پرستش

بعض لوگوں نے انبیاءؑ وصالحینؒ کی مورتیں بنائیں، بعضوں نے سورج چاند اور ستاروں کے بُت بنائے، بعضوں نے فرشتوں کے اور بعضوں نے جنات کے مجسّمے ساخت کیئے اور یہ سمجھ کر ان کی پوجا کرنے لگے کہ اس طرح وہ ملائکہ وانبیاءؑ وصالحین یا سورج وچاند کی پوجا کرتے تھے۔ کیونکہ شیطان ہی اپنی پوجا سے خوش ہوتے اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کی رغبت دیتے ہیں۔ رہے ملائکہ تو وہ ہرگز اسے پسند نہیں کرتے۔ قرآن میں ہے۔

" وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ○ "

اور جس روز خدا ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے۔ ہمارا تو والی ہے ان سے ہمارا تعلق نہیں بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ اکثر ان میں کے انہی کو مانتے تھے۔

(سبا: ۴۰ تا ۴۱)

شیاطین کا دستور ہے کہ اگر عابد شیطان پرستی کو جائز نہیں سمجھتا تو پھر اُسے براہِ راست اس کی دعوت نہیں دیتے بلکہ انبیاء، صالحین اور ملائکہ وغیرہ مخلوقات کی عبادت کی طرف کہ جن سے اسے حُسنِ ظن ہوتا ہے، مائل کرنے اور اس طرح بتدریج اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ چنانچہ فریب خوردہ انسان سمجھتا ہے کہ میں شیطان پرستی سے کوسوں دور خدا کی نیک مخلوق کی تعظیم وتکریم وتقدیس میں مشغول ہوں۔ لیکن اصل میں وہ شیطان کی پوجا کر رہا ہوتا ہے اور انبیاء وصالحین وغیرہ کے نام سے شیطان کی پرستش کرتا ہے۔ برخلاف اس کے جو لوگ شیطان پرستی جائز رکھتے ہیں تو ان پر وہ اوّل دن سے ہی کھل جاتا اور اپنی حقیقت ظاہر کر دیتا ہے۔ انسان کا بھیس بدل کر آنے والا شیطان

کبھی اس قسم کے مطالبے بھی کرتا ہے کہ اُسے سجدہ کیا جائے یا اُس سے بدفعلی کی جائے یا مُردار کھایا اور شراب پی جائے۔ اکثر دیکھنے والے حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یقین کرتے ہیں کہ جو شکلیں دکھائی دیں یہی ہیں وہ یا فرشتے ہیں یا جنات ہیں جو اُن سے باتیں کرنے کے لیے اُتر آئے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ جو شکلیں دکھائی دیتی ہیں وہ اولیاء اللہ جنوں کی ہیں جو نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں اور جن کا نام بقول ان کے "رجال الغیب" ہے۔ حالانکہ وہ سب شیطان ہی ہوتے ہیں جو انسان یا دوسری مخلوقات کے روپ میں ہوتے ہیں۔

عرب میں جنات کی پرستش

عرب میں قاعدہ تھا کہ لوگ جنات کو پکارا کرتے تھے۔ جب کوئی کسی ایسے علاقہ میں جاتا تھا جہاں کے باشندوں سے دوستی نہ ہوتی تو کہتا تھا "میں اس علاقہ کے سردار جنات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے شریروں کے شر سے محفوظ رکھے" اس عقیدے نے جنات کو اور بھی حاوی کر دیا تھا اور وہ انہیں گمراہ کرنے میں اور بھی زیادہ مستعد ہو گئے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَاَنَّہٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۔

اور انسان جنوں کی پناہ لیا کرتے تھے پھر وہ جن ان کو نقصان پہنچاتے۔

(الجن : ۶)

اسی طرح عجمی تعویذات میں بھی جنات کے نام آتے ہیں جن سے دعائیں اور فریادیں کی جاتی ہیں اور کبھی کبھی جنات اور شیطان ان تعویذوں کی وجہ سے کچھ کام بھی آتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں جادو و شرک کی قبیل سے ہیں اور شریعت میں حرام ہیں، قرآن میں ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

اور پیچھے ہو لیے ہیں ان باتوں کے جو شیاطین سلیمانؑ کے زمانے میں پڑھتے تھے اور سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا اور لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور نہ اتارا گیا تھا دو فرشتوں پر بابل میں اور کسی کو جادو نہ

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

بتلاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم بلا میں ہیں پس تو کافر مت ہو۔ پس سیکھتے ان سے وہ کلمات جن کی وجہ سے خاوند بیوی میں جدائی ڈالتے اور کسی کو سوائے اذن خدا کے ضرر نہ دے سکتے تھے اور لوگ وہی چیز سیکھتے جو ان کو ضرر دے اور نفع نہ بخشے حالانکہ یقیناً جان چکے ہیں کہ جو شخص ان کو لے گا۔ قیامت میں اس کے لیے حصہ نہیں ہے۔ برا ہے وہ کام جس کے بدلے میں وہ اپنی جانوں کو عذاب میں دے چکے ہیں اگر جانتے ہوتے۔

(البقرۃ : ۱۰۲)

کرامات شیطانی کی حقیقت

ان کفریات پر اعتقاد و عمل رکھنے والے کبھی ہوا میں بھی پرواز کرتے ہیں۔ شیطان انہیں اٹھا لیتے اور مکہ وغیرہ دور دراز ممالک تک اڑا لے جاتے ہیں۔ لوگ اسے کتنی ہی بڑی کرامت سمجھیں مگر ایسا شخص زندیق کافر ہی ہوتا ہے، نماز اور دوسرے فرائض سے انحراف و انکار کرتا ہے، اللہ اور رسول ﷺ کی حرام ٹھہرائی ہوئی باتوں کو حلال قرار دیتا ہے اور ہر قسم کے مکروہات و منکرات میں مشغول رہتا ہے۔ شیطان ایسے لوگوں کے ساتھ محض اس کفر و فسوق کی وجہ سے میل ملاپ رکھتے ہیں جو ان میں مخفی یا علانیہ پایا جاتا ہے۔ لیکن جوں ہی وہ سچی توبہ کے ساتھ اللہ اور اس کے نبی پر ایمان لاتے اور کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں، فوراً شیطان الگ ہو جاتے ہیں اور اس قسم کے تمام شیطانی مکاشفات و حالات و تاثیرات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ میں بہت سے ایسے لوگوں سے آشنا ہوں جو شام، مصر، حجاز اور یمن میں موجود ہیں۔ جزیرہ، عراق، خراسان اور روم میں ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہے۔ پھر مشرکین اور اہل کتب کے ملکوں میں وہ بہ کثرت موجود ہیں اور اس قسم کے شیطانی کرشموں کا شکار ہو رہے ہیں۔

یہ شیطانی احوال جن کا ماخذ کفر و فسوق ہے اپنے اسباب کی کمی بیشی اور قوت و ضعف

کی مناسبت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں ایمان توحید کا ستون مضبوطی سے بلند ہوتا ہے، قرآن و سنت سورج ضوفشاں ہوتا ہے، وہاں یہ احوال بھی بہت کم اور کمزور ہو جاتے ہیں اور جہاں کفر و فسق و عصیان کا غلبہ ہوتا ہے وہاں شیطان بھی اپنے کرتب کھل کر دکھاتے ہیں تاکہ گمراہی اور بھی زیادہ ہو جائے۔ اسی طرح جس شخص میں کفر و ایمان دونوں کے مادے جمع ہوتے ہیں تو اس پر رحمانی و شیطانی دونوں حالتیں طاری ہوا کرتی ہیں۔ جس وقت جس مادہ کا زور و غلبہ ہوتا ہے اس کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ خاص مشرکین جو اسلام و ایمان کی لذت سے بالکل ناواقف ہیں مثلاً بخشیہ طونبہ، ہدی وغیرہ ترک و ہند و خطا و ختن کے علماءِ مشرکین و مشائخ کفار کے فرقوں میں شیطانی احوال کا ظہور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ہوا میں اڑتے اور عجیب کی باتیں بتاتے ہیں، ان کا دف بھی اڑتا اور ان لوگوں کے سروں پر خود بخود پڑتا ہے جو ان کے مقررہ طریقے کے خلاف جاتے ہیں۔ اسی طرح جس پیالے میں وہ شراب پیتے ہیں وہ بھی اِدھر اُدھر حرکت کرتا نظر آتا ہے اور اس کا محرک کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح اگر ان میں سے کوئی غیر آباد جگہ میں ہوتا ہے اور مہمان آجاتے ہیں تو ان کے لیے طرح طرح کے کھانے خود بخود اترتے دکھائی دیتے ہیں اور قسم قسم کی شرابیں آموجود ہوتی ہیں۔ دیکھنے والے ان باتوں پر متعجب ہوتے ہیں اور ان مشرکین کی کرامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سب شیطانوں کے کرتب ہیں جو قریب کی آبادیوں سے کھانا اور شراب وغیرہ چوری کر کے لے آتے ہیں۔ اسی طرح نو مسلم ترکوں میں بھی جو یا تو مشرک ہوتے ہیں یا کمزور ایمان والے اس قسم کی باتیں اکثر دیکھنے میں آتی ہیں اور رہے تاتاری جو بالکل کافر ہیں تو ان کے درمیان ان کی اور بھی زیادہ گرم بازاری ہے۔

کیسے مسلمان شیطان کے فریب میں پھنس جاتے ہیں؟

اسی طرح ان مسلمانوں میں بھی جو توحید سے بے خبر، اطاعت رسول ﷺ سے دور، اور مشائخ وغیرہ کو پکارتے اور اپنا قبلۂ حاجات بناتے ہیں، شیطانی احوال پائے جاتے ہیں۔ جو کوئی شیطان کو جتنا زیادہ خوش رکھتا ہے اتنا ہی زیادہ اس پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس گروہ میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو دیندار اور عبادت گذار سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ جہالت

عبادت کی تاریکیاں چھائی ہوتی ہیں، اس لیے شیطان کو ان پر قابو پا لیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی اڑ کر عرفات میں پہنچ جاتا اور اپنے آپ کو حاجیوں کے ساتھ کھڑا پاتا ہے۔ وہ بنا بر جہالت اسے کرامت و عمل صالح یقین کر کے خوش ہوتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی غور نہیں کرتا کہ یہ نہ عبادت ہوئی نہ کرامت بلکہ محض شیطان کی ایک شعبدہ بازی ہوئی جس نے اس پر غیر محسوس طریقہ سے تسلط حاصل کر لیا ہے۔ کیونکہ جس حج کے لیے نہ احرام باندھا گیا، نہ مزدلفہ میں قیام کیا گیا، نہ طواف افاضہ کیا گیا، اور نہ ارکان کی شرطیں پوری کی گئیں، وہ کسی مسلمان کے نزدیک بھی حج نہیں بلکہ ایک معصیت ہے اور ہرگز جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و صحابہؓ جو مشائخ و صوفیہ سے کہیں افضل تھے، ان میں سے کسی ایک کو بھی اس طرح کی کوئی صورت پیش نہیں آئی بلکہ وہ عام لوگوں کی طرح سفر کی مشقتیں برداشت کر کے حج اور دوسری عبادات ادا کرتے رہے۔ اس قسم کا واقعہ ایک بزرگ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اسکندریہ سے اڑ کر عرفات پہنچ گیا تھا جہاں اس نے دیکھا کہ فرشتے اترتے ہیں اور حاجیوں کے نام لکھ رہے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا تم نے میرا نام بھی لکھ لیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں کیونکہ تو نے نہ مشقت اٹھائی نہ اس طور پر آیا جس طور پر تمام حاجی آئے ہیں، اس لیے تیرا حج ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح بعض مشائخ کی بابت مروی ہے کہ ان سے اس قسم کے حج کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا ایسے حج سے فرض پورا نہیں ہوا کیونکہ تم نے اللہ و رسولؐ کے حکم کے مطابق حج نہیں کیا۔

اسلام کی دو بنیادیں: توحید و رسالت

دین اسلام دو بنیادوں پر استوار ہے ایک یہ کہ بلا شرکت غیر صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور دوسرے یہ کہ اس طور پر کی جائے جس طور پر اس نے اپنے نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی مقرر کر دی ہے۔ یہی وہ دو اصل بنیادیں ہیں، جنہیں کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پیش کرتا ہے۔ "الٰہ" کے معنی یہ ہیں کہ جس کی عبادت و محبت، تکریم و تعظیم، خوف و رجا، اجلال و اکرام دلوں کو گھیر لے۔ اللہ تعالے کا بندوں پر یہی حق ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے۔ پس اسی کو پکارا جائے، اسی کی عبادت کی جائے، اسی سے ڈرا جائے، اسی

سے امید رکھی جائے اور اسی کی عبادت کی جائے، نبی اکرم صلعم کا مرتبہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے پہنچانے والے ہیں۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اور دین وہی ہے جو خود اس نے مقرر کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلعم، اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں جو اس کے پیغام پہنچاتے، اس کے حکموں سے آگاہ کرتے، اس کے وعدہ و وعید کی خبر دیتے ہیں۔ رہا دعاؤں کا قبول کرنا، مصیبتوں کا دور کرنا، ہدایت دینا، دولت و نعمت سے مالا مال کرنا تو یہ سب صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی بندوں کی التجائیں سنتا ہے ان کے ٹھکانے جانتا ہے، ان کا ظاہر و باطن دیکھتا ہے، اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ جس پر چاہے رحمت کی بارش نازل کرے، جس کی تکلیفیں چاہے دور کر دے، جسے چاہے دنیا بھر کے خزانے عطا کر دے۔ وہ اپنے بندوں کی حالت معلوم کرنے میں کسی کا بھی محتاج نہیں، ان کی حاجات پوری کرنے میں کسی کی مدد کا بھی خواہشمند نہیں، کیونکہ وہ خود سمیع ہے علیم ہے قدیر ہے۔ اسی نے وہ تمام اسباب و وسائل پیدا کئے ہیں جن سے حاجت روائی ہوتی اور خوشی و سعادت نصیب ہوتی ہے، وہ مسبب الاسباب ہے تنہا و یگانہ ہے، غنی و بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ کوئی اس کا بیٹا ہے، سب اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ مثیل ہے نہ ساتھی ہے۔

يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۞

کل آسمان والے اور زمین والے سب لوگ اپنی حاجات اسی سے مانگتے ہیں اور وہ ہر آن ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔

(الرحمٰن: ۲۹)

پس آسمان والے بھی اُسی سے مانگتے ہیں، زمین والے بھی اسی سے مانگتے ہیں، وہ سب کی دعائیں یکساں طور پر سنتا اور سب کی بولیاں سمجھتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک کی سنتے وقت دوسرے کی نہ سنے یا ایک کو دیتے وقت دوسرے کو نہ دے سکے زبانوں کا اختلاف، بولیوں کی کثرت، سائلوں کا شور اسے پریشان نہیں کر سکتا، اس کے کان بیک وقت سب کے لیے کھلے ہوتے اور اس کے ہاتھ سب کو عطا کرتے رہتے

ہیں۔ بلکہ وہ سائلوں کی تضرع وزاری اور دعا و فریاد کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رسول خدا صلعم سے احکام دریافت کرتے تھے، تو خود اللہ تعالےٰ جواب دیتا تھا۔ مثلاً فرمایا۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ	تجھ سے چاند کا حال دریافت کرتے ہیں تو کہہ دے یہ لوگوں کے اوقات اور حج کے لیے ہے۔

(البقرۃ : ۱۸۹)

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ؕ	وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو کہہ دے زاید خرچ کرو۔

(البقرۃ : ۲۱۹)

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ	تجھ سے حرام مہینے میں لڑنے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔

(البقرۃ : ۲۱۷)

بلکہ جب خود اس ذاتِ برتر کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ؕ	اور جب میرے بندے تجھ سے میرا حال دریافت کریں تو تو کہہ دے کہ میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں۔

(البقرۃ : ۱۸۶)

اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ "کہہ دے ...." بلکہ براہِ راست خود ہی جواب دے دیا کہ میں تمہارے بالکل قریب ہوں اور تمہاری پکاریں سنتا اور قبول کرتا ہوں، اس بنا پر اللہ کے بندوں کو اللہ ہی سے دعا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ان سے بالکل قریب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ؐ نے صحابہ رض کو ذکر و دعا میں چلاتے دیکھا تو یہ کہہ کر منع کیا۔"

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا اِنَّ الَّذِي تَدْعُوْنَ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ ۝"

اے لوگو! اپنے آپ کو قابو میں رکھو، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم سمیع و قریب کو پکار رہے ہو، جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

اور فرمایا۔

"جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ اس کے منہ کے سامنے ہے، نہ دائیں جانب تھوکے کیونکہ اس کے دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے لیکن ہاں بائیں جانب اور اپنے پیروں کے نیچے تھوک لے۔"

یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد وجوہ سے مروی ہے۔

وہ (اللہ) جل جلالہ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پہ مستوی ہے، اپنی مخلوق سے الگ ہے، مخلوقات میں کوئی چیز بھی اس کی ذات کا حصہ نہیں اور نہ اس کی ذات میں مخلوقات میں سے کوئی چیز شامل ہے۔ وہ غنی و حمید عرش و کرسی اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، کسی کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہی اپنی طاقت سے عرش اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں اور تمام جہانوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔

اس بلند ہستی نے کائنات کے درجات اور طبقات بنا دئیے ہیں مگر نہ اعلیٰ کو ادنیٰ کا محتاج کیا ہے اور نہ ادنیٰ کو اعلیٰ کا۔ وہ خود سب سے بلند و ارفع ہے آسمانوں زمینوں کا رب ہے اور ویسا ہے جیسا کہ خود اس نے اپنے متعلق فرما دیا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

(الزمر : ۶۷)

اور اللہ کی شان کے مطابق اس کی قدر نہیں کرتے حالانکہ قیامت کے روز ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہونگے وہ پاک ہے اور ان لوگوں کے شرکیہ افعال سے بہت بلند ہے۔

وہ عظیم الشان ہستی اس سے کہیں اعلےٰ وارفع ہے کہ اسے کوئی اٹھائے، سنبھالے، سہارا دے، مدد دے، بلکہ وہ تنہا و یگانہ ہے، مستغنی و بے نیاز ہے، نہ اسے کسی نے جنا ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے، وہ بے مثل ہے، اکیلا ہے، سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہ خود سب کا آقا اور سب کا دینے والا ہے۔

یہ تمام مباحث دوسرے مقامات میں مفصل بیان ہوئے ہیں جہاں نبی کریمؐ کی لائی ہوئی قولی و عملی توحید پر پوری طرح روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن یہاں بھی ایک اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ توحید قولی سورۂ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں موجود ہے اور توحید عملی سورۂ "قل يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" میں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم یہ دونوں سورتیں نمازِ فجر اور سنّتِ طواف وغیرہ میں پڑھا کرتے تھے۔ نیز ان دونوں نمازوں میں ذیل کی آیتیں بھی بکثرت تلاوت کرتے تھے، چنانچہ پہلی رکعت میں پڑھتے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ؁	تم کہہ دو کہ ہم خدا کو اور اس کتاب کو مانتے ہیں۔ جو ہماری طرف اتری اور اس کو بھی مانتے ہیں) جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور جو کچھ موسٰے اور عیسٰے اور سب نبیوں کو خدا کی طرف سے ملا (تسلیم کرتے ہیں) اور ہم (اللہ کے) نبیوں میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے تابعدار ہیں"

(البقرۃ: ۱۳۶)

اور دوسری رکعت میں پڑھتے"

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

تو کہہ دے اے کتاب والو ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے بین مساوی ہے یہ کہ ہم تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ کوئی ہم میں سے سوائے خدا کے کسی دوسرے کو مربی سمجھے پس اگر منہ پھیریں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تابعدار ہیں۔

(آل عمران: ٦۴)

پہلی آیات میں قولی ایمان اور اسلام کا ذکر ہے اور دوسری آیات میں اسلام اور عملی ایمان موجود ہے۔ اللہ کا اپنے بندوں پر جو احسان سب سے بڑا ہے وہ "اسلام و ایمان" ہے اور وہ ان دونوں آیتوں میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

یہ وہ استفتاء اور اس کا جواب ہے جسے میں نے یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھا کیونکہ اس میں مختصر طور پر اہم مقاصد، مفید قواعد اور توحید پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ توحید ہی قرآن اور ایمان کی تمام کتابوں کی جان ہے، اور بحث کی وسعت اور عبارات کا تنوع نہایت ضروری اور بندوں کے دینی و دنیاوی منافع کے لیے ازحد مفید ہے۔

تمت بالخیر